
محمود نیازی
خیام
S.AMTIAZ
58

ناول





محمود نیازی



قیمت

مجلد :- پانچ روپیہ

نسیم بک ڈپو ——— لاٹوش روڈ لکھنؤ
ٹیلیفون ۴۵۵۹

ناشر:- عزیز الرحمن
طابع:- سرفراز قومی پریس لکھنؤ

اپنی اس حقیر ادبی کوشش کو ......

عم محترم مولائی و مرشدی حضرت

عزیز میاں صاحب قبلہ

سجادہ نشین خانقاہ نیازیہ بریلی

کے نام معنون کرتا ہوں

محمود نیازی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پہلا باب

شارعِ کتب فروشاں

نیشاپور کی یہ سب سے غیر آباد اور سنسان سڑک تھی جو جامع مسجد سے شروع ہو کر پارک تک چلی گئی تھی اس سڑک کے دونوں طرف گھنی جھاڑیاں تھیں ان پر انگور کی بیلیں اس طرح پھیلی ہوئی تھیں کہ بعض جگہ تو سورج کی روشنی صرف چند گھنٹوں کیلئے ہی آتی تھی۔ مدتوں تک اس سڑک کا یہ حال رہا کہ دن دہاڑے مسافر لٹ جاتے تھے اور لوگ اس طرف جاتے ہوئے ڈرتے تھے دس بارہ برس سے یہ آباد ہونا شروع ہو گئی اور اب اس پر کتابوں کی کئی دوکانیں بھی کھل گئی تھیں جامع مسجد اور درسگاہ نیشاپور کی قربت سے یہ دوکانیں خوب چلنے لگی تھیں جن طالبِ علموں کو کتابوں کی ضرورت ہوتی تھی وہ بجائے شہر جانے کے یہاں سے ہی خرید لیتے تھے۔ تقریباً دو فرلانگ سیدھی جانے کے بعد یہ سڑک گھوم گئی تھی اور اس جگہ سے چڑھائی شروع ہو جاتی تھی۔ اس موڑ پر ایک بہت بھاری اور پرانا چنار کا درخت کھڑا تھا اور اس کے نیچے سے ایک میٹھے پانی کا چشمہ بہتا تھا جو سڑک کے

کنارے کنارے گذرتا ہوا سامنے والی گھاٹیوں میں غائب ہو گیا تھا۔

اس چشمے پر پانی بھرنے کیلئے قرب و جوار کی عورتیں آتی رہتی تھیں اور اسوقت بھی چنار کے درخت کے نیچے گپ شپ لڑا رہی تھیں انکے قریب ہی کئی گگرے پانی سے بھرے ہوئے رکھے تھے اس درخت کے بالکل سامنے ایک کتابوں کی دوکان تھی جسپر بیٹھا ہوا بوڑھا کتب فروش اونگھ رہا تھا یہ دوکان دوسری دوکان سے قدرے ہٹ کر تھی اور اسپر صرف پرانی کتابیں خریدی اور بیچی جاتی تھیں اسلئے بہت کم گاہک اس طرف آتے تھے اسکے علاوہ بوڑھا کتب فروش صورت سے بھی اڑیچی معلوم ہوتا تھا اور شاید ہی کوئی خوش نصیب شخص ایسا ہو جس نے اس بوڑھے کو دوکان پر جاگتا ہوا دیکھا ہو دوکان کے برابر سے گزرتے ہوئے مدرسہ کے چھوٹے چھوٹے بچے اس بوڑھے کا مذاق اڑایا کرتے تھے اور کبھی کبھی اسپر کنکریاں بھی پھینکتے ہوئے بھاگ جاتے تھے لڑکے مل کر نعرہ لگاتے اٹھ جاگ پرانے الّو اب رات ہونے والی ہے! اس جملہ کی تکرار بار بار ہوتی ـــــ تالیاں بجتیں اور جب وہ بوڑھا جاگ کر ان کے پیچھے دوڑتا تو سب نو دو گیارہ ہو جاتے روز یہی ہوتا۔

اپنے باپ کے متعلق اس نعرہ کو سن کر یاسمین بہت پیچ و تاب کھاتی تھی بارہ[12] تیرہ[13] برس کی تھی۔ بچی اس شیطانی لشکر کا مقابلہ تو کیا کرتی لیکن وہ ایسے موقع پر لڑکوں کو منہ چڑا کر اپنا دل خوش کر لیا کرتی تھی۔ لڑکوں نے اسکی طرف کبھی توجہ نہ کی اور نہ اس کے منہ چڑانے کا کوئی جواب دیا۔ یہ شیطانی ٹولی کبھی کبھی یاسمین کی بلی پر بھی کنکریاں پھینکتی ہوئی گذر جاتی تھی۔

یاسمین گیارہ بارہ برس کی یا ممکن ہے کہ تیرہ برس کی ہو لیکن تھی بہت حسین یا کم از کم اپنی نظر میں وہ خود کو بہت خوبصورت سمجھتی تھی اور اسی وجہ سے

اس نے اپنے چہرہ پر ایک چھوٹی سی نقاب ڈالنا شروع کر دی تھی۔ اگر وہ پورا برقعہ پہنتی اور اپنے مکان کے جھروکوں سے جھانکتی تو ممکن ہے کہ لڑکوں کیلئے زیادہ قابل توجہ ہوتی۔

یاسمین کا باپ خالی وقت میں لڑکوں کو پڑھایا کرتا تھا۔ کبھی کبھی وہ اپنے باپ کو پڑھاتے ہوئے سنتی لیکن اس کے لئے پڑھنا لکھنا ایسی ہی اہمیت رکھتا تھا جیسے کہ اندھیری رات میں چمگادڑوں کو اڑتا ہوا دیکھنا۔ جب لڑکے پڑھ کر چلے جاتے تو وہ پھر دوکان میں آجاتی۔ اس کے مکان سے دوکان بالکل ملی ہوئی تھی بلکہ یوں کہیئے کہ مکان کی بیٹھک میں ہی دوکان تھی۔ یاسمین کا باپ بہت بوڑھا ہو چکا تھا اور آنکھوں سے بھی مجبور ہو چلا تھا اس لئے دن بھر وہ اپنے باپ کی دیکھ بھال کرتی اور اگر کبھی کوئی بھولا بھٹکا گاہک آجاتا تو اس سے بات کرتی۔ یاسمین کی ماں کو مرے ہوئے زمانہ ہو چکا تھا اور اب اس کا جو کوئی بھی تھا وہ یہی بوڑھا باپ تھا

آج یاسمین اپنے باپ کے لئے پانی لینے کے لئے مکان میں گئی اور جب وہ واپس آئی تو دو لڑکے دوکان پر کھڑے تھے ان میں دراز قد لڑکا رحیم تھا۔ نیشا پور کے بڑے امیر کا اکلوتا لڑکا۔ رحیم کے کندھے پر سرخ بانات کی ایک عبا پڑی ہوئی تھی۔ دوسرا لڑکا صورت شکل اور لباس سے غریب معلوم ہو رہا تھا وہ اسوقت تک کتابوں پر جھکا ہوا مطالعہ میں رہا جب تک آفتاب غروب نہ ہو گیا۔ اس شام رحیم نے کئی کتابیں خریدیں جب یہ دونوں لڑکے مغرب کی اذان کی آواز سن کر چلے گئے تو بوڑھا کتب فروش الماری کے پاس گیا اور

تھوڑا سا پنیر اور دو روٹیاں اس میں سے نکال کر یاسمین کو دینے کے بعد نماز پڑھنے چلا گیا۔ اس غریب لڑکی کیلئے یہ غذا بھی نعمت تھی وہ اس کو خوش خوش کھانے لگی تھوڑی دیر کے بعد اس کا باپ بھی مسجد سے آ کر دوکان میں بیٹھ گیا وہ اس وقت کسی گہرے خیال میں غرق معلوم ہوتا تھا۔

وہ خوب جانتا تھا کہ رحیم اس کی دوکان پر روزانہ کیوں آتا تھا اس کے چکر یاسمین اور صرف یاسمین کی وجہ سے ہوتے تھے یہ امیرزادہ اپنی دولت سے متاثر کرکے اس بوڑھے کو پرچانا چاہتا تھا۔ لیکن ان باتوں کی یاسمین کو بالکل خبر نہ تھی اسکا طائر خیال جو آشیانہ بنانا چاہتا تھا وہ رحیم جیسے امیرزادوں کی پہونچ سے بہت بلند تھا وہ چاہتی تھی کہ اسکا شوہر دیبا و حریر کا لباس پہنتا ہو۔ جب وہ اس سڑک پر سبزہ گھوڑے پر سوار ہو کر گذرے تو اس کے جلو میں سینکڑوں ترکی سوار ہوں۔ اس کے شوہر کا محل۔ بلکہ کئی کئی محل ہوں جن کے جھروکوں میں سے جھانک کر وہ دریا میں نہاتے ہوئے سفید ہنسوں کے جوڑوں کو دیکھ سکے۔ اسکی لونڈیاں تک زرکار ریشمی ملبوس پہنے ہوں اور سونے چاندی کے برتنوں میں قسم قسم کی مٹھائیاں روزانہ کھانے کو ملیں ۔۔۔ وہ اس سے زیادہ کیا سوچ سکتی تھی؟ آخر تھی بھی تو گیارہ بارہ برس کی چھوکری۔ کبھی وہ یہ سوچتی کہ اس کا شوہر اسکو اتنا چاہنے والا ہوگا کہ اس کے حرم کی دوسری بیویاں اس کے آگے لونڈی اور باندیوں کی طرح رہیں گی صرف اس کے ہی بچے اپنے باپ کی زیادہ توجہ کے مستحق ہوں گے۔ وہ اس کا کبھی تمسخر نہ اُڑائے گا ۔۔۔

"رحیم بہت ہنستا ہے" یاسمین کو یکبارگی رحیم کی ہنسی یاد آگئی اور وہ دوبارہ

سوچنے لگی۔

دوسری طرف اس کا بوڑھا باپ خیالی پلاؤ پکانے میں مصروف تھا "خیر اگر وہ روزانہ یہاں آتا ہے تو اچھا ہی ہے" بوڑھے کتب فروش نے دل میں کہا "میری یاسمین مزے کرے گی ___ اس کے آگے پیچھے سینکڑوں کنیزیں اور خادمائیں پھرا کریں گی"

"یہ بھی برا نہیں ہے" یاسمین کا ننھا سا دماغ سوچنے میں مصروف تھا ایک لمحہ کیلئے اس کے سامنے رحیم کی تصویر اس کے خیالی امیرزادے کے روپ میں آگئی جو سبزہ گھوڑے پر سوار تھا اور سینکڑوں غلام اس کے جلو میں چل رہے تھے ___ لیکن رحیم ابھی تک رحیم ہی تھا اور یاسمین ایک کھوٹے پیسے کو رگڑ کر اشرفی بنانے کی کوشش کر رہی تھی۔ یاسمین کو تعجب تھا کہ آخر ابراہیم کے مفلس لڑکے کو یہ ہر وقت اپنے ساتھ کیوں لگائے پھرتا ہے۔!

"ابراہیم کا لڑکا" وہ اپنی بلی کو جو سڑک پر جانے کیلئے بیقرار تھی دبوچ کر سوچنے لگی "یہ لڑکا بہت خاموش اور گھنا معلوم ہوتا ہے۔ مجھے ایسے لڑکے بہت ناپسند ہیں جو بوڑھوں کی طرح معلوم ہوں"

ابراہیم کے لڑکے نے یاسمین کی طرف کبھی توجہ نہ کی تھی وہ رحیم کے ساتھ دوکان پر آتا۔ اپنے باپ کے ساتھ سڑک پر گذرتا لیکن کیا مجال جو ایک بار بھی اس نے یاسمین کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا ہو۔ عجیب بے پرواہ اور لاابالی لڑکا تھا۔ عمامے کے پیچ ہر وقت کھلے رہتے۔ عبا کے بند تو شاید ہی کبھی بندھے ہوں۔ جب وہ ان کی دوکان پر آتا تو کتابوں کے مطالعہ میں محو رہتا۔ کبھی ایک

کتاب دیکھتا کبھی دوسری۔ آخر رحیم بھی تو تھا جو اس سے بھی بات کرنے کی کوشش کرتا اور اس کے باپ سے تو خوب گھل مل کر باتیں کرتا۔

"ابراہیم کا لڑکا" یاسین کا باپ بڑبڑایا، وہ اپنے مدرسہ میں اتنا خاموش اور سنجیدہ نہیں رہتا ہے جیسا کہ یہاں معلوم ہوتا ہے۔ وہاں وہ اپنے استاد سے اتنی حجت کرتا ہے کہ وہ بھی عاجز آگیا ہے ـــ شاید ہی کوئی لڑکا ہو جس کا یہ مذاق نہ اڑاتا ہو۔"

یاسین بھی ابراہیم کے لڑکے کے چلبلے پن سے خوب واقف تھی کیونکر وہ بھی اسی مدرسہ میں پڑھتی تھی لیکن وہاں سے دوسرے روز جو بھاگ کر آئی تو پھر نہیں گئی ـــ لیکن آج تو وہ کچھ اور ہی سوچ رہی تھی۔

بلی اب سڑک پر پہونچ گئی تھی یاسین اسکو آواز دیکر برابر بلا رہی تھی ـــ "مالکی ـــ مالکی ـــ او مالکی" لیکن وہ نامعلوم کہاں غائب ہو چکی تھی۔ آخر جھنجھلا کر یاسین بھی سڑک پر آگئی اور بلی کو تلاش کرنے لگی ـــ ڈھونڈتے ڈھونڈتے آخر اس نے اپنی مالکی کو پا ہی لیا وہ چنار کے درخت کی ایک اونچی ٹہنی پر دبکی ہوئی بیٹھی کانپ رہی تھی اور نیچے آدھے درجن سے زیادہ شیطانی غول ـــ مدرسے کے لڑکے اس پر کنکریاں پھینک رہے تھے۔ یاسین نے جب یہ منظر دیکھا تو اس کے آگ ہی تو لگ گئی اور وہ تن تناتی ہوئی غصہ سے بل کھاتی ہوئی فوراً وہاں پہونچ گئی۔

"بس کرو" وہ غصہ میں بھرائی ہوئی آواز سے چیخی۔

جب لڑکوں نے اپنا کام بند نہ کیا تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ مالکی

شرمندہ نظروں سے یاسمین کو دیکھ رہی تھی۔ یاسمین نے آگے بڑھ کر ایک لڑکے کو دھکا دیا! اور تیزی سے بھاگتی ہوئی درخت کے نیچے پہونچ گئی آنسوؤں کے دو بڑے بڑے قطرے اس کے رخساروں پر آکر رک گئے تھے اس نے شاخوں کو مضبوطی سے پکڑا اور تنے پر قدم جماتی ہوئی اوپر پہونچ گئی۔ جب اس نے اپنی مالکی کو دبوچ لیا تو کنکریاں آنا بھی بند ہو گئیں۔ لڑکوں کو مالکی سے دلچسپی تھی یاسمین سے نہیں۔ آہستہ آہستہ سارا شیطانی غول کھسک گیا۔

یاسمین غصہ کی ترنگ میں چڑھ تو گئی تھی لیکن اب نیچے اترتے ہوئے دل کانپ رہا تھا وہ اس وقت ایک کافی اونچی ڈال پر بیٹھی ہوئی کانپ رہی تھی اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے اور کس طرح بلی سمیت نیچے اترے۔ یہ تو ناممکن تھا کہ وہ بلی کو لئے ہوئے اوپر سے کود پڑتی۔ بلی کو چھوڑ کر وہ اسی طرح نیچے اتر سکتی تھی جیسے چڑھی تھی لیکن یہ بھی ناممکن تھا پھر بلی کس طرح نیچے آتی۔ دوکاندار لوگ نماز سے فارغ ہو کر اپنی اپنی دوکانیں کھول رہے تھے کسی شخص کو خبر تھی کہ ایک چھوٹی سی لڑکی درخت پر پھنسی بیٹھی ہے —— ہاں ایک لڑکا ایسا ضرور تھا جو اس کو دیکھ کر درخت کے نیچے آکھڑا ہوا تھا۔

"آؤ۔ نیچے کود پڑو" لڑکے نے بازو پھیلاتے ہوئے کہا۔

وہ ابراہیم کا لڑکا تھا جو اس کو ہمیشہ سے ناپسند رہا "نہیں" یاسمین نے سر ہلا کر جواب دیا "تم مجھے گرا دو گے"

"او ڈرپوک لڑکی" ابراہیم کے لڑکے نے کہا اور درخت کی شاخیں پکڑ کر جھولتے ہوئے فوراً اوپر پہونچ گیا۔ اس نے مضبوطی سے یاسمین کے بازو پکڑے

اور اسکو لیکر پیچھے کو دوڑا یاسمین کی سانس پھولی ہوئی تھی اور اس کے دوپٹے میں الجھی ہوئی بلی خرخر کی آوازیں نکال رہی تھی۔ یاسمین کی اڑی ہوئی رنگت اور دھڑکتے ہوئے دل کو محسوس کر کے ابراہیم کا لڑکا مسکرا رہا تھا۔ اسکی سیاہ آنکھوں سے شوخی اور چلبلاہٹ جھلک رہی تھی وہ اس وقت بلی کو یاسمین کے دوپٹے کے پھندوں سے آزاد کرا رہا تھا۔

"اوہ۔ تم نے تو اس غریب کو اتنا جکڑ رکھا ہے کہ اسکا دم گھٹ رہا ہو گا"

یاسمین نے اپنے رخساروں سے آنسو پونچھے اور چیخ پڑی "میرا مذاق داڑاؤ" وہ دوبارہ رونے لگی اور اس کی آنکھوں سے خوف ظاہر ہونے لگا۔ وہ دوڑ کر انگور کی ٹٹیوں کے سائے میں چلی گئی۔

اس کے بعد کئی روز تک یاسمین کے دماغ میں ابراہیم کے لڑکے کے علاوہ کوئی دوسرا خیال بھی نہ آیا۔ ابراہیم کے لڑکے کی خمار آگیں نگاہیں اور باہوں کی مچھلیاں اس کے تصور میں رہتیں اور اسی طرح رات گذر جاتی۔ وہ اپنے مکان کی چھت پر ایسی جگہ بیٹھ جاتی جہاں سے مدرسہ کا دروازہ نظر آتا تھا اور جب دوسرے نوجوان لڑکوں کے ساتھ ابراہیم کا لڑکا آتا ہوا نظر آتا تو وہ اپنے رخساروں تپش سی محسوس کرنے لگتی۔ دل دھڑکنے لگتا۔ جب اس نے کنکھیوں سے دیکھا تو آج پہلی بار اسے محسوس ہوا کہ ابراہیم کا لڑکا گھوڑے پر کس قدر تن کر بیٹھا تھا۔ کس مضبوطی سے وہ اپنے قدموں کو رکابوں میں جمائے رکھتا۔ اس کے ہونٹ موٹے موٹے اور سیاہ تھے۔ وہ جب یاسمین کی طرف مسکرا کر دیکھتا تو وہ پسینہ میں نہا جاتی اور شرما کر چھت پر سے ہٹ جاتی۔

یاسمین نے ابراہیم کے لڑکے کو متوجہ کرنے کی بہت کوشش کی۔ ایک بار اس نے اپنی شادی شدہ بہن کا عطر چرایا اور اپنے کپڑوں پر چھڑک کر آنکھوں میں خوب سرمہ لگایا۔ چہرہ پر غازہ ملا ــــ یہ سارے کام وہ اپنی بہن کو کرتے ہوئے دیکھ چکی تھی ــــ پھر اس نے چنبیلی کے پھول لا کر اس کا ایک ہار بنایا اور جس وقت ابراہیم کا لڑکا دوکان میں آنے والا تھا اس نے وہ ہار زمین پر ڈال دیا اور خود ایک کونے میں چھپ کر بیٹھ گئی وہ یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ ابراہیم کا لڑکا ہار کو اٹھا کر کیا کہتا ہے ــــ ایک بار جب اسکی بہن نے اس طرح ایک ہار زمین پر ڈال دیا تھا تو اس کے ہونے والے بہنوئی نے ہار کو چوم کر اپنی محبوبہ کے گلے میں ڈال دیا تھا ــــ لیکن ابراہیم کے لڑکے نے کچھ بھی نہ کیا اس نے ہار کو اٹھا کر ایک چوکی پر رکھ دیا اور کتابوں کے مطالعہ میں کھو گیا ــــ وہ ساری رات یاسمین نے بے چینی میں گذاری وہ چاہتی تھی ابراہیم کا لڑکا اس سے بات چیت کرے۔ اس کے حسن کی تعریف کرے ــــ اس نے کئی بار رات کو اٹھ کر اپنی مرحوم ماں کے آئینہ میں اپنی صورت دیکھی اور خود ہی اس نتیجہ پر پہونچی کہ وہ انتہائی خوبصورت تھی۔ کاش کسی امیر کے یہاں پیدا ہوئی ہوتی!

جب دوسرے روز صبح کو وہ دوکان پر آیا تو یاسمین نے اسکی ایک ایک حرکت کا غور سے مطالعہ کیا ــــ وہ اپنے لحاف کے سوراخ میں سے جھانک کر اسکو دیکھتی رہی۔ وہ کون سی کتاب پسند کرتا ہے ــــ کس طرح کتابوں کے ورق لوٹ رہا ہے ــــ صرف ایک کتاب ہی ایسی تھی جس کو وہ ہمیشہ پسند کرتا تھا اس کتاب کو وہ خود بھی کئی بار دیکھ چکی تھی۔ اس میں خطوط اور دائروں کی عجیب

عجیب تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ طرح طرح کے زاوے تھے، جو ایک دوسرے کو کاٹتے تھے۔ قسم قسم کی اشکال تھیں۔ وہ اس کتاب کے مضمون کو سمجھ نہیں سکتی تھی لیکن وہ بھی اس کو پسند کرتی تھی اور اسی وجہ سے اس نے کتاب کو دوسری کتابوں کے پیچھے چھپا دیا تھا۔

آج ابراہیم کے لڑکے کے ساتھ اس کا دوست رحیم بھی تھا۔ دراز قد رحیم اسکو دیکھ کر مسکرانے لگا۔ بوڑھا کتب فروش اسوقت مکان کے اندر تھا۔

"اوہ یاسمین آج تو تم نے بناؤ سنگھار میں کمال کر دیا ہے" رحیم نے بوڑھے کی غیر حاضری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا "آج تو بدر کمال بھی تم کو دیکھکر شرما رہا ہے۔"

یاسمین شرما کر مسکرانے لگی لیکن اس کی نظریں ابراہیم کے لڑکے ہی پر تھیں جو اس کتاب کو ڈھونڈھ رہا تھا جسے اس نے چھپا کر رکھا تھا۔ یاسمین جلدی سے آگے بڑھی اور کتابوں کی ڈھیری کو الٹ پلٹ کر سرخ جلد کی وہ کتاب نکال لی اس گڑبڑ میں کتاب کا سرورق بھی پھٹ گیا۔ اسی وقت یاسمین نے اپنے باپ کے قدموں کی آواز سنی۔ اس کا دل خوف سے دھڑکنے لگا کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اس کتاب کو اسکا باپ اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز رکھتا تھا۔ دوکان میں آتے ہی سب سے پہلے بوڑھے کی نظر اسی کتاب پر پڑی۔

"یہ ورق مجھ سے پھٹ گیا ہے" رحیم نے کہا "اس کی کیا قیمت ہے؟ میں اسکو خرید لوں گا"۔ وہ جانتا تھا کہ اس کے دوست کو وہ پسند تھی۔

"یہ اقلیدس کی نایاب کتاب ہے" بوڑھے نے کہا "اس کتاب میں

اقلیدس کی ان شکلوں کی مشکلات حل کی گئی ہیں جن کا ثبوت ایک دوسرے پر موقوف ہے" بوڑھے کی آنکھوں سے بے یقینی جھانک رہی تھی کیونکہ وہ جانتا تھا کہ رحیم کو اقلیدس سے کوئی دلچسپی نہیں تھی اور ابراہیم کا لڑکا اس کو خریدنے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا۔

"نیشاپور کی کسی لائبریری میں ایسی مکمل کتاب نہیں ہے کہ جس میں ساری تفصیلات معہ اشکال کے ہوں" بوڑھے نے سلسلہ کلام جاری رکھا" میں نے اس کتاب کو سلطان کی خدمت میں پیش کرنے کیلئے رکھا تھا"

"اوہ کوئی حرج نہیں ہے" رحیم نے کہا" میں اس کو خرید کر اپنے دوست ابراہیم خیمہ دوز کے لڑکے عمر کو دیدونگا"

عمر کا چہرہ شدت جذبات سے سرخ ہو گیا اس نے کتاب کو اٹھا کر اپنی انگلیوں میں مضبوطی سے پکڑ لیا۔

"لیکن او بوڑھے دوکاندار" رحیم نے کہا" تم نے یہ تو بتایا نہیں کہ یہ کتاب سلطان محمود غزنوی کی ہے اور ان کے تخت پر ہر وقت رکھی رہتی تھی! ہنھ۔ پرانی اور شکستہ حال کتاب بھی بھلا اتنی نایاب ہو سکتی ہے جتنی تم بتا رہے ہو! میرے خیال سے تو اسکی قیمت دس بارہ دینار سے زیادہ نہیں ہو سکتی بلکہ یہ بھی بہت ہیں کیونکہ جس یونانی کی یہ لکھی ہوئی ہے اس کو مرے ہوئے بھی سینکڑوں برس ہو چکے ہیں"

"نہیں صاحب ــــ اسکی قدر تو وہی لوگ جان سکتے ہیں جو اس علم سے واقف ہیں" یاسین کے باپ نے کہا" اشکال کی موجودگی نے اس کی قیمت کو

بڑھا دیا ہے ـــــ اس کے علاوہ اس کی جلد تو دیکھئے کتنے بہترین چمڑے کی ہے اور اس پر طلائی کام ـــــ"

ایک گھنٹہ تک اس کتاب کی قیمت پر جھک جھک ہوتی رہی یاسین کو یہ اندازہ ہو گیا تھا عمر اس کو حاصل کرنے کیلئے بےچین تھا آخر کار رحیم نے اپنے دوست کیلئے پچاس دینار میں کتاب کو خرید لیا۔

جب دونوں طالب علم دوکان سے رخصت ہو کر سڑک پر پہونچے تو یاسین نے کھڑکی میں سے دیکھا کہ عمر نے اپنی پیٹی میں سے ایک چھوٹا سا طلائی قلمدان نکالا اور اس کو اپنے دوست رحیم کی جیب میں زبردستی ٹھونس کر ایک طرف کو بھاگ گیا تاکہ رحیم قلمدان واپس نہ کر سکے۔ یہ قلمدان عمر کی واحد ملکیت تھی جو اس کو اپنے دادا کے ترکے میں ملی تھی لیکن اس کتاب پر آج اس نے اپنی سب سے قیمتی چیز کو قربان کر دیا تھا۔

ابراہیم خیمہ دوز کے لڑکے کیلئے وہ ایک یادگار شام تھی۔ اس نے مغرب کی نماز سے فارغ ہو کر جلدی جلدی رات کا کھانا کھایا۔ چشمے پر جا کر اپنے ہاتھ دھوئے پھر ان ہاتھوں کو احتیاط کے ساتھ بھیڑ کی کھال سے خشک کیا۔ شمعدان روشن کر کے وہ اپنے حجرہ کی چھت پر پہونچ گیا۔

اس حجرہ کی چھت کچی تھی جس پر مالک مکان نے پیاز اور پودینہ وغیرہ بو رکھا تھا۔ عمر نے یہ حجرہ اس لئے پسند کیا تھا کہ اس کا کرایہ بہت کم تھا اور دو مہینہ ہوئے اس کے والد کا انتقال بھی ہو چکا تھا اور اب وہ دنیا میں اسی طرح اکیلا تھا جس طرح وہ پیدا ہوا تھا۔ باپ کی بچی کھچی پونجی کو وہ بہت

احتیاط سے صرف کر رہا تھا اور اسی لیئے اپنے آبائی مکان کو کرایہ پر اٹھا کر اسنے یہ حجرہ لے لیا تھا۔ اس حجرہ میں مکمل تنہائی کے علاوہ سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ اسکی چھت پر بیٹھکر وہ رات کو ستاروں کا مطالعہ کرتا تھا جو اسکا محبوب مشغلہ تھا۔ جس وقت میدان سے رات کی خوشگوار ہوا کے جھونکے آتے تو چھت پر اگی ہوئی پیاز اسطرح رقص کرتی جیسے اس میں بھی جان ہو۔ اس چھت سے نیشاپور کی اکثر عمارتیں اچھی طرح سے نظر آتی تھیں۔

آج ہوا بند تھی اسلئے چھت پر آکر اس نے اطمینان کی سانس لی روز کی طرح آج شمع کے بجھنے کا اندیشہ نہ تھا شمعدان کو اس نے طاق پر رکھا اور ایک پھٹا ہوا کمبل بچھا کر بیٹھ گیا اور اپنے دھلے ہوئے ہاتھوں سے آج کی خریدی ہوئی کتاب کے اوراق کو آہستہ آہستہ لوٹنے لگا۔ آج اسکی چوڑی پیشانی پر محراب دار ابروں کے نیچے خمار آلود آنکھوں میں عجیب و غریب عزم تھا شوق تھا جستجو تھی۔ اس کے برابر میں پرکار، قلم اور دوات، اور سامنے کپاس کا کاغذ تھا جس پر لکھی ہوئی کئی برس کی تحریر کو اس نے آج ہی دھویا تھا۔ پرکار اور پیمانہ کی مدد سے اس نے پہلے تو ایک مخروطی شکل کاغذ پر بنائی پھر اسکو تیزی کے ساتھ مختلف قطعوں میں تقسیم کیا۔ اس کے بعد ان قطعوں پر حروف لکھ کر ان کا حساب لگانے لگا۔

حجرہ کی چھت پر پڑے ہوئے ٹین کی کھڑکھڑاہٹ کی آواز۔ شمعدان پر پتنگوں کی زیادتی۔ حتیٰ کہ وہ کتاب تک اس وقت اس کے دماغ سے نکل چکی تھی۔ وہ صرف اپنے کاغذ پر بنی ہوئی شکلوں میں منہمک تھا۔ اسیوقت

ایک جانی پہچانی آواز نے اس کے انہماک کو ختم کر دیا۔

یہ عشاء کی اذان کی آواز تھی جس نے عمر کو بے چین کر دیا۔ آج تک اس کی کوئی بھی نماز بلا جماعت نہیں ہوئی تھی ــــــ لیکن یہ کتاب کمبخت ایسی تھی جو ایسے کام میں بھی حارج ہوئی تھی۔ عمر نے ایک بار شمعدان پر نظر ڈالی اور پھر اپنے کام میں مشغول ہو گیا آج اس نے طے کر لیا تھا کہ حجرہ میں ہی نماز پڑھے گا۔

آدھی رات کے وقت اس کے انہماک میں دوبارہ خلل پڑا جبکہ اس نے سڑک پر ایک بہت بڑے مجمع کے گذرنے کی آوازیں سنیں اس مجمع کے ساتھ سینکڑوں مشعلیں بھی تھیں۔ عمر اپنے حجرہ کی منڈیر پر آ کر بیٹھ گیا یہ ایک بہت بڑا جلوس تھا جس کے آگے سیاہ علم لئے ہوئے ایک خوبصورت نوجوان چل رہا تھا یہ جلوس جوش میں بھرے ہوئے اسلامی مجاہدین کا تھا جو جہاد میں شرکت کیلئے جا رہے تھے سارے مجاہد شوق شہادت میں ڈوبے ہوئے سے نظر آ رہے تھے ان کے بشروں سے جوش و غضب کے آثار ظاہر تھے۔ عمر جلوس کے قائد کو تعریفی نظروں سے دیکھنے لگا کیونکہ وہ اس وقت انتہائی فصاحت اور بلاغت کے ساتھ دوسرے لوگوں کو جہاد کے لئے آمادہ کر رہا تھا ــــ اس تقریر کو سن کر راہ چلتے لوگوں کا ایمان تازہ ہو رہا تھا۔ جلوس کے قائد نے بلند آواز سے "نَصْرٌ مِّنَ اللّٰہِ وَ فَتْحٌ قَرِیْبٌ" کہا جس پر نمازیان اسلام نے اللہ اکبر کا پر شور نعرہ لگایا۔ اس کے بعد قائد نے بلند آواز سے سورۂ توبہ کی آیات کو پڑھنا شروع کر دیا جس کا ترجمہ ہے۔ جو لوگ اللہ پر ایمان لائے

جنہوں نے خالصۃً للہ ہجرت کی اور جہاد کیا اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے ان کے درجے اللہ کے نزدیک بلند ہیں یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے مراد پائی۔ ایسے لوگوں کو خدا خوشخبری دیتا ہے انتہائی مہربانی کے ساتھ اپنی خوشنودگی مزاج کی اور ان بہشتوں کو جن کی نعمتیں ہمیشہ باقی رہنے والی ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ بڑا ثواب ہے جو انہیں ملے گا۔" قائد نہایت خوش گلو تھا، تلاوت کے بعد اس نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ "اسلام کے شیدائیو۔۔۔ ملت محمدی کے جاں نثارو اسلام پر مشرکین نے یورش کردی ہے وہ ہمارا دین صفحہ ہستی سے مٹانا چاہتے ہیں۔۔۔ جاگو۔۔۔ اٹھو۔۔۔ اور اس طرح ان کا صفایا کردو جیسے ریگستان کی تیز و تند ہوا سوکھے ہوئے پتوں کو اڑا لیجاتی ہے۔۔۔ اللہ اکبر۔ اللہ اکبر"

جب وہ جلوس گذر گیا تو اللہ اکبر کے پر جوش نعرے بھی فضا میں مدغم ہوتے گئے۔ عمر کئی منٹ تک کھڑا ہوا ستاروں کے جھرمٹ کو دیکھتا رہا پھر اس نے ایک بھرپور انگڑائی لیکر جماہی لی اور شمع بجھا کر کمبل پر دراز ہو گیا اونٹ کے بالوں کا دوسرا کمبل اپنے اوپر ڈال لیا۔ دوسرے لمحے وہ سو چکا تھا۔

دوسرا باب

مستقبل کے خواب

آج یاسمین کو اتفاق سے ایسا موقع مل گیا جس کی تلاش میں وہ سال بھر سے تھی۔ اس کے باپ نے سامنے والے چشمے پر گھڑا بھرنے کے لئے اسکو بھیجا تھا چنار کے درخت کے نیچے سے بہنے والے چشمے کی پتلی دھار سے اس نے گھڑا آسانی کے ساتھ بھر لیا اور پھر وہیں وہ ستانے کیلئے بیٹھ گئی۔ اسی وقت عمر بھی چشمے کا پانی اوک سے پینے کیلئے وہاں پہنچ گیا۔ یاسمین نے پورے ایک سال کے بعد آج عمر کو دیکھا تھا کیونکہ اس کے باپ نے یاسمین کو اسکی خالہ کے پاس حلب بھیج دیا تھا اور کل ہی وہ ایک طویل عرصہ کے بعد واپس آئی تھی۔ عمر کے ساتھ اسوقت نہ تو کوئی دوست تھا اور نہ ہاتھ میں کتاب۔ اس نے آتے ہی یاسمین کو جھک کر سلام کیا اور ایک مستعد سپاہی کی طرح تن کر کھڑا ہو گیا

"کہو۔ کیا بات ہے؟" یاسمین نے گھڑے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا

"میں کیا کہوں؟ تم تو سال بھر میں بہت بدل گئیں پہچانی بھی نہیں جا رہی ہو"

یاسمین کا دل کسی انجانے خوف سے دھڑکنے لگا۔

"ابا کہتے ہیں کہ تم ہر آدمی کا مذاق اڑاتے ہو۔ دوسرے لوگوں پر فقرہ بازیاں کرتے ہو۔ کیوں اب کیوں خاموش ہو گئے؟ میری باتوں کا جواب کیوں

نہیں دیتے ؟"

عمر اس کو چہکتے ہوئے سن کر تعجب سے دیکھنے لگا یہ معلوم ہو رہا تھا کہ وہ کوئی ایسی مینا تھی جسے ابھی زبان ملی ہو۔

دوسرے لوگوں کا دل دکھانے سے کیا فائدہ ؟" یاسمین کی بڑ جاری رہی۔ اگر تم دوسروں کے ساتھ اچھا برتاؤ کروگے تو وہ بھی تمہارے کام آئینگے ـــــ تم کو جب مدرسہ سے چھٹی ملتی ہے تو خالی وقت میں کیا کرتے رہتے ہو؟ بس اسی لفنگے رحیم کے ساتھ آوارہ پھرنا ــ اور کیا کر سکتے ہو۔ حالانکہ وہ تمہارا مذاق اڑاتا ہے۔ تمہاری مفلسی پر طنز کرتا ہے ـــ کیا عمر ہے تمہاری ؟"

عمر مسکرانے لگا" میری عمر اس وقت انیس (19) سال کی ہے۔ کبھی کبھی میں اپنے مرحوم باپ کی دوکان پر چلا جاتا ہوں جو خیمہ دوزی کا کام کرتا تھا لیکن رحیم ـــ رحیم ایسا نہیں ہے جیسا تم سمجھتی ہو۔ وہ ایک سچا اور مخلص دوست ہے "

یاسمین ابتک ایک پتھر پر بیٹھی تھی اور عمر کھڑا تھا نہ معلوم کیا سوچ کر اس نے عمر کے لئے اپنے برابر جگہ کردی اور شرمیلی نظروں سے اسکو دیکھنے لگی۔

"اچھا یہ بتاؤ" یاسمین نے چہک کر کہا" کہ اب تمہارا کیا ارادہ ہے ؟ کیا ساری عمر اسی طرح آوارہ گردی میں گذار دوگے ؟ اسوقت کیا تم پانی پینے کیلئے یہاں آئے تھے یا کپڑے دھونے کے لئے ؟"

عمر اس کے قریب بیٹھ گیا "مجھے اپنی تعلیم[1] کی تکمیل کی آرزو تھی خدا نے وہ بھی پوری کر دی ہے۔ قرآن شریف بھی حفظ ہو گیا اب میری سب سے بڑی اور دیرینہ تمنا ہے کہ ۔۔۔" عمر نامعلوم کس خیال میں کھو گیا "میری سب سے بڑی آرزو اپنی ایک رصدگاہ[2] قائم کرنے کی ہے۔ خدا اسکو پورا کرنے والا ہے۔"

یاسمین غریب کو کیا خبر تھی کہ رصدخانہ کیا چیز ہوتی ہے لیکن اس نے فوراً ہی دوسرا سوال کیا "اور اس کے بعد؟"

سلہ عمر خیام لغت فقہ اور تاریخ کا جید عالم تھا (بیہقی، شہر زوری) اور تمام تذکرے اس پر متفق ہیں کہ فلسفہ اور حکمت میں بو علی سینا کے بعد انکا درجہ تھا (بیہقی، شہر زوری) پیشوایان خراساں اور علامہ زماں میں علم نجوم اور فلسفہ میں خیام کا کوئی ہمسر نہ تھا (قفطی) جب حکمائے خراسان کا شمار کیا جاوے تو خیام ان میں بحر ذخار اور سب سے بلند مرتبہ ریاضیات میں سب سے بڑا اور حسابیات میں سب سے بڑھکر (شہر زوری) خیام نے المجسطی (ہیئت کی سب سے بڑی کتاب) ابوالحسن انبری سے پڑھی تھی جو ہیئت کا سب سے بڑا عالم تھا۔ قرأت اور تفسیر میں وہ یدطولیٰ رکھتا تھا (سلیمان ندوی)

سلہ وہ مقام جہاں آفتاب کی حرکات کو صحیح طور سے ضبط و مشاہدہ کیا جائے۔ جب سے آفتاب کی ترصید شروع ہوئی اس وقت سے لیکر آج تک آفتاب حرکت کے ضبط میں کچھ نہ کچھ بل ضرور نکلا ہے اسلئے حرکت شمسی کی صحیح تحقیق کرنے کے لئے سب سے پہلے بطلیموس نے رصدخانہ قائم کیا اور اس کے بعد اسلام میں بھی خیام سے پہلے بہت سے رصدخانے قائم ہو چکے تھے جن میں مشہور رصدخانے۔ رصدخانہ مامونی ۲۱۱ھ۔ رصدخانہ محمد بن جابر ۲۶۴ھ۔ رصد شرف الدولہ دیلمی ۳۷۹ھ۔ اور رصد ابو علی سینا ۴۲۵ھ بہت مشہور تھے۔

(مضمون اسلامی رصدخانے۔ رسالہ ندوہ مارچ و مئی ۱۹۰۹ء) مصنفہ سید سلیمان ندوی

"اوہ! یہ۔۔۔ یہ کرۂ آسمان کا ایک گلوب اور بطلیموس کی المجطی۔۔۔
اس کے علاوہ بہت سا دوسرا سامان جسکی رصدخانہ میں ضرورت ہوتی ہے"
یاسمین نے اتنا سمجھا کہ عمر کی خواہش کسی ایسی عمارت کو تعمیر کرنے کی تھی جسمیں
خاموشی اور تنہائی ہو۔۔۔ وہ خود بھی اپنے لئے ایسا ہی کوئی مکان چاہتی تھی۔
"میں سمجھ گئی" اس نے اسطرح خمیر ہلا کر کہا جیسے سچ مچ سمجھ گئی ہو۔۔۔
تم سیدی احمد کا پیشہ اختیار کرنا چاہتے ہو جو ستاروں کو دیکھ کر قسمت کا حال
بتاتا ہے۔"
نیشاپور کی عورتوں کو سیدی احمد پر بڑا اعتقاد تھا یہ شخص سفلی عملیات کرتا
تھا اور تھوڑا بہت نجوم میں بھی دخل رکھتا تھا۔
"لاحول ولا قوۃ۔ تم نے بھی کس گدھے کا نام لیا ہے" عمر بولا "اسکے
سارے جادو ٹونے لغو ہیں اور شریعت اسلام کی وجہ سے ان پر اعتقاد
رکھنا حرام ہے۔"
عمر جو کچھ بھی چاہتا تھا وہ یاسمین کے ننھے سے دماغ میں دھنسنا دشوار تھا
وہ اپنے رصدخانہ کو روز و سال کے صحیح تعین کیلئے استعمال کرنا چاہتا تھا۔۔۔
یاسمین کے نزدیک تو دن کی شروعات اسی وقت سے ہوتی تھی جب بھی صبح کو
اس کی آنکھ کھل جائے اور جب سورج نکل آئے۔ اس زمانہ میں تمام اسلامی
ممالک میں قمری سال کا رواج تھا۔ دن اور رات کا معیار آفتاب کے طلوع
اور غروب پر تھا اور مہینہ کا تعین چاند کے نکلنے سے ہوتا تھا جو تیس[30]۔ انتیس[29]
دن میں نکلتا ہے اور پھر ڈوبتا ہے۔۔۔ عمر چاہتا تھا کہ ایسے ماہ و سال کا تعین

کرے جس میں وہ دشواریاں نہ ہوں جو قمری یا شمسی سال میں ہوتی ہیں۔

یاسمین نے اتنی دیر میں نہ جانے کتنی باتیں سوچ ڈالیں۔ وہ خود بخود سر کو جنبش دیتی جاتی اور خیالی پلاؤ پکاتی جاتی تو اگر عمر اپنی رصدگاہ قائم کر سکا۔ اور وہ اس سے تھوڑی بھی محبت کر سکے۔ تو وہ اس کا زندگی بھر ساتھ دیگی۔ اس کے کپڑے دھویا کرے گی۔ اس کے جوتوں پر زردوزی کا کام کرے گی" اور اسی قسم کی بہت سی باتیں یاسمین نے سوچ ڈالیں۔

یاسمین ابھی گھر جانا نہیں چاہتی تھی۔ اسکو ابراہیم کے بیٹے کی باتیں بہت پسند آئی تھیں وہ چاہتی تھی کہ ابھی اور باتیں ہوں اس نے اپنی جیب سے وہ گلاب کا پھول نکال لیا جو اس نے اپنی چوٹی میں لگانے کیلئے توڑا تھا۔

کیا تمہیں یہ پسند ہے؟" یاسمین نے آہستہ سے اس وقت پوچھا جب چاند بادلوں میں روپوش ہو گیا تھا۔

"کیا؟ اوہ یہ!" عمر نے گلاب اپنے ہاتھ میں لے لیا اور سونگھنے لگا "کیا یہ تم نے توڑا تھا؟"

"ہاں۔ لیکن میں چاہتی ہوں کہ یہ تم لے لو" اس نے فوراً جواب دیا "اسے اپنے پاس رکھ لو"

ایک بار یاسمین نے دیکھا تھا کہ اس کے پڑوس والی لڑکی نے اپنے جھروکہ سے سڑک پر ایک گلاب کا پھول پھینکا تھا جس کو سڑک پر گذرتے ہوئے ایک بغدادی نوجوان نے اٹھا کر اپنے دل سے لگا لیا تھا یاسمین چاہتی تھی کہ عمر بھی ایسا کرے لیکن اس نے دو تین بار سونگھنے کے بعد پھینک دیا۔ یاسمین نے

پھول کو زمین سے اٹھا کر دوبارہ اپنی قمیص کی جیب میں رکھ لیا۔

"جب تمہارا اپنا رصد خانہ بن جائے گا" یاسمین کے خیال میں رصد خانہ بھی قلعہ سے ملتی جلتی کوئی چیز تھی۔ "تو میں بہت خوش ہوں گی۔"

عمر مسکرانے لگا۔ "تمہاری کیا عمر ہے یاسمین؟"

"چودھویں سال میں ہوں۔" اس نے شرماتے ہوئے جواب دیا۔ اس نے اپنی بہن اور دوسری عورتوں کو کہتے ہوئے سنا تھا کہ چودھویں سال میں لڑکی بیاہ کے قابل ہو جاتی ہے۔

"جب تم پورے چودہ سال کی ہو جاؤ گی تو میں تم کو گلاب کے پھول بھیجوں گا۔۔۔ بہت سے پھول۔"

تھوڑی دیر کے بعد عمر تو اٹھ کر چلا گیا لیکن یاسمین وہیں بیٹھی رہی۔ اپنے پتلے پتلے گلابی ہونٹ دبائے ہوئے وہ کسی سوچ میں بیٹھی رہی۔ اس کی آنکھوں میں اس وقت سرخ ڈورے پڑ گئے تھے اور کسی انجانی خوشی سے اس کا انگ انگ دکھنے لگا تھا۔۔۔ نہ جانے کب تک وہ اسی عالم میں وہاں بیٹھی رہتی لیکن خچر گاڑی کی چوں چوں اور چند آدمیوں کی چیخ کی آواز سے وہ چونک پڑی۔ پوری سڑک اس گاڑی کی وجہ سے غبار آلود ہو گئی تھی اور یہ لوگ اجنبی معلوم ہو رہے تھے۔ وہ اٹھ کر گلاب کی باڑھ کے پاس دوبارہ گئی چند پھول توڑے اور گھڑا اٹھا کر اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گئی۔

"ابھی کافی وقت ہے" اس نے پڑوس کی ایک عورت کو اپنے باپ سے کہتے سنا "اب یاسمین کا پردہ کرا دو کیونکہ آج ہی وہ ایک طالب علم کے پاس

چشمہ کے کنارے پر بیٹھی ہوئی دیکھی گئی ہے ۔۔۔ شاید آدھا گھنٹہ ہوا ہو"

"ہاں ۔ اب میں اسکو دوکان میں آنے کی بھی ممانعت کردونگا" اسکے باپ نے جواب دیا۔

یاسمین سانس روکے ہوئے دروازہ سے لگی ہوئی کھڑی رہی ۔۔ اس کیلئے یہ کوئی غیر متوقع بات نہیں تھی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ ایک دن ضرور ایسا آنے والا ہے کہ وہ شادی کے قابل لڑکیوں کی طرح برقعہ اوڑھے گی ۔۔۔ اسکو یہ بھی یقین تھا کہ اسکی محبت بھی کسی روز رنگ لاکر رہے گی۔

تیسرا باب

کوہستانی کارواں سرائے

نیشاپور سے سات منزل کی مسافت پر یہ کارواں سرائے شارع خراساں پر تھی۔ سرائے کے صحن میں لکڑی کے بڑے بڑے لٹھوں کا الاؤ دہک رہا تھا۔ اونٹ اپنی جگہ پر بیٹھے ہوئے بل بل کر رہے تھے گھوڑے اور خچر سوکھی ہوئی گھانس پر منھ مار کر ہنہنا رہے تھے اس کے ساتھ ہی فقیروں کی لامتناہی صدائیں ان ساری آوازوں نے مل جل کر ایک عجیب ہنگامہ سا بپا کر رکھا تھا یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہاں کوئی میلہ سا لگا ہوا ہے۔

سرائے کی بیرونی کوٹھریوں میں بیٹھے ہوئے مسافر چاول اور سوکھے ہوئے گوشت پر ہاتھ صاف کر رہے تھے اس کے ساتھ ہی فقیروں کے کشکولوں میں تانبے کے سکوں کے گرنے کی بھی آوازیں آرہی تھیں۔ یہ مسافر اس وقت انتہائی سخاوت پر تلے ہوئے نظر آرہے تھے اور اسکی وجہ یہ تھی کہ وہ سب ایک خطرناک سفر پر جا رہے تھے۔ ایسا سفر جس کو شروع کرنے سے پہلے خیرات کرنا ضروری ہوتی ہے۔

جب پانی کی آخری بوند بھی ختم ہوگئی تو سرائے والے نے چلا کر سارے مسافروں کو آگاہ کردیا کہ وہ پانی مہیا کرنے کی ذمہ داری نہیں لے سکتا! اسکے بعد

وہ اپنی پیٹی میں سے نکال کر آج کی آمدنی کو شمار کرنے لگا۔ آجکل اسکی کمائی کا خاص زمانہ تھا کیونکہ یہ سارے قافلے جہاد میں شرکت کیلئے گذر رہے تھے مجاہدین نے سرائے کی دیوار پر اپنی پوستینیں پھیلا دی تھیں اور کچھ لوگ اپنی اپنی کوٹھڑیوں میں دہکتے ہوئے کوئلوں کے طباق سامنے رکھے ہوئے ہاتھ تاپ رہے تھے اس آگ کی روشنی میں ان کی لمبی لمبی داڑھیوں والے چہرے سرخ معلوم ہو رہے تھے خراسانی۔ عجمی۔ ایرانی اور عرب۔ ہر فرقہ اور قبیلہ کے لوگ تھے جو اپنے لبادوں اور پوستینوں میں سکڑے ہوئے بیٹھے تھے اور آپس میں ہنسی مذاق کر رہے تھے۔ ان لوگوں پر ریگستانی برفیلی ہواؤں کا مطلق اثر نہ تھا کیونکہ یہ وہ لوگ تھے جو بات کم کرتے تھے اور لڑتے زیادہ تھے نیشاپور کے امیرزادہ رحیم کے پاس بھی ایک سمور کی پوستین تھی جو سیاہ رنگ کی تھی اور اس پر زردوزی کا کام کیا ہوا تھا۔ مجاہدوں کے پرجوش نعروں نے اس کے جذبہ ایمانی کو بھی بیدار کر دیا تھا اور وہ بھی جہاد میں شرکت کے لیے جا رہا تھا۔ اس کے ساتھ ایک پورا مسلح دستہ بھی تھا۔ یہ لوگ سلطان الپ ارسلان کی فوج میں شامل ہونے کیلئے جا رہے تھے جو اس وقت مشرق بعید میں جہاد میں مصروف تھا۔ رحیم کے ساتھ اس کا دوست ابراہیم کا لڑکا عمر بھی تھا۔

رحیم کا خاندان ایرانی تہذیب کا نمونہ تھا۔ یہ تہذیب یونانیوں سے بھی زیادہ قدیم تھی۔ اسی وجہ سے رحیم کی طرز معاشرت ستھری اور اخلاق و آداب کے طریقے بے عیب تھے۔ اس نے چوسر۔ پولو اور دوسرے سینکڑوں کھیل کھیلے لیکن اب ہر کھیل سے طبیعت اچاٹ ہو گئی تھی اب وہ جہاد میں شرکت

کرکے اپنے مذہب اور قوم کی خدمت کرنا چاہتا تھا۔

"سرکار۔ آج تو ٹھنڈ بہت ہے" ان کے ایک ملازم نے کہا۔

آج واقعی ٹھنڈ بہت تھی اور برف باری بھی شروع ہو چکی تھی رحیم نے بتایی کے گرد دوسرے مجاہدین کو دیکھا جو اپنے اپنے لبادوں میں گھسے ہوئے بے خبر سو رہے تھے۔ سرائے کا مالک ابھی تک وہاں موجود تھا۔

"سرکار اگر آپ بازی گروں کا تماشہ دیکھنا چاہیں تو سرائے کے پچھلے حصہ میں سمرقندی بازی گروں کا ایک قافلہ آج ہی آکر ٹھہرا ہے" سرائے دار نے کہا" آج رات کو دس بجے کے بعد وہ اپنا تماشہ دکھائیں گے"۔

رحیم ایک لمحہ تک ہچکچانے کے بعد کھڑا ہو گیا" کیوں خیام تم بھی چلو گے تماشہ دیکھنے" اس نے عمر سے پوچھا" نہیں بھائی۔ تم ہی جاؤ مجھے تو ان خرافات سے کوئی دلچسپی ہے نہیں" عمر نے جواب دیا۔

جب رحیم واپس آیا تو اس نے صرف عمر کو جاگتے ہوئے دیکھا اس وقت صبح کے چار بجنے والے تھے عمر اس کو دیکھتے ہی اٹھ بیٹھا اور اپنے دوست کے لئے بستر میں جگہ کر دی" تماشہ کیسا تھا؟"

"یہ کمبخت سرائے دار بھی بہت دھوکہ باز ہوتے ہیں" رحیم نے کہا" تماشہ تو بالکل بیکار تھا لیکن جب میرے پیسے خرچ ہو ہی گئے تھے تو میں بھی پورا تماشہ دیکھ کر ہی اٹھا۔ لیکن تم ابھی تک کیوں جاگ رہے تھے؟"

"میں خود ابھی باہر سے آیا ہوں"

"کہاں گئے تھے؟"

"میری طبیعت گھبرانے لگی تو چہل قدمی کیلئے باہر نکل گیا اور کئی میل تک پیدل چلتا ہوا۔ اندھیرے میں ٹھوکریں کھاتا ہوا ایسی جگہ پہونچ گیا جہاں سے پچاسوں الاؤں کی روشنیاں نظر آرہی تھیں۔ قریب پہونچکر معلوم ہوا کہ وہ کوئی فوجی پڑاؤ تھا جہاں سینکڑوں خیمہ استادہ تھے اور ان کے بیچ میں ایک بڑا خیمہ نصب تھا جس پر تر کی جھنڈا لہرا رہا تھا اس خیمہ کے چاروں طرف مسلح سپاہیوں کا سخت پہرہ تھا۔ اس خیمہ کو دیکھ کر میں نے اندازہ کرلیا تھا کہ وہاں یقیناً کوئی شہزادہ یا بڑا امیر ٹھہرا ہوا تھا"

رحیم نے گہری سانس لی "وہ کون لوگ تھے؟"

"میں اور آگے بڑھ گیا۔ امیر عسکر اپنے خیمہ کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ وہ کھلتے ہوئے گندمی رنگ کا نوجوان تھا۔ پیشانی بلند اور کشادہ۔ آنکھیں بڑی بڑی اور دلکش۔ سینہ چوڑا اور بھرے بھرے مضبوط بازو۔ وہ عربی عبا پہنے ہوئے تھا اور سر پر خوشرنگ عمامہ تھا۔ اس کے سامنے آگ روشن تھی جس کے چاروں طرف بہت سے لوگ، مؤدب بیٹھے ہوئے تھے وہ اسوقت جن لوگوں سے گفتگو کر رہا تھا وہ صورت سے حکیم اور منجم معلوم ہو رہے تھے۔ میں لوگوں کی نظروں سے چھپتا ہوا ایک ایسے خیمہ کے پیچھے پہونچ گیا جہاں سے امیر کا خیمہ بالکل سامنے تھا اب ان لوگوں کی باتیں کرنے کی آواز بھی مجھے اچھی طرح سنائی دے رہی تھی۔

"وہ منجم اسکو بتا رہے تھے کہ انھوں نے ابھی آسمان پر سہیل ستاروں کا جھرمٹ دیکھا تھا۔ لیکن مجھے معلوم تھا کہ وہ سہیل نہیں ہو سکتے کیونکہ انکے

نظر آنے کا وقت یہ نہیں ہے۔"

"سہیل کے متعلق تو شاید کوئی ضرب المثل بھی ہے"؟ رحیم نے کہا۔

"ہاں ـــ اور وہ یہ ہے کہ سہیل پر نظر پڑنا انتہائی خوش نصیبی کی علامت ہے۔"

"پھر تم نے کیا کیا؟"

"میں نے آگے بڑھ کر امیر سے عرض کیا کہ وہ سہیل نہیں بلکہ دوسرے ستارے تھے۔"

"اوہ! کمال کر دیا ـــ ترکی امیر سے بات کرنے کی تم کو ہمت کیسے ہوئی؟"

"ان حکیموں نے اٹھ کر وہ ستارے دکھائے لیکن میں نے فوراً ہی اسکی تردید کر دی اور ان کو وہ جگہ بھی بتا دی جہاں اسوقت سہیل نظر آ سکتے تھے ـــ میں نے ایک بیوقوفی بھی کی؟"

"وہ کیا؟"

"میں نے بتایا کہ جن ستاروں کو یہ منجم سہیل سمجھ رہے ہیں وہ حقیقت میں بہت منحوس ہیں ـــ عیسائیوں کو شکست ضرور ہو گی لیکن دونوں بادشاہوں کے سروں پر موت کے بادل چھائے ہوئے ہیں ـــ میری یہ بات سن کر ضیغم اصغر اس طرح اچھل پڑا جیسے بچھو نے کاٹ لیا ہو۔"

"ضیغم اصغر!" رحیم نے بے ساختہ اچھل کر پوچھا "کیا کہہ رہے ہو؟"

"اس شہزادہ کو لوگ ضیغم اصغر ہی کہتے تھے۔"

"خوب!" رحیم نے حیرت سے پوچھا "کیا آج تک تم نے ضیغم اصغر کا نام

نہیں سنا ہے ؟"

"نہیں "

"خدا ان لوگوں سے راضی رہے ۔۔۔ وہ ہمارے سلطان کے ولی عہد ملک شاہ ہیں ۔۔۔ لوگ انکو ضیغم اصغر کہتے ہیں اور ان کے والد سلطان العالم الپ ارسلاں کو ضیغم اکبر ۔۔۔ تم نے ان کی فتح کی پیشینگوئی کی ہے ۔ خدا کرے ایسا ہی ہو "

" میں ان کو جانتا نہیں تھا ورنہ دوسری پیشینگوئی ہرگز نہ کرتا "

" ان کے والد کی موت کی ؟ ہاں یہ تو بری پیشینگوئی ہے جو غلط ہی ہو تو بہتر ہے ۔۔۔ شہزادہ نے کیا کہا ؟"

" انھوں نے میرا نام پوچھا میں نے بتا دیا ۔۔۔ اور یہ بھی بتا دیا کہ میں نیشاپور کی درسگاہ کا طالب علم ہوں اور جہاد میں شرکت کیلئے جا رہا ہوں "

" خیر جو ہوا وہ اچھا ہی ہوا ۔ اگر ہمارے سلطان کا انتقال ہو گیا تو ضیغم اصغر ہی سلطان ہونگے تب ممکن ہے کہ دربار میں تمہیں کوئی اچھی جگہ مل جائے "

عمر نے بے خیالی میں سر کو جنبش دی ۔

" تمہاری پیشینگوئیاں ہمیشہ صحیح ہوتی ہیں " رحیم نے سلسلۂ کلام جاری رکھا " مجھے یقین ہے کہ جو تم نے کہا ہے ایسا ہی ہو گا ۔ یرمک ۔۔۔ اور یرمک ۔ اسنے اپنے سوتے ہوئے ملازم کا کندھا پکڑ کر ہلایا " یرمک ۔ اٹھو نماز کا وقت ہو گیا ہے ۔۔۔ میرے لئے وضو کا پانی گرم کر دو "

دونوں نے فجر کی نماز پڑھی اور پھر اپنے کمبلوں میں گھس کر سو گئے ۔

چوتھا باب

جنگ

سلجوقی دربار کا مسخرا بختیار اپنے سفید خچر پہ بیٹھا ہوا کسی گہرے خیال میں غرق تھا اس کے چھوٹے چھوٹے پاؤں خچر کی پسلیوں سے تھوڑے ہی نیچے تھے۔ اس کے دبلے پتلے جسم پر اس وقت قرمزی رنگ کی عبا پڑی ہوئی تھی اور چھوٹی چھوٹی زیرہ سی آنکھیں تیزی سے ادھر ادھر گھوم رہی تھیں۔

بختیار نے سلطان کو خوش کرنے کیلئے اپنی سی ہر کوشش کر لی تھی لیکن سلطان کے ہونٹوں سے کئی روز سے ہنسی غائب تھی اور وہ بے صبری سے مجاہدین کے قافلوں کا انتظار کر رہا تھا۔ یہ جنگ معمولی نہیں بلکہ فیصلہ کن جنگ تھی جس کے لئے عیسائیوں نے اپنی پوری قوت سے تیاریاں کی تھیں

عیسائیوں کی ہمیشہ یہ تمنا رہی کہ وہ بیت المقدس کو فتح کر لیں بلکہ دوسری اسلامی سلطنتوں شام۔ مصر اور فلسطین سے مسلمانوں کا اخراج کر کے عیسائی حکومت کی داغ بیل ڈالیں۔ کئی بار صلیبی جنگیں ہوئیں۔ عیسائیوں نے بڑی بڑی تیاریاں کر کے مسلمانوں پر ناروا مظالم۔ سفاکانہ بے رحمیاں اور وحشیانہ ستم انگیزیاں کیں لیکن ہر بار ان کو شکست فاش ہوئی۔ پہلی صلیبی جنگ میں سلطان قزل ارسلان نے ان وحشی درندوں کو چن چن کر قتل کر ڈالا اسکے بعد

عیسائیوں نے پیہم حملے کئے لیکن ہر بار اپنے بہت سے علاقے اور قلعے چھنوا دئے۔ ان پے در پے شکستوں نے رومیوں کی آنکھیں کھول دی تھیں ۱۰۶۸ء میں قیصر روم نے ایک بہادر جنرل سے اپنی لڑکی کی شادی کر کے تخت و تاج اس کے سپرد کر دیا اور زبردست تیاریاں شروع کر دیں۔ ۱۰۶۹ء میں وہ الجزیرہ کی طرف بڑھا اور منبج تک لوٹتا مارتا چلا آیا۔[1]

دوسرے سال ۱۰۷۰ء میں اس نے آرمینیہ کا رخ کیا۔ اس کے ساتھ مقدونیہ۔ بلغاریہ۔ مالڈیویا اور خلفاء یورپ (Allies of Europe) کی فوجیں تھیں۔ فرینچ اور نارمن رسالے تھے۔ اس کے علاوہ روس۔ بجاناک۔ قبچاق۔ انجاز اور ارمن قوموں کی بھی جمعیتیں تھیں۔ اس فوج کی تعداد دو لاکھ[2] سے زیادہ تھی ان تیاریوں کے ساتھ وہ آرمینیہ میں اعمال خلاط کی طرف بڑھا اور ملازگرد کے مقام پر دریائے آرکن کی وادی میں خیمہ زن ہوا۔ سلطان العالم الپ ارسلان سلجوقی کو اس اچانک حملے کی خبر اسوقت ہوئی جب وہ حلب سے واپس آ کر شہر آذربائجان میں مقیم تھا کوئی دوسرا ہوتا تو سراسیمہ ہو جاتا لیکن سلطان کا جوش شجاعت بھڑک اٹھا

---

[1] تاریخ زوال و سقوط سلطنت روم مصنفہ گبن جلد ۲ صفحہ ۲۵۲ (ورلڈ کلاسکس ایڈیشن)

[2] ابن اثیر کے خیال سے دو لاکھ۔ صاحب زبدہ اور صاحب روضۃ الصفا کے نزدیک تین لاکھ اور گبن کا گمان ایک لاکھ فوج کا تھا۔ ابن راوندی اس فوج کی تعداد چھ لاکھ بتاتا ہے۔

اس نے سوچا کہ یہ توقف کا مقام نہیں ہے اگر لشکر اور سامان جنگ کی فراہمی کا انتظام کیا تو وقت ہاتھ سے نکل جائے گا اور دشمنان اسلام کی کامیابی کے امکانات قوی ہو جائیں گے لہٰذا اس نے اسی حال میں جنگ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اپنے وزیر نظام الملک طوسی کو شہزادوں اور خواتین حرم کے ساتھ تبریز یا ہمدان روانہ کیا اور اپنے لڑکے ملک شاہ کی جانشینی کی وصیت کر کے پندرہ ہزار کی مختصر فوج لے کر دشمن کی طرف پوری سرعت کے ساتھ روانہ ہو گیا۔[1] خلاط کے مقام پر دس ہزار[2] رومیوں کا ہراول ایک رومی جنرل کی قیادت میں بڑھا لیکن سلطان نے پہلے ہی حملے میں اس ہراول دستے کے پرخچے اڑا دئے۔ اس عرصہ میں رومی فوجیں ملازگرد کو فتح کر کے پامال کر چکی تھیں اور خلاط کا محاصرہ کئے پڑی تھیں۔ سلطان کی پیش قدمی کا حال سنتے ہی قیصر نے مقام الزہرہ پر محاذ کیا۔ سلطان بھی تیز رفتاری کے ساتھ اس مقام پر پہونچ گیا اور رومی لشکر سے دو فرسنگ کے فاصلہ پر پہونچ کر خیمہ زن ہو گیا۔

سلطان نے سب سے پہلے صلح کا پیغام بھیجا قیصر نے جواب دیا۔

— اگر وہ وحشی[3] صلح کا خواہشمند ہے تو اپنے اس مقام کو

---

[1] سلاجقہ۔ مصنفہ سید ابوالاعلیٰ مودودی

[2] ابن اثیر کے نزدیک دس ہزار اور بقول عماد کاتب بیس ہزار

[3] مشہور عیسائی مؤرخ گبن کے الفاظ

جہاں اسوقت مقیم ہے رومی فوجوں کے پڑاؤ کیلئے خالی کردے اور اپنا شہر رہے اور اپنا ذاتی محل اپنی صداقت کے ثبوت میں ہمارے حوالہ کردے۔

اس جواب کے بعد جنگ ناگزیر تھی لیکن سلطان کے امام صلوۃ اور فقیہہ ابو نصر محمد بن عبدالملک بخاری حنفی نے مشورہ دیا کہ "آج توقف کیجئے کل جمعہ کا دن ہوگا جس وقت تمام دنیا کے مسلمان آپ کی نصرت کیلئے دعا مانگ رہے ہوں حملہ کیجئے تاکہ بندگان خدا کی دعائیں مجاہدین کی تلواروں کے ساتھ ہوں" سلطان نے یہ مشورہ منظور کر کے کل تک کے لئے جنگ ملتوی کر دی۔

آج جمعرات کا دن تھا اور بختیار کل کے خوف میں گھلا جا رہا تھا جنگ کے دوران وہ ہمیشہ سلطان کی عقب پر رہتا تھا جہاں نہ عیسائیوں کی پہونچ تھی اور نہ مسلمانوں کے تیروں کا خدشہ۔

یہ بات بختیار کے لئے تعجب خیز تھی کہ صرف پندرہ ہزار کی مٹھی بھر فوج دو لاکھ خونخوار اور وحشی درندوں سے مقابلہ کرنے کے لئے تیار تھی۔ قیصر اسوقت کھلے میدان میں فروکش تھا اور سلجوقی فوج کو بہت آسانی کے ساتھ گھیر سکتا تھا

دوسرے روز صبح کی پہلی کرن کے ساتھ رحیم بھی اٹھ بیٹھا۔ اس نے عمر خیام کو اٹھایا اور نماز سے فارغ ہو کر اپنے خیمہ سے باہر آگیا۔ ٹھنڈی اور برفیلی ہواؤں کے جھکڑوں کے ساتھ پورے کیمپ میں کھلبلی مچی ہوئی تھی مسلمان اپنے خیموں کے سامنے بیٹھے ہوئے ہتھیاروں کو صیقل کر رہے تھے

اور ہر فرد جوش و غضب میں بھرا ہوا معلوم ہو رہا تھا۔ یہ لوگ رات بھر نمازیں پڑھتے رہے۔ قرآن پاک کی تلاوت میں مشغول رہے۔ اور اب اس سفر کی تیاریوں میں مصروف تھے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے انتہائی مہربانی کے ساتھ اپنی خوشنودیٔ مزاج کی خوشخبری دی ہے۔ رحیم اور عمر نے بھی اپنی تلواریں یرمک کو صیقل کے لئے دیدیں اور جلدی جلدی تھوڑی سی کھجوروں کا ناشتہ کر کے آنے والے لمحات کا بے چینی کے ساتھ انتظار کرنے لگے۔

دوپہر کے بعد مجاہدین اسلام مسلح ہو کر جمعہ کی نماز کیلئے اکٹھے ہونے لگے۔ اللہ اکبر کے پرشور اور باعظمت نعرے سے ساری وادی گونجنے لگی۔ سامنے کی وادی ٹڈی دل عیسائی لشکر سے بھری ہوئی تھی اور وہ لوگ مٹھی بھر مسلمانوں کے جوش و خروش کو دیکھ دیکھ کر حیران ہو رہے تھے۔

نماز سے فارغ ہونے کے بعد سلطان[1] درگاہ الٰہی میں سربسجود ہو کر خوب رویا۔ اس کے ساتھ پوری فوج روئی اور پھر اسنے فوج کو مخاطب کر کے کہا!

---

[1] رومی مورخین اس جنگ میں سلطان کی موجودگی کے سرے سے ہی منکر ہیں انکا بیان ہے کہ سلجوقی فوجوں کی کمان کوئی سلجوقی خواجہ سرا کر رہا تھا۔ مشہور انگریز مورخ گبن جلد ۶ صفحہ ۲۵۶ پر لکھتا ہے کہ رومی مورخ اس فتح کا سہرا سلطان کے سر سے اتار دینا چاہتے ہیں حالانکہ وہ یہ نہیں سمجھتے کہ یہ سہرا سلطان کے سر سے اتار کر ایک خواجہ کے سر پر باندھنے میں قیصر روم کی گردن کا طوق ذلت اور زیادہ بھاری ہو جاتا ہے۔

"آج جو شہادت چاہتا ہے وہ ٹھہر جائے اور جو واپس جانا چاہتا ہے خوشی سے واپس چلا جائے ــ کسی ڈر یا خوف کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اب یہاں کوئی سلطان یا بادشاہ نہیں ہے" ـــ یہ کہہ کر اس نے تلوار اٹھائی اپنے ہاتھ سے اپنے گھوڑے کی دم باندھی سفید لباس پہن کر اور حنوط مل کر کہا "اگر میں شہید ہو گیا تو یہی میرا کفن ہو گا" ان باتوں نے تمام مجاہدین کے دل شوق شہادت اور جوش شجاعت سے گرما دئے، اور جنگ کے لئے بے تاب فوج رومی فوج پر تلملا کر ٹوٹ پڑی۔ اسی وقت سلطان کو پھر خدا یاد آیا جس کے بھروسہ پر وہ اپنے سے تیرہ گنی طاقت سے مقابلہ کرنے کیلئے آیا تھا۔ اس نے گھوڑے سے اتر کر فرش خاک پر سجدہ کیا اور اللہ سے تائید۔ نصرت کی دعا مانگی اس کے بعد وہ اٹھا اور بجلی کی سی سرعت کے ساتھ لشکر مخالف پر حملہ آور ہوا۔

دونوں لشکر ٹکرائے صاف اور شفاف تلواروں کی چمک سے دشمنوں کی آنکھیں چندھیانے لگیں ـــ تلواریں ڈھالوں پر پڑیں اور اٹھیں پھر جھکیں اور پھر لاکھوں سروں کی طرف جھکیں۔ وہی تلواریں جو ابھی تک صاف اور شفاف تھیں اب خون میں ڈوبی ہوئی انسانی سروں کی بارش کر رہی تھیں۔ مسلمان خاموش تھے لیکن عیسائی بہت شور کر رہے تھے۔ جو شخص بھی جہاں تھا انتہائی دلیری سے لڑ رہا تھا۔ زخمی چلا رہے تھے گھوڑے ہنہنا رہے تھے

---

[1] سلاجقہ مصنفہ سید ابوالاعلیٰ مودودی

اور ان تمام آوازوں نے ملکر عجیب قسم کا شور بپا کر رکھا تھا۔

شروع میں تو عیسائی یہ سمجھتے تھے کہ وہ پندرہ ہزار مسلمانوں کو آن کی آن میں پیس ڈالیں گے لیکن جب انھوں نے مسلمانوں کو لڑتے ہوئے دیکھا تو ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ ابھی تک پندرہ بیس ہزار سے زائد عیسائی ختم ہو چکے تھے۔

عمر خیام بھی بڑی جانبازی سے لڑ رہا تھا وہ جس طرف بھی نکل جاتا اس طرف کے عیسائیوں کی شامت آجاتی اگر کوئی عیسائی بدبختی سے اس پر حملہ کرتا تو وہ تو فوراً ہی ختم ہو جاتا۔

اب چونکہ دن بھی شباب آگیا تھا اس لئے جنگ میں بھی کافی گرمی آگئی تھی اور مسلمانوں نے اپنا پورا زور لگا رکھا تھا ہر مسلمان انتہائی بہادری اور جانبازی کے ساتھ جنگ میں مصروف تھا۔ رحیم بھی خونخوار شیر کی مانند لڑ رہا تھا اور وہ اب تک بے شمار عیسائیوں کو قتل کر چکا تھا اس نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا جس کو مسلمان اپنی لڑائی کی مشغولیت میں بالکل بھول ہی گئے تھے رحیم کے نعرہ کی آواز سن کر سب نے ایک ساتھ اس پر ہیبت نعرہ کی تکرار کی جس سے عیسائیوں کے دل لرز گئے۔ ادھر مسلمانوں نے نعرہ لگاتے ہی نہایت شدت سے حملہ کیا۔ اس حملے نے عیسائیوں کے جوش و خروش کو بھی بڑھا دیا اور وہ بھی غضبناک ہو کر حملے کرنے لگے۔

اسی وقت شہزادہ ملک شاہ نے قلب لشکر پر حملہ کیا۔ مسلمانوں نے اپنے شہزادہ کو دیکھتے ہی اللہ اکبر کا فلک شگاف نعرہ لگایا اور اپنی پوری

قوت اسی طرف لگادی۔ ضیغم اصغر عیسائیوں کو کھیرے ککڑی کی طرح کاٹ رہا ہے اس حملہ کی تاب نہ لاکر نامور رومی جنرل باسیلا سیوس پیچھے ہٹا اس کے متصل ہی مالڈیو کا اوری ڈوزم رسالہ تھا اس نے بھی میدان خالی کرنا شروع کر دیا۔ ایک دوسری فوج رومی شہزادہ انڈرونیکوس کی قیادت میں تھی اس کو قیصر سے قلبی عداوت تھی وہ صرف ظاہر داری کے طور پر جنگ میں شامل ہوا تھا وہ عین گھمسان کی لڑائی میں اس طرح پسپا ہوا تھا کہ پوری صف ٹوٹ گئی۔ یہ واقعہ ہے کہ مسلمان اس جنگ میں اتنی قلیل تعداد میں تھے کہ ان کی شکست لازمی تھی لیکن مسلمانوں کے ساتھ خدائی مدد تھی پے در پے کچھ ایسے واقعات ہوتے گئے جو مسلمانوں کے لئے فائدہ مند تھے۔ اتفاق یہ ہے کہ اسی موقعہ پہ شدت گرمی سے تنگ آکر قیصر اپنے خیمہ کی طرف مڑا تاکہ تھوڑی دیر سایہ میں آرام کر لے شاہی علم کے پیچھے ہٹتے ہی عیسائی فوج کی ہمت ٹوٹ گئی اور اس نے راہ فرار اختیار کی مجبور ہو کر قیصر پھر میدان میں واپس آیا اور چیدہ دستوں کو لے کر مقابلہ پر ڈٹا لیکن اب لڑائی کا پانسہ پلٹ چکا تھا فوج کا بڑا حصہ پسپا ہو کر بھاگ چکا تھا اور ترکی سورما اسے دباتے ہوئے بڑھ رہے تھے باقی فوج بھی بددل ہو چکی تھی۔ آخرکار جب قیصر کے اردگرد کی ساری فوج کٹ گئی تو وہ خود بھی زخمی ہو گیا اور جب اس کا گھوڑا بھی مارا گیا تو وہ میدان سے بھاگنے لگا ایک غلام[1] نے بڑھ کر اسکے

---

[1] ابن اثیر لکھتا ہے کہ اس غلام کا واقعہ بھی عجیب تھا۔ غلام سعدالدولہ گوہر آئین کا مملوک تھا فوج کی بھرتی کے وقت نظام الملک کے سامنے اسے پیش کیا گیا (باقی صفحہ ۴۱)

پاؤں میں کمند ڈال کر گرفتار کر لیا۔ اس غلام کو خود بھی خبر نہیں تھی اس نے کس شخص کو گرفتار کیا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اسے قتل کر دے لیکن دوسرے رومی قیدی نے یہ بتایا کہ وہ قیصر تھا۔[1]

بہت دیر سے عمر اپنے دوست رحیم کو تلاش کر رہا تھا کیونکہ اسے اندیشہ تھا کہ کہیں اسکا دوست ختم نہ ہو گیا ہو آخر کار بہت دیر کے بعد اس نے رحیم کو ایک بڑے سے خیمہ کے پاس کھڑا ہوا دیکھا۔ اس کے قریب خراسانی دستہ کھڑا مال غنیمت کی نگرانی کر رہا تھا۔

رحیم کے غلاموں میں سے تین غلام سامنے والے رومی خیمہ میں سے نکل رہے تھے ان کے کندھوں پر ریشمی کپڑوں کے تھان اور بغل میں چاندی کے برتن تھے وہ ایک خوبصورت رومی لڑکی کو گھسیٹتے ہوئے لا رہے تھے یہ لڑکی اس وقت بالکل حواس باختہ ہو رہی تھی اور کبھی کبھی نظروں سے چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کے لانبے لانبے سنہری بال کھلے ہوئے تھے اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ اسکی کمر سے طلائی کام کیا ہوا زرتار پٹکا بندھا ہوا تھا خراسانی دستہ کے سپاہی اس لڑکی کو حیرت سے دیکھنے لگے کیونکہ انھوں نے

(بقیہ صفحہ ۴۰) لیکن نظام الملک نے اس کمزور اور نحیف قسم کے غلام کو لینے میں پس و پیش کیا لیکن جب سعد الدولہ نے بہت سفارش کی تو نظام الملک نے کہا "اچھا ہے لو شاید یہی قیصر روم کو گرفتار کر لائے" وقت کی بات نظام الملک کا یہ طنزیہ فقرہ حرف بحرف پورا ہوا

[1] ابن اثیر۔

آج تک کوئی رومی لڑکی نہیں دیکھی تھی ۔

" یا عمر" رحیم نے عمر کو دیکھتے ہی خوشی سے بے قابو ہو کر کہا "خدا کا شکر ہے کہ تم زندہ ہو ۔۔۔"

" اس لڑکی کا کیا قصہ ہے ؟ "

" یہ کسی عیسائی سردار کی کنیز معلوم ہوتی ہے " رحیم نے پرمسرت لہجہ میں کہا " شاید کوئی رومی کتا اب بھی اس کا پیچھا کر رہا ہے ۔۔۔ آؤ خیمے میں چل کر بیٹھیں "

" آقا ہوشیار " پیچھے سے یرلک کی چیخ کی آواز آئی " آقا جلدی بچئے "

خیموں کے درمیان سے ہوتی ہوئی عیسائی سواروں کی ایک جماعت رحیم کے سر پر پہنچ چکی تھی ۔ عمر ابھی رحیم سے کافی فاصلہ پر تھا یہ عیسائیوں کا کیمپ تھا اس لئے مسلمان فوج بھی کافی فاصلہ پر تھی ۔۔۔ یہ سوار تلواریں سونتے ہوئے تھے اور ان کے چہرہ سے شیطانیت برس رہی تھی ۔ انکے چہرہ آہنی خودوں سے ڈھکے ہوئے تھے ۔۔۔ غالباً یہ بھگوڑے عیسائیوں سے بچھڑے ہوئے کچھ سپاہی تھے جو کسی خیمہ میں چھپ کر بیٹھ گئے تھے اور اب موقع ملتے ہی بھاگ نکلے ۔۔۔ عمر نے فوراً ہی اپنے گھوڑے کی باگ رحیم کی طرف موڑ لی اور تیزی سے روانہ ہو گیا ۔ اسی وقت وہ ایک بھاگتے ہوئے عیسائی سے اتنے زور سے ٹکرایا کہ اس کی آنکھوں میں خاک بھر گئی کئی منٹ تک وہ اپنی آنکھوں کو مل مل کر صاف کرتا رہا اس نے محسوس کیا کہ وہ اپنے گھوڑے سے گر کر اس وقت زمین پر پڑا ہوا تھا کافی دیر تک کوشش کرنے

کے بعد وہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے میں کامیاب ہو سکا۔

آنکھ کھلتے ہی اس نے رحیم کے غلام یربک کو زمین پر پڑے ہوا دیکھا اس کی گردن کٹی ہوئی تھی اس کے برابر میں ہی زمین پر رحیم پڑا ہوا تھا جس پہ دوسرے غلام جھکے ہوئے تھے۔

عمر بے قرار ہو کر اس طرف دوڑا اور رحیم کا سر اپنے زانو پہ رکھ لیا اس وقت رحیم کے ہونٹوں پر عجیب قسم کی مسکراہٹ تھی

"کیا تم بھی زخمی ہو گئے رحیم بھائی؟" عمر نے پوچھا "کس طرح؟"

رحیم اس کو اس طرح دیکھ رہا تھا جیسے اس نے عمر کے سوالات کا مطلب نہ سمجھا ہو۔ عمر نے رحیم کے جسم کو آہستہ سے لوٹا اور قمیض اٹھا کر دیکھنے لگا۔ زخم گردے پر تھا اور بہت کاری تھا زمین پر سے اٹھانے کی وجہ سے زخم میں سے ایک تیز دھار خون کی نکل کر عمر کے کرتے پر گر رہی تھی۔

"اب بتائیے مالک" رحیم کے دوسرے غلام ازبک نے کہا "مجھے تو اب آخری وقت معلوم ہو رہا ہے"

عمر کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور وہ بار بار رحیم کے چہرہ کی طرف دیکھ رہا تھا جو اس وقت ہلدی کی مانند زرد ہو رہا تھا۔ عمر نے اپنے دوست کے دل پر ہاتھ رکھ کر دیکھا دھڑکن بند ہو چکی تھی ایک بار رحیم کے حلق سے جھٹکے سے آواز نکلی اور پھر اس کی گردن ایک طرف کو لڑھک گئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

اسی وقت ازبک نے زخمی شیر کی مانند بھیانک آواز نکالی اور اپنی

کمر سے پیش قبض نکال کر کھڑا ہو گیا وہ اس وقت اپنے ہونٹوں کو بھینچے ہوئے تھا پھر دوبارہ ایک خوفناک چیخ مار کر وہ قیدی لڑکی کی طرف جھپٹا ۔ وہ غریب اس وقت خاموش کھڑی ہوئی پھٹی پھٹی نظروں سے رحیم کی لاش کو دیکھ رہی تھی

اس ناگہانی آفت پر وہ ایک طرف کو ہٹ کر کانپنے لگی ۔ ازبک کے پیش قبض نے اس کی قمیض کے دامن کو چاک کر دیا تھا وہ بھاگ کر عمر کے پاس آ گئی اس کے ہاتھ عمر کے پاؤں کی طرف بڑھے ہوئے تھے اور سارا جسم لرز رہا تھا ۔ اس نے زبان سے تو کچھ نہ کہا لیکن اس کی آنکھوں سے اس کے دلی کرب اور خوف کا اندازہ ہو رہا تھا ۔

"بیوقوف ۔۔ یہ کیا حرکت ؟" عمر نے ازبک کو ڈانٹا ۔

"یہ بھی اسی قوم سے تعلق رکھتی ہے جس نے میرے مالک کو شہید کیا ہے" ازبک نے غرا کر کہا "اور میرے سگے بھائی کو مارا ہے ۔"

عمر نے ازبک کا ہاتھ پکڑا ایک طرف کو لے چلا لیکن ازبک نے زور سے پچھاڑ کھائی اور زمین پر مچھلی کی طرح لوٹنے لگا وہ برابر رحیم اور یرمک کے قاتل کو گالیاں اور کوسنے دیئے جا رہا تھا ۔

عمر نے رومی لڑکی کو خیمہ میں جانے کے لئے اشارہ کیا اور پھر دوسرے ملازموں کی مدد سے انھوں نے دونوں لاشیں اٹھائیں اور ان کو خیمہ میں لے جا کر فرش پر رکھ دیا اور پانی لانے کے لئے غلاموں کو حکم دیا ۔ عمر کو جلد ہی محسوس ہو گیا تھا اسے اپنے دوست کے آخری سفر کیلئے فوراً ہی بہت کچھ کرنا تھا ۔ ہر کام اسی کے شایان شان ہونا چاہئے تھا ۔

جب رحیم کا جنازہ تیار ہوگیا تو نماز کیلئے میدان میں رکھ دیا گیا اور سلطان نے نماز میں شرکت کی۔

عمر کی آنکھوں میں اپنے دوست کی صورت پھرنے لگی۔ اسکی بھوری آنکھیں اور مسکراتا ہوا چہرہ جو اب کعبہ کی طرف منہ کیئے ہوئے کفن میں لپٹا ہوا ابدی نیند سو رہا تھا۔

رحیم کو دفنانے کے بعد بھی وہ بہت دیر تک قبر کے سرہانے بیٹھا رہا اور آخر کار ستارے ختم ہوکر صبح صادق کی روشنی نمودار ہوگئی "اچھا رحیم بھائی خدا حافظ" اس نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہا "خدا نے مجھے بھائی کے بدلے میں ایک شفیق دوست دیا تھا جس کے ساتھ سارا بچپن گذارا اب اسے یہ بھی منظور نہ ہوا۔"

عمر وہاں سے اٹھ کر اپنے خیمے میں آگیا۔ موم بتی اب بھی روشن تھی جس کی روشنی میں اس نے رومی لڑکی کو دیکھا جو بالکل بے خبر پڑی ہوئی سو رہی تھی۔ عمر نے وضو کر کے نماز پڑھی پھر وہ اپنے دوست کی مغفرت کیلئے دعا مانگنے لگا۔ اب وہ لڑکی بھی جاگ اٹھی تھی اور عمر کو بیٹھا ہوا دیکھ کر اس کے قریب آکر بیٹھ گئی اور اپنی جیب سے آئینہ نکال کر اس میں منہ دیکھتے ہوئے اپنے پریشان بالوں کو سنوارنے لگی۔ آج اس کے لئے کوئی نئی بات نہیں تھی اسکی زندگی میں نامعلوم کتنی بار راتوں رات اسکے آقا تبدیل ہوتے رہے

پانچواں باب

عالی حوصلہ سلطان

دریائے آرس کی وادی میں جہاں سے آرمینہ کے پہاڑوں کے نیچے سے بہنے والی جھیل نظر آتی تھی سلطان العالم فرمانروائے مشرق و مغرب سلطان الپ ارسلان سلجوقی کا خیمہ نصب تھا جس میں بیش بہا ایرانی قالینوں کا فرش بچھا ہوا تھا۔ خیمہ کے عین درمیان تخت بچھا ہوا تھا جس پر بوڑھا لیکن پر ہیبت سلطان بیٹھا تھا۔ تخت کے دونوں طرف ترکی شہزادوں۔ امراء اور سرداروں کی کرسیاں بچھی ہوئی تھیں۔ تمام لوگ رعب شاہی کی وجہ سے بت بنے ہوئے مؤدب بیٹھے تھے نہ کوئی حرکت کرتا تھا نہ کھانس سکتا تھا۔ ہر شخص کی نگاہیں دروازہ پر لگی ہوئی تھیں جہاں سے رومی بادشاہ اور دوسرے قیدی آنے والے تھے۔ بختیار ایک آہنی صندوق پر بیٹھا ہوا تھا تاکہ سلطان کے سامنے پیش کئے جانے والے قیدیوں کو اطمینان سے دیکھ سکے۔ بختیار کو دربار شاہی میں آہنی صندوق پر بیٹھنے کی ہمیشہ سے اجازت تھی اور اسکی وجہ یہ تھی کہ وہ کبڑا تھا اور تخت سے اونچی کرسی پر بیٹھنا بے ادبی تھی اس لئے یہ آہنی صندوق خاص طور سے اس کے لئے بنوایا گیا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد خیمہ کا پردہ اٹھا اور قیصر روم کو سلطان کے سامنے لاکر پیش کیا گیا۔ قیصر کا رنگ صرف ایک ہی رات میں سیاہ پڑ گیا تھا ہر شخص نگاہیں اس وقت سلطان کے چہرہ پر لگی ہوئی تھی اور تمام ارکان سلطان کا حکم سننے کے لئے منتظر تھے۔

"اگر تمہاری جگہ اس حالت میں مجھ کو تمہارے سامنے لایا گیا ہوتا تو تم میرے ساتھ کیا سلوک کرتے!" سلطان نے پوچھا۔

قیصر نے نظریں اٹھا کر سلطان کو دیکھا اور ایک لمحہ سوچتا رہا۔

"میں آپ کے ساتھ برا سلوک کرتا" اس نے بیباکی سے جواب دیا۔

سلطان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی "اور تم مجھ سے کس سلوک کی توقع کرتے ہو؟"

قیدی بادشاہ دربار کے پرجوش چہروں کو دیکھنے لگا۔

"یا تو آپ مجھے قتل کر دیں گے اور یا بلاد اسلامیہ میں میری تشہیر کرینگے — رومی شہنشاہ نے کہا" اور بعید امکان یہ بھی ہے کہ شاید معاف کر دیں"

سلطان اس رومی شہنشاہ کی جرأت اور بے باکی سے بہت متاثر ہوا "مجھے تمہاری نیت کا حال معلوم ہو گیا اب مجھے بھی تمہارے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہئے جو تم میرے ساتھ کرتے۔"

"لیکن میری نیت کا انجام بھی تو آپ نے دیکھ لیا اس لئے اگر آپ کی یہ نیت نہ ہو تو بہتر ہے۔"

سلطان مسکرانے لگا اور اس نے قیصر کو اپنے برابر تخت پر بٹھا لیا۔

"آج سے آپ میرے مہمان ہیں" سلطان نے کہا۔ "اور میرے خیمہ میں آپ کا قیام رہے گا آپ کے مخصوص ساتھی اور بطریق[1] بھی آپ کے ساتھ رہیں گے ——— دس ہزار دینار آپ کے خرچ کے لیئے دیئے جائیں گے۔"

قیصر کا سر ندامت سے جھک گیا اور وہ شرم کی وجہ سے سلطان کا شکریہ تک نہ ادا کر سکا۔ اسکے بعد دونوں بادشاہوں میں پچاس[2] سال کے لیئے حسب ذیل شرائط پر تصفیہ ہوا۔

۱۔ قیصر ہر سال ساٹھ ہزار دینار خراج ادا کریگا۔

۲۔ اس جنگ میں جو نقصانات ہوئے تھے اور رومی قیدیوں کی رہائی کیلئے پندرہ لاکھ دینار فدیہ ادا کریگا۔

۳۔ وہ تمام سلمان رہا کر دیئے جائیں گے جو رومیوں کے پاس قید تھے

۴۔ جس وقت بھی سلطان کو ضرورت ہوگی قیصر سلطان کو فوجی امداد دیگا۔

اس تصفیہ کے بعد سلطان نے قیصر کو خلعت دیکر گلے سے لگا لیا۔

---

[1] بطریق رومی فوج کا ایک اعلیٰ عہدہ دار ہوتا تھا جسکے ماتحت دس ہزار سپاہی ہوتے تھے

[2] یہ صلح ذرا ہی ختم ہوگئی کیونکہ قیصر کی شکست سے اسکی سلطنت میں انقلاب آگیا اور میکائیل نے تخت پر قبضہ کر لیا۔ قیصر نے صرف دو لاکھ دینار اور ایک سونے کی کشتی جس میں نوے ہزار جواہرات تھے سلطان کی خدمت میں بھیجکر معافی چاہی کہ اب میں اس سے زیادہ دینے کے قابل نہیں ہوں۔ سلطان نے اسکی امداد کرنا چاہی لیکن وہ اس سے پہلے ہی شکست کھا کر گرفتار ہو چکا تھا اس کے بعد مر گیا (سلاجقہ۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی)

اور قیصر نے بغداد کی جانب سر جھکا کر خلیفہ کو تعظیم دی خود سلطان اسکو رومی سرحد تک چھوڑنے گیا۔

٭ ٭ ٭

عمر کو دوسری رات بھی نیند نہ آسکی۔ رات بھر اسکی نظر کے سامنے رحیم کا مسکراتا ہوا چہرہ رہا رحیم کے ملازمین اب اس کے احکامات کے منتظر تھے۔

دوسرے مجاہدین اور عرب اب اپنے گھروں کو مال غنیمت سے لدے پھندے جا رہے تھے اور آہستہ آہستہ وہ وادی خالی ہو رہی تھی۔

رحیم کے ملازمین بھی اپنے گھوڑوں پر سامان لادنے لگے عمر نے دیکھا کہ ہر غلام کے پاس کافی مال تھا جو مال غنیمت میں ان کو ملا تھا۔ کئی روز سے یہ لوگ سامان کی خرید و فروخت کر رہے تھے اور ان لوگوں نے ایسی چیزیں بھی دوسرے مجاہدین سے خرید لی تھیں جو ان کے لئے بالکل بیکار تھیں۔ اب یہ لوگ اپنے اپنے گھر جانے کیلئے بے چین تھے لیکن عمر کے پاس ایک چیز بھی نہیں تھی حتیٰ کہ ایک خنجر تک نہ تھا جو اس جنگ کی یادگار ہوتا۔ اس نے اپنا تمام حصہ رحیم کے نام پر خیرات کر دیا تھا۔

ازبک نے رحیم کا مشکی گھوڑا کس کر تیار کر دیا تھا اور اپنے آقا کے ہتھیاروں اور زرہ بکتر کا بنڈل باندھ کر زین کے پیچھے باندھ دیا تھا۔

"اس رومی لڑکی کو یہ گھوڑا کیوں نہ دیا جائے" عمر نے ازبک سے کہا۔ اس کو لے جانے کے لئے ہمارے پاس دو کوئی میانہ ہے اور نہ ڈولی۔ قیدی لڑکی کو بھی ساتھ لیجانا ضروری تھا۔ وہ رحیم کی ملکیت تھی اور

نیشاپور کے بازار میں اچھی قیمت پر فروخت کی جا سکتی تھی۔ وہ جوان تھی ایسکے بال ریشم کے مانند نرم تھے اس لئے اس کی جو بھی قیمت ملتی اس کا حقدار رحیم کا باپ تھا۔

عمر نے تھوڑی بہت یونانی زبان بھی سیکھی تھی اس لئے بہت آسانی کے ساتھ اس نے اس لڑکی کے متعلق بہت سی معلومات حاصل کر لی تھیں اور وہ یہ تھیں:۔

اس لڑکی کا نام انزابیلا تھا وہ دنیا میں تنہا ہی تھی کیونکہ جنم کی لونڈی تھی۔ قسطنطنیہ کی رہنے والی تھی اس جنگ میں اس کو ایک رومی سردار لے آیا تھا اس کے بعد ملازگرد کی جنگ میں اس رومی سردار کو رحیم نے مار ڈالا اور اس پر قبضہ کر لیا تھا۔

انزابیلا کے چہرہ پر اب ایک نقاب پڑا ہوا تھا اس کو رحیم کے گھوڑے پر سوار کرانے کے بعد وہ خود بھی سوار ہو گیا اور یہ مختصر سا قافلہ نیشاپور کی طرف روانہ ہو گیا۔ انزابیلا عمر کے پیچھے پیچھے چل رہی تھی سڑک پر گذرنیوالا ہر شخص یہی سمجھ رہا تھا کہ وہ عمر کی ملکیت تھی اور اس جنگ میں حاصل ہوئی تھی

عمر کو پہلی منزل پر بہت دشواریاں پیش آئیں مجاہدین کی واپسی کی وجہ سے کارواں سرائے میں تل دھرنے کی جگہ نہیں تھی اس کو اپنے خیمے بھی سرائے سے کافی فاصلہ پر نصب کرنے پڑے کیونکہ وہ تنگ سرائے کے خیمہ لگے ہوئے تھے۔ پانی حاصل کرنے کیلئے اس کے آدمیوں کو کئی میل کا سفر کرنا پڑا۔ خیر خدا خدا کر کے سارا کام ٹھیک ہوا۔

وہ اپنے خیمہ میں اسوقت تک بیٹھا سوچتا رہا جبتک خیمہ کے باہر جلنے والی الاؤ کی آگ بالکل بجھ نہ گئی اسکو اس وقت بھولی بسری امیں یاد آ رہی تھیں اور رحیم کی یاد رہ رہ کر اس کے دل میں چٹکیاں لے رہی تھی۔

اس کے پیچھے رومی لڑکی شب خوابی کا لباس تبدیل کر رہی تھی اور ٹھنڈی سانسیں بھر رہی تھی جس کی آواز عمر نے بھی سنیں۔ وہ مڑ کر اسکی طرف دیکھنے لگا اس کی بڑی بڑی آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں۔ ازابیلا رو رہی تھی لیکن معلوم نہیں کہ کیوں؟

"کیا ہوا؟ رو کیوں رہی ہو؟"

ازابیلا کے ہونٹ تھرتھرائے اور وہ مسکرانے کی ناکام کوشش کرنے لگی وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کے دلی جذبات عمر پر ظاہر ہوں ہر انسان کے احساسات ہوتے ہیں چاہے وہ غلام ہو یا سلطان لیکن غلام کیلئے زبان کھولنے کی اجازت نہیں ہوتی۔

جب عمر نے آگے بڑھکر اپنے رومال سے اسکے آنسو خشک کئے تو وہ تھوڑا پیچھے ہٹ کر اس کو عجیب نظروں سے دیکھنے لگی۔ عمر کی قربت سے اس کا دل دھڑکنے لگا تھا۔

عمر سمجھ گیا کہ اس کو صرف یہ غم ہے کہ اب نامعلوم وہ کس کی لونڈی ہوگی لیکن وہ بھی مجبور تھا وہ امانت میں خیانت نہیں کر سکتا تھا ازابیلا کو جانا ہی تھا چاہے رحیم کے یہاں یا نیشاپور کی منڈی میں۔

دونوں ایک دوسرے کو کافی دیر تک خاموشی سے دیکھتے رہے پھر اپنے اپنے بستروں پر لیٹ کر بے خبر سو گئے۔

چھٹا باب

خواجہ ابوالحسن الانباری

خواجہ ابوالحسن[1] کی عمر باسٹھ سال کی تھی۔ قرآن کے بعد جس کے وہ حافظ تھے

---

[1] خیام کے اساتذہ ہیئت میں ابوالحسن الانباری کا نام نمایاں ہے۔ نظامی عروضی میں ہے "ابوالحسن الانباری اپنے وقت کا بہت بڑا فلسفی تھا اس پر ہندسہ اور ہیئت کا علم غالب تھا۔ اس نے خیام کو مجسطی (ہیئت کی بڑی کتاب) کے علاوہ علم ہندسہ کا درس بھی دیا۔ خیام نے فقہ اور حدیث کا درس امام موفق سے لیا تھا اور یہی وہ امام موفق ہیں جنکی درسگاہ کیلئے مشہور ہے کہ حسن ابن صباح۔ نظام الملک طوسی اور خیام نے ساتھ پڑھا تھا اور باہم یہ حلفانہ معاہدہ کیا تھا کہ امام موفق کے شاگردوں میں سے اگر کوئی بڑے عہدے پر پہنچا ہے تو وہ دوسرے ساتھیوں کی مدد کریگا قسمت کی خوبی دیکھئے کہ نظام الملک سلجوقی سلطنت کا وزیر ہوگیا اور حسن ابن صباح مصر میں جاکر اسمٰعیلی داعیوں میں شریک ہوگیا اور بہت بڑا آدمی ہوگیا۔

ابھی تک یہ نہ معلوم ہوسکا ہے کہ خیام نے فلسفہ کا درس کس سے لیا تھا اس نے اپنے ایک رسالہ "الکون والتکلیف" کے صفحہ ۱۷۰ پر ابن سینا کا ذکر کیا ہے۔ کہتا ہے کہ "اور شاید میں نے اور میرے استاد پچھلے فلسفیوں میں سب سے بہتر ابو علی حسین بن عبداللہ بن سینا بخاری نے (خدا ان کا درجہ بلند کرے) اس مسئلہ میں خوب غور کرلیا ہے" اگر ابو علی سینا واقعی استاد نہ ہو تب بھی وہ اس کی تصنیفات سے بیحد عقیدت رکھتا تھا اور انتہا یہ ہے کہ وہ اپنی زندگی کے آخری لمحات میں ابو علی سینا کی شفا کے مطالعہ میں مصروف تھا۔

(باقی صفحہ ۵۳ پر)

صرف ریاضی کیلئے زندہ تھے۔ اوقات کی پابندی انکی زندگی کا خاصہ بن چکی تھی ان کے یہاں کا ہر کام اس آبی گھڑی کے ساتھ ساتھ ہوتا تھا جو ان کے مکان کے صحن میں لگی ہوئی تھی اور ہر وقت اس میں سے پانی کے قطرے ٹپکتے رہتے تھے۔

ان کے ملازمین صرف گھڑی کو دیکھ کر اپنے مالک کی مصروفیات کا اندازہ کر لیتے تھے۔ وہ آسانی کے ساتھ یہ معلوم کر سکتے تھے ان کا آقا کس وقت وضو کر رہا ہے۔ اور کب نماز پڑھ رہا ہے اور کس وقت اپنی کتاب کو لکھ رہا ہے۔ پانچ نمازیں۔ دو وقت کا مختصر کھانا اور بارہ گھنٹہ متواتر کام بس یہ خواجہ ابوالحسن الانباری کا نقشہ تقسیم اوقات تھا۔ یہ سارے کام روزانہ اپنے محور پر اس طرح گھومتے رہتے تھے جس طرح سورج گردش کرتا ہے۔ دونوں وقت صبح شام اور ہر موسم میں ان کے دسترخوان پر صرف ایک ہی قسم کی غذا ہوتی تھی۔ کھجوریں۔ ستو اور جو کی روٹی۔ اس میں کسی قسم کی تبدیلی ہونا ناممکن تھی۔

اگر ان کے نوجوان شاگردوں کو کبھی اخروٹ یا انار کی خواہش ہوتی تو یہ لوگ بہت خفیہ طور سے یہ چیزیں پڑوس کے کاشتکاروں سے خرید لیتے

(بقیہ صفحہ ۵۲) ابو علی سینا کے بہت سے تلامذہ اور شاگرد خیام کے زمانہ میں موجود تھے ممکن ہے کہ ان سے خیام نے فلسفہ کا درس لیا ہو اور اسی لئے ابو علی سینا کو اپنا استاد اور معلم کہتا ہو (خیام ــــ سید سلیمان ندوی) واللہ اعلم

اور ایسی جگہ بیٹھ کر ان کو کھاتے جہاں سے خواجہ کا مکان تک نہ نظر آتا ہو

خواجہ نے بالکل گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی اور انکا مکان نیشاپور کے نمک کے میدان کے دوسرے کنارے پر تھا ان کے بہت سے پڑوسیوں نے تو انکی صورت بھی نہ دیکھی تھی۔ وہ آجکل جبر و مقابلہ پر ایک رسالہ تصنیف کر رہے تھے جس کی فرمائش وزیر اعظم نے کی تھی۔ ان کے شاگردوں کے ذمہ یہ کام تھا کہ وہ استاد کے بولے ہوئے حاشیوں کو لکھتے تھے۔ ضرورت کے وقت دوسری قدیم کتب کی چھان بین کرتے۔ اس کے معاوضہ میں خواجہ ان کو کھانا کھلاتے اور دوپہر کے بعد دو گھنٹہ ریاضی کا لیکچر دیتے۔

خواجہ کی سب سے بڑی تمنا یہ تھی کہ ان کی موت کے بعد علم ریاضی کا دنیا سے خاتمہ نہ ہو جائے اس لئے وہ اپنے آٹھوں ناکارہ شاگردوں پر کافی محنت کرتے۔ ان آٹھوں میں وہ عمر خیام کے مستقبل سے بہت مشتبہ تھے جس کو یہاں آئے ہوئے صرف دو ماہ ہوئے تھے جبکہ دوسرے شاگرد برسہا برس سے استاد کی خدمت کر رہے تھے۔

ریاضی کے مسائل میں خواجہ کو یونانی تحقیقات اور نظریات سے نفرت تھا اور قدیم مصری ریاضی کے وہ بہت مداح تھے۔ مصر والوں نے ہی سب سے پہلے وہ حروف دریافت کئے جن سے شمار کیا جا سکتا ہے اسکے علاوہ ان کے اندازے اور تخمینے اتنے صحیح ہوتے تھے کہ اہرام جیسی عمارتیں بنا ڈالیں جن کو دیکھ کر موجودہ سائنس داں آج تک چکراتے ہیں۔

"یا خواجہ" ایک شاگرد نے پوچھا "سیاروں کی چال اور گردش معلوم

کرنے سے کیا فائدہ ہوتا ہے؟ چاند کی گردش سے تو ہم کو مہینوں کا اندازہ ہوتا ہے لیکن دوسرے سیاروں کا مطالعہ ہمارے کس کام آسکتا ہے؟"

خواجہ نے تشکرانہ انداز سے سر کو جنبش دی وہ اس وقت سبز عمامہ باندھے ہوئے تھے جو انھوں نے سفر حج کے موقعہ پر مدینہ منورہ میں خریدا تھا انھوں نے اپنی صاف شفاف سفید داڑھی پر ہاتھ پھیرا اور گلا صاف کیا۔ انکو نجوم اور پیشنگوئیوں سے دلی بغض تھا اور وہ اسے قطعاً ناجائز سمجھتے تھے لیکن جب سے سلطان کو نجوم میں دلچسپی پیدا ہو گئی تھی وہ اس کے خلاف کچھ نہ کہتے تھے۔ ہاں ہیئت کے وہ اپنے وقت کے امام تھے ان کے زمانہ میں ان کی ٹکر کا ماہر فلکیات کوئی دوسرا نہیں تھا۔

"میں نے یہ بھی سنا ہے کہ یونانیوں کے نزدیک سیماب میں حرکت عطارد کے اثر سے ہوتی ہے" ایک دوسرا شاگرد بولا "اور سورج کا اثر سونے پر اور قمر کا چاندی پر ہوتا ہے"

خواجہ ابوالحسن کو شبہ تھا کہ انکی صحبت میں وزیراعظم کا کوئی جاسوس نہ ہو سب شاگردوں میں عمر خیام ہی نووارد تھا سب سے پہلے عمر انکے پاس اکیلا آیا تھا اور اس نے ریاضی کی تعلیم حاصل کرنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ اس نے بتایا تھا کہ وہ دنیا میں اکیلا ہی تھا اور اسکا کوئی والی وارث نہیں تھا۔ خواجہ کو اس پر رحم آگیا اور اپنے شاگردوں میں اس کو شامل کر لیا۔

اس وقت ان کو اپنے شاگردوں پر غصہ آ رہا تھا کہ وہ ایسے بے تکے سوالات کیوں کر رہے تھے جن کے جواب اگر وہ نفی میں دیتے تو عتاب سلطانی اور

اگر اثبات میں دیتے تو اپنے ضمیر کا خون۔

بہت دیر تک سوچ بچار کرنے کے بعد انھوں نے اپنے خشک لب تر کئے اور گلوگرفتہ آواز میں کہنا شروع کیا" فضیلت مآب علامہ ابوریحان البیرونی اپنے ایک رسالے میں نجوم کے متعلق فرماتے ہیں کہ ستارہ شناسی بھی ایک علم ہے اس علم سے آنے والے واقعات کی پیشینگوئیاں کی جاتی ہیں سیاست ملک، انسانوں اور بادشاہوں کی قسمتوں کا حال اس سے معلوم کیا جاتا ہے ـــــ اس لئے ستارہ شناسی کے ماہر وہ لوگ بھی ہو سکتے ہیں جو پیشینگوئیاں نہیں کرتے لیکن کوئی بھی پیشینگوئی بغیر علم ستارہ شناسی کے نہیں ہو سکتی۔"

شاگردوں نے پوری توجہ کے ساتھ استاد کا یہ گول مول جواب سنا۔ جس شاگرد نے سوال کیا تھا وہ مدتوں سے اپنے استاد کی ایک پوشیدہ کتاب کے ایک نسخہ پر غور کر رہا تھا جو سونا بنانے کا تھا لیکن ابھی تک اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی تھی۔

"بطلیموس کی مجسطی میں لکھا ہے کہ آفتاب کا اثر سونے پر بدیہی اور عیاں بالذات ہے۔" اسی شاگرد نے ہچکچاتے ہوئے کہا" اسکی وجہ یہ ہے کہ آفتاب خود بھی قائم بالذات آتش ہے ـــــ اور آگ ہی وہ واحد ذریعہ ہے جس سے سونے کی خاصیت معلوم ہو سکتی ہے۔ اگر کسی طرح بھی آگ کے جوہر کا ارتکاز ہو جاتا ہے ـــــ"

"کسی بھٹی یا تنور میں" دوسرے شاگرد نے تصحیح کی۔

"لیکن توانائی بالفعل کے ساتھ" ایک پرانے شاگرد نے حکیمانہ لہجہ میں کہا

"یہ تو علم کائنات یا علم آفرینش ہوا" استاد نے جھنجلا کر کہا "نجوم سے اس کا کیا تعلق ؟ ارض اور فلکی اجسام اس علم کے بحث میں اس کے باوجود بھی یہ علم اتنا قطعی نہیں ہے جتنا علم ریاضی۔ ہم اجسام اور اشیاء کی حقیقت کبھی نہیں جان سکتے۔ فوق الادراک چیزیں تو انسانی دائرہ علم میں آ ہی سکتیں صرف تحت الادراک چیزیں رہ جاتی ہیں جن پر کچھ غور کیا جا سکتا ہے لیکن حقیقت ان کی بھی جانی نہیں جا سکتی۔ سب سے زیادہ نمایاں اور بدیہی مادہ یا جسم ہے چاہے وہ سونے چاندی کا ہو یا انسانی اعضاء کا۔ لیکن غور سے دیکھو کہ ہم مادہ کو کس حد تک جانتے ہیں اس کا جواب ہمیشہ نفی میں ملے گا ہم مادہ کی حقیقت نہیں بلکہ صرف خاصیت جانتے ہیں کہ وہ تحلیل ہوتے ہوتے ایسے چھوٹے اجزاء تک منتہی ہو جاتا ہے جو پھر تحلیل نہیں ہو سکتے۔ ان کو ہی اجزائے[1] دیمقراطیسی کہتے ہیں۔ ان اجزاء میں حرکت۔ وزن۔ کشش ہر چیز ہے لیکن یہ ان اجزاء کے خواص اور اعراض ہیں انکی اصل حقیقت نہیں اور نہ معلوم ہو سکتی ہے۔ سونے کی مثال لے لو ہم دیکھتے ہیں کہ وہ ایک خاص مقدار رکھتا ہے۔ اسکا رنگ سنہرہ ہوتا ہے۔ گرمی سے پگھلتا ہے اور ٹھنڈ سے سکڑتا ہے لیکن یہ سب اس کے اوصاف ہوئے جن کو قدیم یونانی زبان میں عرض کہتے ہیں ان میں کوئی جوہر بھی

---

[1] ایٹم بم کی تھیوری کا دارومدار انہیں اجزائے دیمقراطیسی پر ہے۔ ان اجزاء کو اجزائے لا یتجزی بھی کہتے ہیں۔

قایم بالذات نہیں حالانکہ سونا خود قائم بالذات ہے اس لئے ہم کو سونے کی حقیقت کچھ بھی نہیں معلوم ۔۔۔ ہم تو صرف اتنا جانتے ہیں کہ خدا نے جہاں زمین ۔ آسمان ۔ چاند ۔ سورج اور دوسری چیزوں کی تخلیق کی وہاں سونا ۔ چاندی اور دوسری دھاتوں کو بھی بنا دیا جو زمین کے اندر کانوں میں موجود ہیں ۔۔۔ یہی ہمارا ایمان ہے کہ ایک لفظ "کُن" سے سارے عالم کی تخلیق ہو گئی "

" اس کا تو مطلب یہ ہوا کہ ہم سب جاہل ہیں اور پڑھنے لکھنے کے بعد بھی ہمیں کچھ نہیں معلوم " ایک شاگرد نے کہا ۔

" بیشک ۔۔۔ علم سے صرف وہ باتیں معلوم ہو جاتی ہیں جن کی ہم کو ضرورت پڑتی ہے ۔۔۔ لیکن آگے بڑھنے کے بعد پھر وہی لاعلمی ۔ ایک راز کھلتا ہے تو ستر راز سامنے آجاتے ہیں ایک گرہ کھلتی ہے تو سینکڑوں الجھنیں بڑھ جاتی ہیں ۔۔۔ جو شخص سب سے زیادہ آگے بڑھا وہ اتنا ہی بڑا جاہل ہو گیا ۔۔۔ مثال کے طور پر ہم جانتے ہیں کہ جو چیز بھی اوپر سے گرتی ہے زمین پر آتی ہے اسکی علت تجاذب اجسام ہے لیکن تجاذب اجسام کی علت کیا ہے یہ نہیں معلوم ۔ یہ مسئلہ ہزارہا برس سے ابھی تک لاینحل ہے سقراط نے تمام عمر کی تحقیقات کے بعد یہی کہا " معلوم شد کہ ہیچ معلوم نہ شد " علم اور جہالت میں بال برابر کا فرق ہے سقراط سے لوگوں نے کہا کہ جب تم کچھ نہیں جانتے اور ہم بھی کچھ نہیں جانتے تو ہم میں اور تم میں کیا فرق ہے اس نے کہا کہ بہت بڑا فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ میں جانتا ہوں کہ میں

نہیں جانتا اور تم یہ بھی نہیں جانتے کہ تم نہیں جانتے ۔ ہر شخص اس لاعلمی کے رتبہ کو نہیں پہونچ سکتا۔ ہر قسم کی تحقیقات ۔ انکشافات اور جدید اصلاحات کا سرچشمہ یہی لاعلمی کا فلسفہ ہے جو ہمیں ہر ہر قدم پر آگے بڑھاتا ہے۔ ہم جس قدر جانتے اتنا ہی آگے بڑھتے رہتے ہیں ۔

تو بے خبری بے خبری کار تو نیست ہر بے خبری را نرسد بے خبری

خواجہ ابوالحسن نے اپنی تقریر کو ختم کر کے کنکھیوں سے عمر کی طرف دیکھا جو ان کی باتوں کو پوری دلچسپی سے سن رہا تھا ان کے ہاتھ میں پنسل اور کاغذ تھا۔ خواجہ کے تمام شاگردوں میں صرف عمر کی ہی یہ عادت تھی کہ وہ ان کی تقریر کے نوٹ لیتا جاتا تھا لیکن آج کی تقریر ایسی نہیں تھی جس کے نوٹ لینے کے بعد خواجہ صبر کر لیتے ان کو خطرہ تھا کہ کہیں وہ پرچہ نظام الملک کے سامنے پیش نہ کر دیا جائے جب عمر نے وہ پرچہ توڑ مروڑ کر اپنی جیب میں رکھ لیا تو بوڑھے ابوالحسن بجلی کی سی سرعت کے ساتھ اٹھے اور انہوں نے جھپٹ کر عمر کی جیب سے وہ پرچہ نکال لیا اس پرچہ پر صرف دو مکعبوں کی اشکال بنی ہوئی تھیں ۔ ان دونوں مکعبوں کو بہت آڑے ترچھے خطوط کاٹ رہے تھے اور ان پر جگہ جگہ حروف تہجی لکھے ہوئے تھے ۔

" یہ کیا چیز ہے خواجہ نے اپنی ندامت کو چھپانے کی غرض سے قدرے تیز لہجہ میں پوچھا۔

" مسئلہ جذر الکعب [1] " عمر نے فوراً جواب دیا

---

[1] Cub Root

خواجہ ابوالحسن کو فوراً یاد آگیا کہ جذر المکعب کی یہ دشوار ترین ساوات انھوں نے گذشتہ ہفتہ خیمہ دوز کے لڑکے کو حل کرنے کے لئے دی تھی۔

"تمہیں کہاں تک کامیابی ہوئی ؟"

"یہ پوری حل ہو چکی ہے جناب" عمر نے جواب دیا۔

خواجہ ابوالحسن کو اس بات کا یقین نہیں آیا وہ جانتے تھے یونانی حکماء تک اس مسئلہ کو حل کرنے سے قاصر رہے تھے اور وہ صرف اس کا تجزیہ کر پائے تھے۔

انھوں نے وہ کاغذ بے صبری کے ساتھ دوبارہ عمر سے لے لیا دوسرے طالب علموں کو چھٹی دے کر انھوں نے عمر کو ساتھ لیا اور اپنے حجرہ میں آگئے جب دونوں اطمینان کے ساتھ بیٹھ گئے تو خواجہ اس ساوات کو دیکھنے لگے

"اس کو سمجھنے میں میری عقل نے تو جواب دیدیا" انھوں نے کہا "مجھے تو صرف یہ نظر آ رہا ہے کہ تم نے مکعبوں کو انتہائی چھوٹے زاویوں میں تقسیم کر دیا ہے اور تم بھی یونانیوں کے تجزئے تک پہونچ گئے ہو"

"لیکن یونانی اس نتیجہ تک کیسے پہونچے تھے ؟"

"ابھی تک یہ مجھے خود نہیں معلوم"

خواجہ سوچنے لگے انھوں نے عمر کو ساوات کا جواب نہیں بتایا تھا۔ اس کے علاوہ جس کاغذ میں یہ مسئلہ اور یونانیوں کا تجزیہ تحریر تھا وہ احتیاط کے ساتھ ان کے قرآن شریف کے جزدان میں رکھا ہوا تھا اور یہ قرآن شریف مقفل الماری میں رکھا ہوا تھا کئی برس سے انھوں نے قرآن شریف کو

نکالا بھی نہیں تھا کیونکہ وہ خود ایک اچھے حافظ تھے۔ دوسرے شاگردوں کو ان کی غیر موجودگی میں حجرہ کے اندر آنے کی اجازت نہیں تھی جب بھی وہ کمرہ درس میں جاتے تو حجرہ کا دروازہ ہمیشہ مقفل کر دیتے اس لئے یہ تو ظاہر تھا کہ عمر نے اس مساوات کو صرف اپنی استعداد سے حل کیا تھا اور اس نے وہ پرچہ دیکھا تک نہیں تھا جس میں یونانیوں کا تجزیہ لکھا ہوا تھا۔

"تم نے ان مربعات جامد[1] کے ابعاد[2] سے جذر المکعب کے مسئلہ کو حل کیا ہے" خواجہ نے کہا "لیکن ان کا نتیجہ کیا برآمد ہوا؟"

"جواب اسی میں موجود ہے آپ خود ملاحظہ فرمائیے" عمر نے پرچہ پر جھکتے ہوئے کہا "یہ دیکھئے اس قطعہ[3] کو گھٹائیے اور اس کو اور اسکو جوڑئیے۔"

"میں اندھا نہیں ہوں" خواجہ نے کہا "لیکن کعبہ کی قسم یہ الجبرا نہیں ہے۔ یہ تو علم ہندسہ ہے اس ملعون حکیم اقلیدس کی ایجاد ہے۔"

"بہر حال مساوات تو حل ہو گئی" عمر نے کہا "یہ ضرور ہے کہ الجبرے سے حل نہیں ہو سکی۔"

خواجہ ابوالحسن مسکرانے لگے "کیا یہ الجبرائی مساوات[4] نہیں ہے؟"

---

[1] Solid Squares

[2] Dimension

[3] Sagamant

[4] Alglbric Equation

ہو ہے اور بے شک ہے لیکن اس سے بھی تو الجبرائی اشکال کی ترتیب دی جا سکتی ہے۔ یہ دیکھئے اس طرح" عمر نے اس کاغذ پر مختلف اشکال بنانا شروع کر دیں۔ ان اشکال کو دیکھ کر خواجہ ابوالحسن کو یقین ہو گیا تھا کہ ان کے لائق شاگرد نے الجبرے کا دشوار ترین مسئلہ حل کر لیا تھا اب وہ بہ آسانی اس کو اپنے رسالہ میں شامل کر سکتے تھے۔

خواجہ ابوالحسن کے سارے جسم میں اطمینان کی ایک لہر سی دوڑ گئی خود الجبرے کے موجد کو بھی اتنی ہمت نہیں ہوئی تھی جو وہ اپنی کتاب میں اس مسئلہ کو ہاتھ لگاتا۔ خواجہ کا سینہ فخر سے پھول گیا اب وہ بغداد کی درسگاہ میں سینہ سپر ہو سکتا تھا۔

"کیا تم نے دوسرے مسائل بھی اس طریقہ سے حل کئے ہیں؟"

عمر ہچکچانے لگا" جی ہاں۔ اکثر۔" اس نے جواب دیا۔

"اور کامیابی ہوئی؟"

"عام طور پر۔ لیکن ہمیشہ نہیں"

"کیا میں وہ مسائل بھی دیکھ سکتا ہوں مع استدلال؟" تعجب تو یہ ہے کہ اپنی عادت کے خلاف خواجہ ابوالحسن نے یہ سوال انتہائی نرم لہجہ میں پوچھا تھا۔

ایک لمحہ تک عمر خاموش رہا "ہاں خواجہ میں نے آپ کا نمک کھایا ہے" آخر کار اس نے کہا "میں نے آپ کی جوتیاں سیدھی کر کے بہت کچھ حاصل کیا ہے۔۔۔ آپ نے جو کام بھی مجھے کرنے کیلئے دیا میں نے کیا اور آپکو

دکھا دیا لیکن یہ دوسرے مسائل میرے اپنے ہیں اور ـــــ اور میں ان کو ہر قیمت پر اپنے ہی تک رکھونگا ـــــ میری اس جسارت کو معاف فرمائیگا۔"

خواجہ ابوالحسن کی داڑھی کا ایک ایک بال کھڑا ہو گیا اور ان کی آنکھوں سے چنگاریاں سی نکلنے لگیں "اپنے تک رکھوگے؟" ان کے لہجہ میں غصہ اور حیرت کے ملے جلے جذبات تھے۔ وہ دریچہ سے اپنے صحن میں لگے ہوئے خشک شاہ درختوں کو دیکھنے لگے۔ خواجہ ابوالحسن ابھی تک ناامید نہیں ہوئے تھے حالانکہ عمر نے بہت کچھ صاف اور واضح الفاظ میں کہدیا تھا

"میرا سامان ایسی الماری میں رہتا ہے جس میں ہر وقت تالا پڑا رہتا ہے" خواجہ نے کہا "پھر تمہیں کیا خوف ہے؟

"لیکن میں اپنی کوٹھری کے دروازے میں تالا تک نہیں ڈالتا۔ میرے سارے کاغذات پوری کوٹھری میں بکھرے رہتے ہیں مجھے معلوم ہے کہ میرے سارے کاغذات دوسرے لوگوں کے لئے بیکار ہیں۔"

عمر کو رخصت کرنے کے بعد خواجہ ابوالحسن شام تک ان مکعبات کے حل پر جھکے ہوئے غور کرتے رہے وہ اس طرح تحیر میں ڈوبے ہوئے تھے کہ آج سہ پہر کا لیکچر بھی ناغہ کر دیا وہ ایک دوسرے مسئلے کو اس نئے طریقہ سے حل کرنا چاہتے تھے لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ انھوں نے آج تک اقلیدس کی مدد سے جبر و مقابلہ کے مسائل کو حل کرنے کے متعلق نہیں سوچا تھا "ابو علی سینا بھی یہ نہ کرسکے" وہ سوچنے لگے ان پر اس وقت جھلاہٹ طاری تھی "لیکن یہ ٹانگ برابر چوکرا ـــــ" خواجہ نے جھنجلا کر کاغذ اور

پنسل کو پھینک دیا اور گہرے تفکر میں غرق ہو گئے۔ جب خواجہ نے اپنی گھڑی پر نظر ڈالی تو مغرب کی نماز کا وقت گذرتا ہوا معلوم ہوا ان کی زندگی میں پہلی بار آج ایسا ہوا تھا جو ان کے معمولات میں فرق آیا ہو انھوں نے اٹھ کر جلدی جلدی وضو کیا اور نماز میں مشغول ہو گئے۔

وہ پورا ایک ہفتہ خواجہ ابوالحسن نے عمر خیام کی پراسرار شخصیت کے بارے میں سوچ کر گذارا۔

ساتواں باب

پیشنگوئیوں کی بازگشت

شام کے وقت خواجہ ابوالحسن الانباری کے دروازے پر ایک گاڑی آکر رکی۔ اس گاڑی کے پیچھے غلاموں اور سپاہیوں کی کافی بڑی تعداد تھی۔ ایک غلام نے آگے بڑھ کر خواجہ کے دروازے پر آواز دی "خواجہ سے ملاقات کیلئے ملک طغاج خاں تکش تشریف لائے ہیں —" خواجہ کے غلاموں نے بڑھ کر پھاٹک کھول دیا۔

تکش کا موٹا تازہ جسم سلکی لبادے سے ڈھکا ہوا تھا اس کے سر پر نیلے رنگ کی ایک بھاری پگڑی بندھی ہوئی تھی اور وہ شاہانہ وقار کے ساتھ قدم اٹھاتا ہوا خواجہ کے حجرے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ خواجہ ابوالحسن بھی اسکی پیشوائی کے لئے اپنے حجرہ سے باہر نکل آئے۔ تکش نے ان کو دیکھتے ہی اپنے چھوٹے ہاتھ ان کی طرف بڑھائے اور تیزی سے انکی طرف بڑھا۔

خواجہ ابوالحسن نے اپنے مہمان کو احترام کے ساتھ لے جاکر قالین پر بٹھایا اور فواکہات اس کے سامنے پیش کئے گئے خواجہ کو اپنے مہمان سے زیادہ واقفیت نہیں تھی بس وہ اتنا ہی جانتے تھے کہ وہ سلجوقی دارالسلطنت کا شحنہ تھا اور وزیراعظم خواجہ کا بھی محسن اور مربی تھا۔

بہت دیر تک خواجہ کی زیر تصنیف کتاب کے متعلق گفتگو ہوتی رہی۔ اس کے بعد یکایک تکش نے فارغ التحصیل طالب علم عمر خیام سے ملنے کی خواہش کی اس وقت خواجہ کے بھی کان کھڑے ہوئے۔ اتفاق سے عمر بھی دو طالب علموں کے ساتھ اس وقت ادھر ہی آرہا تھا وہ حجرہ میں آکر قالین کے ایک گوشہ پر بیٹھ گیا۔ خواجہ نے عمر کا تعارف تکش سے کرایا۔

"گذشتہ ماہ جب رومی شہنشاہ نے ہم پر ایک بھاری جمعیت کے ساتھ حملہ کیا تھا تو ایک شخص نے ہماری فتح کی پیشینگوئی کی تھی —— خدا کا شکر ہے کہ قیصر کو ایسا سبق ملا کہ وہ اسی غم میں مرگیا" تکش نے کہا۔

"ہاں یہ تو میں نے بھی سنا تھا۔" خواجہ نے کہا۔

"اور تعجب تو یہ ہے کہ" تکش نے عمر کی طرف دزدیدہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا "قیصر روم کو ہمارے ولی نعمت نے معاف بھی کردیا تھا لیکن اس کے باوجود وہ مرگیا —— اس پیشینگوئی کا دوسرا حصہ بھی پورا ہوگیا وہ پھر عمر کو دیکھنے لگا۔

عمر نے وہاں سے کھسک جانا ہی مناسب سمجھا اس کے جانے کے بعد بہت دیر تک تکش خاموش بیٹھا ہوا سوچتا رہا۔

"کیا آپ کو پیشینگوئیوں اور نجوم پر اعتقاد ہے ؟" تکش نے خواجہ سے پوچھا "کیا یہ ممکن ہے کہ گزرنے والے واقعات پر پہلے سے جو کچھ کہا جائے وہ حرف بحرف پورا ہو جائے۔"

اس سوال کا جواب خواجہ کے لئے دینا آسان نہیں تھا انکو معلوم تھا

کرتکش وزیر اعظم کا منھ چڑھا اور خاص آدمی تھا۔

"جہاں تک میرے ایمان کا تعلق ہے خدا کی قدرت سے کچھ بھی بعید نہیں ہے۔" خواجہ نے چبا چبا کر کہا "اور میرا عقیدہ اگر آپ دریافت کرتے ہیں تو میری ناقص معلومات تو صرف ریاضی کی کتابوں تک ہی محدود ہے۔"

"فرض کیجیے کوئی شخص بیک وقت تین باتوں کی پیشنگوئی کرتا ہے۔۔۔ وہ باتیں حرف بحرف پوری ہوتی ہیں کیا تیسری بات کے پورے ہونے کا بھی امکان ہو سکتا ہے؟"

ہو سکتا ہے محض حسن اتفاق سے دونوں باتیں پوری ہو گئی ہوں۔" خواجہ نے کہا" اس کے علاوہ کون ایسا بیوقوف نجومی ہوگا۔ بیک وقت تین تین باتوں کی پیشنگوئیاں کرے؟"

"آپ کے شاگردوں میں ہی وہ موجود ہے۔۔۔ وہی طالب علم جس سے میں نے ابھی گفتگو کی تھی۔"

"کون؟ عمر خیام! خواجہ کی داڑھی حیرت سے تھر تھر کانپنے لگی" یہ آخری جز تھی جس کو پورا کرنے کی مجھے اس سے توقع تھی!"

"یہ کیا کرتا ہے؟"

"وہ مساوات کے مسائل اس آسانی سے حل کر لیتا ہے، جیسے آپ ملزموں کو گرفتار کرتے ہیں۔۔۔ وہ میری تمام کتابوں کو اپنی فرصت کے اوقات میں پڑھتا ہے۔۔۔ نمک کے میدان کے کنارے کنارے گھنٹوں اکیلا گھومتا ہے۔۔۔ انار کھاتے اور چوسر کھیلنے کا شوقین ہے۔۔۔ وہ ریاضی کے مسائل

خود اپنے بھی اختراع کرتا رہتا ہے اور ان کو ایک صندوق میں چھپا کر رکھتا ہے"

"لیکن یہ نمک کے میدان میں کیوں گھومتا ہے؟ کیا آپ کے ویرانہ کی کسی حسین دوشیزہ کے چکر میں تو نہیں پھنس گیا ہے۔؟" تکش نے پوچھا۔

"یہاں چند بوڑھی اور بدشکل دھوبنوں کے علاوہ کوئی عورت ہی نہیں ہے۔"

تکش نے برا سا منہ بنایا اور اپنی عبا کے بند کر کسنے لگا "یہ تو عجیب اور پراسرار طالب علم ہے۔ شاید مخفی باتوں کو معلوم کرنے کیلئے خدا نے اس کو مخصوص قوت دی ہے یا ممکن ہے کہ کسی شیطان کی روح اس میں حلول کر گئی ہو ـــ اچھا اب میں آپ کے سپرد ایک معمولی کام کرتا ہوں آپ اس کے کردار اور خصوصیات کا گہرا مطالعہ کریں اور ان باتوں کی رپورٹ سربمہر کر کے اسی کے ہاتھ میرے پاس نیشاپور بھیج دیں ـــ اگلے ماہ کی پہلی تاریخ جمعہ کو ہوگی میں اس کو نیشاپور کی جامع مسجد کے ترکمان دروازہ پر ملوں گا ـــ اچھا اب مجھے اجازت دیجئے" تکش نے اٹھتے ہوئے کہا "مجھے شرمندگی ہے کہ میں نے آپ کو تکلیف دی لیکن یہ کام بھی اعلیٰ حضرت نظام الملک کا ہے"

تکش کے جانے کے بعد خواجہ ابوالحسن بہت دیر تک سوچ بچار کرتے رہے ان کو تعجب تھا کہ عمر کی سراغرسانی کے لئے انکو مامور کیا گیا تھا جبکہ تعلق انہیں شبہ تھا کہ وہ شاہی جاسوس ہے ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ عمر کے بارے میں اتنی دلچسپی کیوں لی جا رہی تھی اور اسکو نیشاپور میں کیوں

طلب کیا گیا تھا ان تمام باتوں سے خواجہ ابوالحسن کی بدگمانی بڑھتی جارہی تھی ایک ماہ متواتر کوشش کرنے کے بعد بھی وہ عمر کے متعلق کوئی نئی بات معلوم نہ کر سکے اب خواجہ کو اچھی طرح یقین ہو گیا تھا کہ عمر یقیناً شاہی جاسوس تھا اور عمر پر جو انکو سراغرسانی کے لئے مامور کیا گیا تھا اس میں بھی کوئی گہری سیاسی چال پوشیدہ تھی۔

آج شام کو جب عمر نے اپنا کام پیش کیا تو انھوں نے اس سے اقبال کرانے کی کوشش بھی کی۔

"تم نظام الملک کے پاس واپس کب جاؤ گے؟" خواجہ نے پوچھا۔

"واپس! ـــ وزیراعظم ہونے کے بعد سے تو میں نے انکو دیکھا بھی نہیں ہے"

"تو پھر خدا کے لئے یہ بتاؤ کہ تم یہاں پر کیوں ہو؟"

"میں یہاں پڑھنے آیا تھا" عمر نے جواب دیا "اپنے باپ کی موت کے بعد میں نے اپنے دوست رحیم کے یہاں رہنا شروع کر دیا تھا لیکن رحیم کی موت کے بعد اس کے گھر والوں نے بھی آنکھیں پھیر لیں ـــ ان لوگوں نے رحیم کی لونڈی ازابیلا کو بازار میں فروخت کر دیا اور مجھے گھر سے نکال دیا۔

وہاں سے نکلنے کے بعد مجھے ایسی جگہ کی تلاش ہوئی جہاں رہ کر میں اپنی بقیہ تعلیم کو پورا کر سکوں اور اپنی تحقیقات کو بھی جاری رکھ سکوں۔"

"اور وہ تحقیقات کیا تھیں" خواجہ نے پوچھا "آخر تم نے یہاں رکھ

کون کون سے کام انجام دیے ؟"

" جبر و مقابلہ کے بہت سے قدیم مسائل حل کیے اور کئی رسالے اپنے تصنیف کیے۔"

" خوب !" خواجہ نے تمسخر آمیز لہجہ میں کہا " بھلا کس کس مضمون پر رسالے تصنیف کیے ؟"

" صرف ریاضی۔ اقلیدس اور جبر و مقابلہ پر"

" ماشاء اللہ ! اور ان کے نام کیا کیا ہیں ؟"

" پہلے رسالہ کا نام تو " رسالہ استخراج اضلاع مربعات و مکعبات " ہے دوسرا رسالہ جبر و مقابلہ پر ہے اس کا نام " فی براہین الجبر و مقابلہ " ہے تیسرا رسالہ اقلیدس پر " رسالہ فی شرح ما اشکل من مصادرات کتاب اقلیدس " ابھی مکمل نہیں ہوا ہے۔"

" اور کیا کیا ؟" خواجہ کے لہجہ میں اب شفقت اور نرمی تھی۔

" میں نے یہ غور کیا کہ اس مختصر سی دنیا میں علم کس طرح آیا اور علم کے لانے والے کون لوگ تھے ــــ سب سے بہتر علم تو ہمیں ان پیغمبروں سے ملا جن پر وحی نازل ہوتی تھی یہ پیغمبر زیادہ تر امی تھے لیکن معرفت الٰہی کے ساتھ اس دنیا سے بھی باخبر تھے جو ہماری نظروں سے پوشیدہ ہے۔ علم کے سب سے بڑے علم بردار تو یہی پیغمبر تھے ان کے بعد حکماء، محققین اور فلسفیوں کا درجہ ہے یہ لوگ پیغمبروں کی تعلیم کی مفسر تھے ان حکماء اور فلسفیوں میں ارسطو اور افلاطون کا درجہ بہت بلند ہے اور ان کا میں نے بغور مطالعہ بھی کیا ہے

ان کے بعد میرے استاد ابو علی سینا کا درجہ ہے جنھوں نے اپنے علم و فضل کے آفتاب سے جہالت اور کم علمی کے سینکڑوں سمندر خشک کر دیئے۔

"ان حکما، اور فلسفیوں کے بعد شاعر آتے ہیں۔ شاعروں کا شعور انتہائی خطرناک ہوتا ہے کیونکہ ان کے کلام کی بنیاد محض تصورات پر ہوتی ہے وہ تل کو پہاڑ اور پہاڑ کو رائی بنا سکتے ہیں ان کی نظریں ساتوں آسمانوں تک پار ہو جاتی ہیں اور پستی میں وہ تحت الثریٰ تک کی خبر لاتے ہیں۔"

"لیکن تم نے اس فہرست میں ریاضی داں کا نام تو لیا ہی نہیں" خواجہ نے کہا "صرف ریاضی داں ہی ایسی شخصیت ہے جو مشاہدہ پذیر حقیقت کی تکمیل کر سکتی ہے ۔۔۔ ریاضی ایک ایسا پل ہے جس کے ذریعہ ہم لاعلمی کی سرزمین سے علم و دانش کی مملکت میں پہونچتے ہیں ۔۔۔ اور جہاں تک جبر و مقابلہ کا سوال ہے یہ ریاضی کی سب سے اہم اور بڑی شاخ ہے ۔۔۔ خدا تمہاری عمر میں برکت دے مجھے آج تک تمہارے علم کے متعلق صحیح معلوم نہ ہو سکا تھا ۔۔۔ مجھے امید ہے کہ تم اپنی بیش بہا صلاحیتوں کو الجبرائی مساوات کے حل میں صرف کروگے اور ان پر نئی نئی تنقیدات اور تشریحات کروگے" خواجہ کی آواز میں رقت تھی۔

عمر اپنے بوڑھے استاد کی طرف احترام آمیز نظروں سے دیکھنے لگا "کچھ مسائل اور بھی ہیں اگر ان کو ہم حل کر لیں تو ۔۔۔ مثلاً سیاروں کی چال کا اگر صحیح اندازہ لگایا جا سکے تو ۔۔۔"

"میاں! لیکن یہ تو نجوم ہے اس کا ریاضی سے کیا تعلق ہے؟"

"میرا اشارہ نجوم کی طرف ہی تھا"

"تمہارے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ جبر و مقابلہ کے مسائل نجوم کے مسائل کے مانند ہیں۔ استغفر اللہ" خواجہ نے غصہ سے کہا "مجھے یہ سن کر بہت افسوس ہوا"

"لیکن کچھ نہ کچھ حقیقت تو ہر علم میں ہو سکتی ہے اگر اس کو حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔"

خواجہ ابوالحسن نے ٹھنڈی سانس بھری "میرے بچے جوانی میں سب ہی اس قسم کے خیالی پلاؤ پکاتے ہیں۔ تم تو پیشگوئیاں کرتے ہو لیکن میری اس پیشینگوئی کو بھی ہمیشہ یاد رکھنا کہ نجومی ہمیشہ خانماں برباد رہتا ہے اور ہمیشہ دربدر کی ٹھوکریں کھاتا پھرتا ہے" ان کی داڑھی مضحکہ خیز انداز سے ہل رہی تھی پھر خود ہی اپنے الفاظ کی سختی کو محسوس کر کے انھوں نے قدرے ندامت سے کہا "بہرحال ہر شخص کی زندگی کا کوئی نصب العین ہوتا ہے۔ میری دعا ہے کہ تم زندگی میں ہمیشہ کامران اور بامراد رہو ۔۔۔ میری تمنا تھی کہ تم صرف ریاضی میں ہی کمال حاصل کرتے۔ جو خدا کو منظور ہے ہوتا وہی ۔۔۔ کل تمہیں میرا خط لیکر نیشاپور جانا ہے اور ممکن ہے کہ تمہاری سرپرستی کے لئے کوئی بڑا آدمی مل جائے ۔۔۔ خدا تمہارے سفر کو خوشگوار بنائے اور تم بخیریت تمام منزل مقصود تک پہونچو۔"

عمر جب وہاں سے اٹھا تو بہت افسردہ اور مضمحل تھا اس کو یہی خیال تھا کہ استاد خفا ہو کر اس کو نکال رہے تھے اس نے محسوس کیا کہ یہ دوسرا دروازہ تھا جو اس پر بند ہوا۔ پہلے رحیم کے یہاں سے نکالا گیا اور اب خواجہ ابوالحسن کے یہاں سے۔

عمر کے جانے کے بعد خواجہ ابوالحسن نے سفید رنگ کا ایک قیمتی کاغذ نکالا اور اس پر لکھنا شروع کیا۔

"عالی قدر والا منزلت ملک طغفاج خاں تکش السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

میں نے اپنے شاگرد عمر خیام کے متعلق جو معلومات حاصل کیں ہیں ان کا لب لباب یہ ہے کہ وہ اپنی استعداد علمی میں اس وقت مفتی اعظم بغداد کا ہمسر ہے۔ اس کے پاس ایک خداداد نعمت یہ ہے کہ وہ ہر دشوار ترین مسئلہ کو دم بھر میں حل کر لیتا ہے۔ کیوں اور کس طرح یہ مجھے نہیں معلوم ـــــ یہ کہنا دشوار ہے کہ وہ اپنی اس خصوصیت کا استعمال کس طرح کرے گا کیونکہ وہ ابھی تک غور و فکر کا غلام ہے ویسے ہر طرح آزاد ہے۔

میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ میرے یہاں سے اس نے جتنا بھی علم حاصل کیا ہے نیک کاموں میں صرف ہو اور اپنی سرپرستوں کی ہمدردیاں حاصل کرے۔

کاش کہ اسلام میں ایسے ہونہار فرزند ہمیشہ پیدا ہوں فقط

آپکا مخلص ابوالحسن الانبری عفی عنہ

جب روشنائی خشک ہوگئی انھوں نے خط کو ایک لفافہ میں بند کیا اور پھر لفافہ پر مہر لگا کر سردار تکش کا نام لکھ کر ترکمان دروازہ نیشاپور کا پتہ لکھ دیا۔

آٹھواں باب

نگرانی

عمر اس وقت جامع مسجد سے ملی ہوئی حلوائیوں والی گلی میں ایک دوکان پر بیٹھا تھا اس کے ہاتھ میں ایک آہنی سیخ تھی جس پر سے چھٹا چھٹا کردہ گرما گرم کباب کھا رہا تھا۔ وہ اس وقت بہت زیادہ بھوکا تھا کیونکہ خواجہ ابوالحسن کے یہاں سے صبح تڑکے ہی چل دیا تھا اور راستہ میں بغیر کسی جگہ قیام کئے ہوئے جب وہ نیشاپور میں داخل ہوا تو دوپہر ڈھلنے والی تھی۔ زیادہ تر راستہ اس نے ایک خچر پر سوار ہو کر کاٹا تھا یہ خچر والے نمک کے میدان سے اپنے خچروں پر نمک بار کر کے نیشاپور لا رہے تھے خچر والوں سے باتیں کرتے ہوئے اور ان کے گیت سنتے ہوئے اسکا راستہ اچھا کٹ گیا تھا لیکن کھانے کو صبح سے کچھ نہ ملا تھا۔

جس دوکان پر وہ بیٹھا ہوا تھا وہ گلی کے نکڑ پر ہی تھی اور یہ جگہ ترکمان دروازہ سے بھی بالکل ملی ہوئی تھی وہ اس دوکان پر بیٹھ کر نیشاپور آتے ہوئے ہر مسافر کو دیکھ سکتا تھا۔ دو لڑکے بھاگتی ہوئی بھیڑوں کا پیچھا کر رہے تھے اور چوں چوں کرتی ہوئی کمہاروں کی مٹی سے لدی ہوئی ایک گاڑی ترکمان دروازہ کی طرف آ رہی تھی ۔ دروازہ سے ایک مختصر سا سانڈنی سواروں کا قافلہ گذر رہا تھا۔ سانڈنیوں کے گلوں میں بندھی ہوئی گھنٹیوں کی آواز کی ہم آہنگی

ایک عجیب قسم کا شور سا بپا کر رکھا تھا۔

"یہ سب سمرقندی بنجارے ہیں" کبابی نے کہا "آجکل تو ان لوگوں کی تعداد روز بروز بڑھ رہی ہے"

"ان تاقوں پر یہ کیا لاتے ہیں" عمر نے پوچھا۔

"ہاتھی دانت۔ ہاتھ کا بنا ہوا ریشمی کپڑا۔ مشک کے نافے۔ کچا عنبر۔ شیشے کا سامان۔ کانسی کے برتن ریوند چینی ۔۔۔ اور کون سی ایسی چیز ہے جو یہ نہ لاتے ہوں پورا علم تو خدا کو ہی ہے"

"سوائے ایسے کبابوں کے" عمر نے مسکراتے ہوئے خالی سیخ اور پانچ درم اسکو دیدئے۔ اس طنز کو غریب کبابی کیا سمجھتا۔

"ماشاء اللہ ۔۔ خدا کا شکر ہے کہ ہماری بھیڑیں کافی تیار ہیں ورنہ ایسے کباب تیار نہیں ہو سکتے تھے" کبابی پانچ درہم ملنے سے بہت خوش معلوم ہوتا تھا کیونکہ عمر نے صرف تین کباب کھائے جو صرف تین درم کے تھے کبابی نے ایک سیاہ فام لڑکے کو آواز دی جو اس وقت سامنے والی پھلوں کی دوکان پر بیٹھا ہوا ایک داستان گو کی دلچسپ داستان سننے میں منہمک تھا ایک پیتل کی صراحی اس کے قریب رکھی ہوئی تھی "او زید کی اولاد ۔۔ کاہل کمبخت دیکھ نہیں رہا ہے کہ ایک معزز مہمان کو پیاس لگی ہے ۔۔۔ فوراً پانی لا"

اس لڑکے نے جلدی سے آکر ایک کانسی کا گلاس اپنی جیب سے نکالا اور صراحی سے پانی انڈیل کر عمر کے سامنے پیش کیا۔ اس کو پی کر عمر نے دوسرا گلاس لیا اور آدھا پی کر باقی آدھے پانی سے کلی کی ہاتھ دھوئے

اور پھر اس تولئے سے منہ پونچھنے لگا جو اسی لڑکے نے دیا تھا۔

عمر نے ایک چھوٹا سا سکہ لڑکے کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

"او کمبخت۔ ایک پیاسے مسافر کی پیاس بھی بغیر پیسے کے نہیں بجھا سکتا" کبابی نے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔

"اور بھوکے مسافر کی بھوک کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے" عمر نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"اوہ۔ مجھے کوئی ایسا آدمی بتا دیجئے جو اللہ کے نام پر روزانہ ایک بھیڑ مفت دیجایا کرے ــــ اور کباب سینکنے کے لئے کوئلے اور ایک ایسا لڑکا جو مفت پنکھا ہلایا کرے۔ اس وقت میں بغیر کسی دشواری کے مسافروں کو مفت کباب کھلا دیا کروں گا" کبابی نے شانوں کو جنبش دیکر کہا اور عمر کو دیکھنے لگا جو اس وقت اونٹ کے بالوں کی ایک معمولی اور اکہری عبا پہنے ہوا تھا اور ایک چھوٹی سی گٹھری اس کی بغل میں تھی "آپ کیا مشہد مقدس کی زیارت کو جا رہے ہیں؟" کبابی نے خود بخود اندازہ لگا کر پوچھا۔

"مجھے کچھ نہیں معلوم کہ کہاں جا رہا ہوں" عمر نے کھوئے ہوئے لہجہ میں کہا وہ اب کبابی کی دوکان سے اٹھ کر مسجد کے دروازے پر جانا چاہتا تھا آج جمعہ کا دن تھا لوگ جوق در جوق نماز کے لئے مسجد میں آ رہے تھے اسوقت گلی سے گرمی کی تپش بھی کم ہو چکی تھی اور نیم برہنہ لڑکے چھوٹی چھوٹی ٹھکیریوں سے گلی میں چھڑکاؤ کر رہے تھے اندھے داستان گو کی آواز بھی لوگوں کے چہل پہل میں دب گئی تھی اس نے مسجد میں جا کر نماز پڑھی اور پھر وہاں سے

ترکمان دروازہ کے برابر والی ایک دوکان میں آ کر بیٹھ گیا۔

اب شام ہو چلی تھی اور کئی مسلح ترک ترکمان دروازہ کو بند کر کے اس پر پہرہ دینے کے لئے آ گئے تھے۔ دوکاندار اپنی اپنی دوکانوں پر شمعیں روشن کرنے لگے عمر وہاں سے اٹھ کر سڑک پر آ گیا اور پھر مسجد کی طرف روانہ ہو گیا۔

"اوہ۔ عمر خیام! آ گئے تم"۔

بولنے والا وہی موٹا تازہ کوتوال تکش تھا جو اسوقت زعفرانی رنگ کے سلک کی عبا پہنے ہوئے تھا۔ عمر فوراً ہی اس کی طرف بڑھا۔ جب وہ اپنے گھوڑے سے نیچے اتر آیا تو عمر نے اپنی پیٹی سے خواجہ ابوالحسن کا خط نکال کر اسے دیدیا۔ کوتوال نے لفافہ چاک کیا اور سڑک پر لگی ہوئی ایک لالٹین کے پاس جا کر اسے پڑھنے لگا۔

تکش نے خط کو تہہ کر کے اپنی جیب میں رکھ لیا۔

نیشاپور میں تمہارا مکان کہاں ہے؟" تکش نے پوچھا۔

"فی الحال تو کہیں نہیں ہے"۔

تکش نے عمر کی بوسیدہ عبا اور گٹھری پر نظر ڈالی جو اس کی بغل میں دبی ہوئی تھی پھر اس لہجہ میں بولا جیسے کتے کو روٹی کا ٹکڑا ڈال رہا ہو "تمہارے رہنے کا انتظام میں ایک زین ساز کے یہاں کر سکتا ہوں بشرطیکہ تم اس کے آدھی درجن بچوں کو قرآن شریف پڑھا سکو"

اس کی نظریں اور لہجہ اتنا گستاخ تھا کہ عمر کو تاؤ آ گیا۔

"براہ کرم یہ منصب آپ اپنے کسی صاحبزادہ کو دیدیں جو کسی خیراتی مدرسہ میں پڑھتے ہوں ۔۔۔ اچھا اب میں جا سکتا ہوں؟"

"یقیناً" تکش نے بے رخی سے کہا اور اپنا گھوڑا آگے بڑھا لیا۔ تکش نے اپنے پیچھے چلنے والے فقیر کے کاسہ میں ایک سکہ ڈالا جو برابر مانگے جا رہا تھا۔

"اس نوجوان کی نگرانی کرو جو بھوری عبا پہنے ہوئے سامنے کھڑا ہے" تکش نے اتنے آہستہ سے کہا وہ فقیر ہی سن سکا "ایک لمحہ کیلئے بھی اسکو تنہا نہ چھوڑنا اور اس کے قیام کی جگہ معلوم کر کے مجھے بتانا"

"بہتر ہے" فقیر نے آہستہ سے کہا اور سکہ لیتے ہوئے ایک زوردار "یا حق" کا نعرہ لگا کر آگے بڑھ گیا۔

عمر سمجھ گیا تھا کہ اس کا تعاقب ہو رہا تھا کیونکہ عمر کے ناک میں برابر تمباکو کی خوشبو آ رہی تھی جو وہ فقیر پی رہا تھا ۔۔۔ اسکی جیب میں صرف ایک دینار اور چار پانچ درہم رہ گئے تھے بس یہی اسکا کل سرمایہ تھا جو چلتے وقت خواجہ ابوالحسن نے دیا تھا اس نے طے کر لیا تھا کہ وہ اپنے پرانے حجرہ میں ہی قیام کریگا جس کی چھت پر پیاز اگی ہوئی تھی۔

شارع کتب فروشاں پر وہ چشمہ کے پاس جا کر رک گیا بلکہ اس کے قدم خود بخود رک گئے ایک لڑکی چشمہ پر جھکی ہوئی اپنا گھڑا بھر رہی تھی وہ برقعہ اوڑھے تھی لیکن عمر تو اسکو ہزار میں پہچان سکتا تھا۔ وہ تیزی سے جا کر اس کے برابر کھڑا ہو گیا لیکن لڑکی نے اس کی طرف دیکھا تک نہیں۔

"پیاری یاسمین" عمر نے آہستہ سے کہا۔

شام کے اندھیرے میں دو آنکھیں نقاب میں سے چمک رہی تھیں۔ لڑکی نے آہستہ سے اپنے ماتھے پر آئے ہوئے بالوں کو ہٹایا۔ عمر اس کی طرف حیرت بھری ہوئی نظروں سے دیکھتا رہا۔ یاسمین اس وقت چنار کے درخت کے سائے میں تھی جہاں تاریکی اور زیادہ تھی۔۔ اب وہ پرانی یاسمین ۔۔۔ ننھی سی شریر بچی نہیں تھی بلکہ ایک نئی یاسمین برقعہ اوڑھے ہوئے ۔۔ سنجیدہ اور گلاب کی خوشبو سے معطر یاسمین تھی۔ گھڑا ایک طرف کو لڑھک گیا تھا اور اس میں سے پانی نکل نکل کر بہہ رہا تھا۔ اب وہ کافی بڑی ہو گئی تھی اس کے سفید سفید برہنہ بازو برقعے سے باہر نکلے ہوئے تھے۔

"یاسمین" عمر نے دوبارہ کہا۔ "یہاں تم کس کا انتظار کر رہی تھیں؟"

وہ ایک دم اچھل پڑی "بیوقوف ۔۔" اس کا لہجہ اب بھی پرانا تھا "میں کیوں کسی کا انتظار کرتی"

اس نے جلدی سے آدھا بھرا ہوا پانی کا گھڑا اٹھا کر بغل میں دابا اور اپنے گھر کی طرف چل دی ۔۔ اس کی رفتار بہت تیز تھی اور اسوقت کافی غصہ میں معلوم ہو رہی تھی ۔۔۔ وہ گذشتہ دو برس سے روزانہ عمر کا انتظار کر رہی تھی اسے امید تھی کہ وہ آئے گا اور ضرور آئیگا ۔۔۔۔ عمر نے وعدہ کیا تھا کہ تیرہ برس کی جب وہ ہو جائے گی تو وہ اس کیلئے گلاب کے پھول بھیجے گا۔ بہت سے گلاب کے پھول ۔۔ لیکن اب اسکی پندرھویں سال بھی ختم ہونے والی تھی۔

چنار کے درخت کے تنے کی آڑ میں کھڑا ہوا ایک شخص خاموشی سے

ان دونوں کو دیکھ رہا تھا ـــــ یاسمین کے جانے کے بعد وہ عمر کے پاس آگیا۔

"بابا ایک درم ـــ اللہ کے نام پر" فقیر نے ہانک لگائی "بھوکے فقیر کو ایک درم ـــ اللہ کے نام پر"

نواں باب

سانحۂ عظیم

نیشاپور کے قبرستان کی نئی پرانی۔ شکستہ اور ویران قبروں پر اتنے پھول گرے ہوئے تھے کہ ایک بیش بہا قالین سا بچھ گیا تھا اس قبرستان میں املتاس کے سینکڑوں درخت تھے اور یہ ان کے ہی پھول تھے جن سے پورے قبرستان کی زمین زرد ہو گئی تھی ــــــ اور آفتاب کی روشنی ان قبروں پر اس طرح پڑ رہی تھی کہ جس سے ہر گذرنے والے کو معلوم ہو جاتا تھا کہ قبر پر پاؤں پڑے بغیر کس راستہ سے گذرنا چاہیئے ــــــ کچھ قبروں کی لوحیں سادی تھیں اور کچھ سنگ مرمر کی جن پر پچی کاری کی ہوئی تھی یہ قبریں عورتوں اور لڑکیوں کی تھیں

املتاس کے درختوں کے نیچے کچھ عورتیں اپنے اپنے برقعوں کا نقاب الٹے ہوئے بیٹھی تھیں اور ان کے سر ایک دوسرے سے ملے ہوئے تھے اور ان کے ہونٹ اور ہاتھ مسلسل حرکت میں تھے ــــ دنیا بھر کی باتوں کا سلسلہ جاری تھا یہ عورتیں ایک قبر کے چاروں طرف بیٹھی تھیں۔ چند بچے گھانس پر کھیل رہے تھے۔

آج جمعرات کا دن تھا ــــ یوم الفاتحہ ــــ عورتوں کا بڑا مجمع بر

جمعرات کو فاتحہ خوانی کے لئے قبرستان میں اکٹھا ہوتا تھا اور یہ دن عورتوں کیلئے مخصوص تھا کوئی مرد آج یہاں نہیں آسکتا تھا ۔۔۔ فاتحہ خوانی تو کیا ہوتی کیونکہ جب چار عورتیں مل کر بیٹھتی ہیں تو دنیا کے ہر مسئلہ پر گفتگو کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو جاتا ہے ان دلچسپ باتوں کا سلسلہ رات گئے تک رہتا ۔۔۔ عورتوں کی نظر بچا کر نوجوان لڑکیاں ادھر ادھر بھی گھوم لیتی تھیں ۔ قبرستان میں لگے ہوئے کھٹے انگوروں اور مکھوں کو کھانا ان کا محبوب مشغلہ تھا ۔

یاسمین بھی تنہا گھومتی پھرتی ہوئی بہت دور پہونچ گئی ۔۔۔ قبرستان کے آخری کنارے پر ایک چھوٹا ٹیلہ تھا وہ اس پر جاکر بیٹھ گئی اور اپنے سر پر اڑتے ہوئے کبوتروں کی ٹکریوں کو دیکھنے لگی ۔ ان کبوتروں کے گھونسلے اس شکستہ دیوار کے سوراخوں میں تھے جو قبرستان سے ملی ہوئی تھی یہ ایک چہار دیواری تھی لیکن اس پر کوئی چھت نہیں تھی اس چہار دیواری کے اندر ایک اونچا اور کافی چوڑا چکلا مینار کھڑا ہوا تھا ۔۔۔ یہ کسی زمانہ میں دیدبان کا کام دیتا تھا اور اس میں بیٹھکر قبرستان سے ملے ہوئے دریا کی نگرانی کی جاتی تھی تاکہ کوئی دشمن اگر دریا کی طرف سے حملہ آور ہو تو فوراً معلوم ہو جائے ۔ لیکن یہ پچاس سال پرانی بات تھی اب تو سینکڑوں میل تک سلجوقیوں کی ہی حکومت تھی ۔۔۔ وہ پورے مشرق وسطیٰ کے مالک تھے ۔ ان کی سلطنت نے سرحد چین سے سواحل بحرابیض اور عدن سے خوارزم اور انجاز تک تمام سلطانوں کو ایک کر دیا تھا ۔ اب دشمن کے حملہ کا تو کوئی خوف ہی نہ تھا اس لئے یہ مینار بھی ویران ہو گیا تھا اور اس میں کبوتروں اور چمگادڑوں نے

قبضہ کر رکھا تھا یا پھر عمر جیسے بے گھر لوگوں کی پناہ گاہ بن گیا تھا۔ عمر زیادہ تر راتیں اسی مینار میں گزارتا تھا اور ستاروں کا مطالعہ کرتا تھا۔

"اے ہے میرے اوپر خدا کی مار" یاسمین نے مینار میں کسی کا سایہ دیکھتے ہوئے خود سے کہا "میں یہاں کیوں آگئی"

لیکن وہ اٹھی نہیں شاید اس نے مینار والے سایہ کو پہچان لیا تھا۔ تجاہل عارفانہ کے ساتھ لیٹی ہوئی کبوتروں کو دیکھتی رہی تھوڑی ہی دیر میں چہار دیواری سے ایک نوجوان نکلا اور یاسمین کے برابر آکر بیٹھ گیا۔ وہ فوراً اٹھ کر بیٹھ گئی اس کی آنکھوں سے خوف ٹپک رہا تھا۔

"کہو۔ کیا بات ہے؟" یاسمین نے پوچھا "تم یہاں کیوں آ گئے اگر کسی نے دیکھ لیا تو"

"تو اور بھی اچھا ہوگا" عمر نے مسکرا کر کہا اس کی نظریں یاسمین کی سیاہ آنکھوں اور گلابی ہونٹوں پر لگی ہوئی تھیں۔

"تم تو ملاذ گرد کی جنگ میں بھی شریک ہوئے تھے؟ تم نے سلطان کو بھی دیکھا ہوگا۔ بہت سے شہروں کو اور سینکڑوں لڑکیاں دیکھی ہوں گی — کچھ تو بتاؤ کہ تم نے اس ڈھائی برس میں کہاں کہاں کی سیر کی؟"

لڑکیوں کا ذکر سن کر عمر کی نظر کے سامنے رومی لڑکی ازابیلا کی صورت گھوم گئی۔

"کچھ بھی نہیں دیکھا" اس نے جواب دیا "جب لڑائی ختم ہوگئی تو اپنے گھر واپس آگئے"

نیشاپور میں کیا کرنے کا ارادہ ہے؟"

"کچھ نہیں معلوم ۔۔۔ جو مقدر کرائے"

"کیا تم دوبارہ یہاں سے چلے جاؤ گے؟"

عمر نے سر کو جنبش دی "نہیں ۔۔۔ اب کہیں نہیں جاؤں گا ۔۔۔" وہ اس وقت یاسمین کے علاوہ کچھ اور سوچنا ہی نہیں چاہتا تھا ۔۔۔ وہ بڑی ضرور ہو گئی تھی لیکن اسکی باتیں ویسی ہی بچگانہ تھیں۔

"لوگ کہتے ہیں کہ تم خواجہ ابوالحسن کے عزیز شاگردوں میں سے تھے" یاسمین نے کہا "اب تو تم بہت قابل ہو گئے ہو گے؟"

عمر کو یہ سن کر کوئی تعجب نہیں ہوا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ شارع کتب فروشاں کا بچہ بچہ خواجہ ابوالحسن کے علم و فضل سے واقف تھا۔ جن کا معمولی رسالہ بھی سینکڑوں دیناروں میں فروخت ہوتا تھا۔

"لیکن میری حالت فقیروں سے بھی بد تر ہے" عمر نے کہا "ہر فقیر کا کوئی نہ کوئی ٹھکانہ آرام کرنے کا ضرور ہوتا ہے لیکن میرے پاس وہ بھی نہیں ہے۔ اس دنیا میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جسے میں اپنا کہہ سکوں"

یاسمین نے پہلو بدلا "تم تو بیدی کا بوناسے بھی گئے گذرے ہو وہ تو ستارہ شناسی کی بدولت بے شمار دولت کا مالک ہے ۔۔۔ وہ ریشمی عبائیں پہنتا ہے۔ عمدہ غذائیں کھاتا ہے اور سینکڑوں حبشی غلاموں کا مالک ہے ۔۔۔ اچھا اب مجھے جانا چاہیئے وہ دیکھو عورتیں اب جانے کی تیاریاں کر رہی ہیں"

جب عمر نے اس کی کلائی پر ہاتھ رکھ دیا تو وہ اٹھ نہ سکی "دیکھو چاند بھی نکل آیا اور کبوتر بھی اپنے اپنے گھونسلوں میں چلے گئے ــــ اب مجھے جانے دو"

"اس چاند کے قریب ابھی ایک ستارہ اور نکلے گا"

"نہیں ــــ میں اسکا انتظار نہیں کرونگی" یاسمین نے ہنستے ہوئے کہا "تم کو تو ستارے دیکھنے کی عادت ہے کیا تم کو ڈر نہیں لگتا جو اس منحوس مقام پر رہتے ہو ــــ رات کو قبرستان کی روحیں ضرور یہاں آتی ہوں گی؟"

"ہاں ــــ اور وہ سب روحیں میری دوست ہیں ــــ وہ میرے لئے اصطرلاب مہیا کرتی ہیں ــــ میرے لئے ستاروں کی قندیلیں روشن کرتی ہیں ــــ مجھے ایسے سبق دیتی ہیں جن کو بابل اور یونان کے حکماء بھی جلتے تھے"

یاسمین کا جسم کسی انجانے خوف سے لرزنے لگا۔ اس نے لوگوں کو کہتے سنا تھا عمر کسی پراسرار قوت کا مالک ہے جس کی وجہ سے پوشیدہ اسرار اس پر منکشف ہو جاتے ہیں ــــ اب سمجھ میں آیا کہ وہ روحوں سے بات کرتا ہوگا

"لیکن تم ان سے کس زبان میں باتیں کرتے ہو ــــ بابل کی قدیم زبان میں؟"

"نہیں یاسمین ــــ یہ روحیں دنیا کی ہر زبان جانتی ہیں ــــ وہ مجھ سے فارسی میں باتیں کرتی ہیں"

یاسمین غریب کو کیا خبر تھی کہ وہ اس سے مذاق کر رہا تھا وہ عمر سے اور قریب ہو کر بیٹھ گئی اور خوفزدہ نظروں سے قبرستان کی طرف دیکھنے لگی جب عمر نے اسے اپنے آغوش میں لے لیا تو وہ کانپنے لگی اور آہستہ آہستہ

اس کی گرفت سے نکلنے کی کوشش کرنے لگی۔ اس کا سر جھکا ہوا تھا اور آنکھیں بند تھیں۔

اب اسے عمر سے بھی ڈر معلوم ہو رہا تھا۔۔۔ عمر نے اس کی کانپتی ہوئی آواز سنی "مجھے ڈر لگ رہا ہے۔۔۔ اب میں جاؤنگی۔۔۔ مجھے ڈر ہے لگی۔۔۔ یہ تو مذاق تھا" عمر نے اس کے رخساروں پر ہاتھ رکھ کر اسکا منھ اپنی طرف کر لیا "میری طرف دیکھو" عمر نے کہا لیکن یاسمین کی آنکھیں بند رہیں نئے چاند کی روپہلی محراب میں اب کافی روشنی آ گئی تھی اور ایک ستارہ اس کے بیچ میں جھلملا رہا تھا۔۔۔ یہ معلوم ہو رہا تھا جیسے چاند کی دودھیا روشنی نے سارے آسمان پر نقرئی پالش کر دی ہو۔ یاسمین اس کے آغوش سے نکل جانا چاہتی تھی۔

عمر نے اس کی ریشمی قمیض کھینچ لی تھی جس کی وجہ سے اس کے برہنہ شانے کی گلابی جلد چاند کی روشنی میں چمک رہی تھی۔۔۔ اسی وقت یاسمین نے آنکھیں نیم وا کر کے اپنے بازو عمر کے گلے میں حمائل کر دیے۔۔۔ اس کی چھاتیاں اس طرح دھڑک رہی تھیں جیسے پانی کی لہروں میں کنول کے پھول ہچکولے لیتے ہیں۔۔۔

اب ساری عورتیں قبرستان سے جا چکی تھیں اور عشاء کی نماز کا وقت تھا ساری دنیا سے بے خبر وہ دونوں شارع کتب فروشاں کی طرف جا رہے تھے عمر اس کو گھر تک چھوڑنے جا رہا تھا۔ گھر کے سامنے پہونچکر چنار کے درخت کے نیچے وہ دونوں پھر رک گئے یاسمین کی نقاب آنسوؤں سے تر ہو گئی تھی۔

"میں تمہارے بغیر کس طرح زندہ رہ سکتی ہوں" یاسمین نے عمر کے گلے سے لگتے ہوئے کہا اور پھر اپنے مکان کی طرف چلی گئی۔

عمر کو آج بھوک نہیں لگ رہی تھی اور نہ اسے نیند آرہی تھی۔ وہ اس فقیر کو دیکھ کر مسکرا دیا جو اس کے حجرہ کے ارد گرد منڈلا رہا تھا۔ جب یہ فقیر لنگڑاتا ہوا دور نکل گیا تو عمر بھی اپنے حجرہ سے نکل کر سامنے والے پارک کی طرف چل دیا۔ چوکیدار لالٹین لئے ہوئے "ہوشیار۔ خبردار" کی صدائیں لگا رہے تھے۔ عمر اس وقت نیم مدہوشی کے عالم میں تھا لیکن وہ ایک سایہ کو دیکھکر چونک پڑا جو ایک درخت کے سایہ سے نکل کر تالاب کی طرف چلا گیا تھا۔ عمر بھی تالاب کی طرف روانہ ہو گیا۔ یہ تالاب اسکے حجرہ کے سامنے والے پارک میں تھا اور اسمیں پانی اس چشمے سے آتا تھا جو شارع کتب فروشاں پر چنار کے درخت کے نیچے سے نکلا تھا۔

پارک میں داخل ہو کر اس نے دیکھا کہ ایک کوزہ پشت آدمی تالاب کے کنارے بیٹھا ہوا اونگھ رہا تھا۔ اس کے شانوں پر ایک بوسیدہ عبا پڑی ہوئی تھی۔ عمر کو وہ صورت جانی پہچانی سی معلوم ہوئی لیکن اسے یہ نہ یاد آسکا کہ اس کو کہاں اور کب دیکھا تھا۔

جب عمر اس کبڑے کے برابر بیٹھ گیا تو اس اجنبی نے پانی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "او بھائی۔ دیکھو چاند نے بھی اپنا منہ آنسوؤں کے سمندر میں چھپا لیا ہے"۔

عمر تالاب کی سطح پر دیکھنے لگا۔ چاند کا عکس ہزاروں لاکھوں حصوں میں

بٹ کر اس طرح بل رہا تھا جیسے کسی نے سیروں سیماب فرش پر بکھیر دیا ہو — آج کی رات عمر کے پاس رنج و غم کا کیا کام تھا لیکن کبڑے کو روتا دیکھکر وہ چونک پڑا۔ اب عمر کو یاد آگیا تھا کہ یہ کبڑا سلطان الپ ارسلان کا منھ لگا مسخرا بختیار تھا۔

"کیا ہوا تمہیں بختیار" عمر نے نرمی سے پوچھا۔

"مجھے کیا ہوا یہ نہ پوچھو — بس تم اس سے اندازہ کرلو کہ جب سارا عالم محو خواب ہے میں جاگ رہا ہوں مجھے اس چاند کے ڈوبنے کا غم ہے جو سچ مچ کا چاند تھا — چودھویں کا چاند — یہ آسمان والا چاند تو اسکے سامنے کیا حقیقت رکھتا ہے — یہ تو ہزاروں برس سے ڈوبتا اور نکلتا ہے — لیکن میرا چاند اب نہیں نکل سکتا وہ ہمیشہ کیلئے ڈوب گیا۔"

عمر کو سناٹا آگیا اور اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا "آخر ہوا کیا — خدا کیلئے جلد بتا دو۔"

"اب دنیا میں میرا کوئی آقا نہیں ہے —" کبڑے نے گلوگرفتہ آواز میں کہنا شروع کیا۔ "واللہ وہ ابر کرم تھا —" وہ اپنے بختیار پر حد سے زیادہ مہربان تھا وہ بختیار جو اسکا ادنیٰ ترین خادم تھا — وہ غریبوں کا والی اور بے کسوں کا چاہنے والا تھا — لیکن اب وہ آفتاب غروب ہوگیا — بختیار کا چاہنے والا اب کہاں ہے — افوہ — سلطان سلطان الپ ارسلان شہید کردیے گئے۔

اوہ — انا للہ وانا الیہ راجعون — "عمر نے اچھل کر کہا" مجھے

نہیں معلوم تھا۔۔ یہ کس طرح ہوا؟"

"تمہیں خبر نہیں! تعجب ہے حالانکہ پورے ایشیا پر رنج و غم کی گھٹائیں چھائی ہوئی ہیں ساری مملکت اسلامیہ میں تہلکہ پڑا ہوا ہے۔۔۔ ہم آج ہی ان کے جسد کو سمرقند سے لے کر آئے ہیں۔

"یہ واقعہ کیسے ہوا؟"

"ہمارے ساتھ دو لاکھ جمعیت تھی اور سلطان کا ارادہ بلاد ترکستان کو زیر نگیں کرنے کا تھا۔۔۔ صفر کی ابتدائی تاریخوں میں دریائے جیحون پر پل بنوایا گیا اور اس کو عبور کرنے میں بھی ایک ماہ سے زائد لگ گیا۔۔۔ جب ہم نے پل کو عبور کیا تو ربیع الاول کا مہینہ شروع ہو چکا تھا۔ ۶ ربیع الاول ۴۶۵ھ کو سلطان کے سامنے ایک قلعدار کا مقدمہ پیش ہوا۔ اس ملعون قلعہ دار کا نام یوسف خوارزمی تھا۔۔۔ قلعدار کی بدزبانی پر سلطان نے اسے قتل کرنے کا حکم دیدیا۔ یوسف کی گستاخی اور بڑھ گئی اور اس نے سلطان کو غضب آلود نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا "اے مخنث۔۔۔ کیا مجھ جیسا بہادر آدمی اس طرح مارا جائے گا؟"

سلطان جوش و غضب سے وارفتہ ہو گیا "فوراً اس کے بند کھول دو" اس نے حکم دیا اور فوراً اس کی تعمیل کر دی گئی پھر سلطان نے تیر و کمان اٹھا کر اسکا نشانہ لیا لیکن بدقسمتی سے نشانہ خالی گیا۔۔۔"

"نشانہ خالی گیا!" عمر نے حیرت سے آنکھیں پھیلا کر کہا "سلطان کی تیراندازی تو مشہور تھی!"

وہاں ــــ لیکن مقدر کے لکھے کو کون ٹال سکتا ہے ــــ نشانہ خالی گیا"
بھٹیارے نے آنسو پوچھتے ہوئے کہا "ادھر اس مردود یوسف خوارزمی نے بغل سے چھری نکال لی اور سلطان کی طرف جھپٹا ــــ سلطان نے چاہا کہ تخت سے اتر کر اس کی طرف بڑھے لیکن اتفاق تو دیکھئے عبا کا دامن پاؤں کے نیچے آگیا اور ہمارا پیارا سلطان اوندھے منہ گر پڑا ــــ وہ لعین بھی سر پر پہونچ چکا تھا اس نے فوراً ہی سلطان کی کمر میں چھری گھونپ دی اور سعد الدولہ گوہر آئین کو بھی زخمی کر دیا جو تخت کے پیچھے کھڑے ہوئے تھے ــــ اس اچانک حملہ سے پورا دربار ہکا بکا رہ گیا ــــ یوسف نے اس ہڑبونگ سے فائدہ اٹھا کر فرار ہونا چاہا لیکن ارمنی فراش نے بڑھکر اس کے سر پر ایسی چوب ماری، کہ وہ وہیں ڈھیر ہو گیا ــــ پھر کیا تھا ترکی سپاہی اس پر ٹوٹ پڑے اور ذرا سی دیر میں پارہ پارہ کر دیا ــــ آہ!
"کیا زخم کاری لگا تھا؟"
"نہیں ــــ لیکن وقت آچکا تھا کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی اور آخر ار ربیع الاول کو ہمارے آقا نے ۴۰ سال کی عمر میں اس دار فانی سے کوچ کیا ــــ
افسوس کہ اتنے بڑے سلطان کی موت[1] اس طرح ہوئی"

[1] سلطان کی اس طرح موت کے متعلق بھی ایک عجیب واقعہ مشہور ہے حالت مرض میں سلطان نے کہا تھا کہ "ساری عمر میں پہلی بار اس نے اپنے دل میں غرور اور خود پسندی کو جگہ دی تھی کل جب میں ایک ٹیلے پر کھڑا ہوا اپنی عظیم الشان فوج کو دیکھ رہا تھا تو میرے دل میں خیال آیا تھا کہ آج روئے زمین پر کوئی طاقت میرا مقابلہ نہیں کر سکتی
(باقی صفحہ ۹۱ پر)

"ان کو دفن کہاں کیا جائے گا؟"

"مرو میں ـــ خدا اپنی جوار رحمت میں انکو جگہ عطا فرمائے"

"آمین"

(بقیہ صفحہ ۹۰) اور جب یوسف سامنے لایا گیا تو بجائے خدا کے اپنے قوت بازو پر میں نے بھروسہ کیا تھا اور دشمن کو حقیر جانا تھا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خدا نے ایک ادنیٰ قیدی کے ہاتھوں مجھے موت کے منہ میں پہنچایا ـــ خدا مجھے معاف کرے۔
(تاریخ گزیدہ صفحہ ۲۴۱-۲۴۲۔ راحۃ الصدور صفحہ ۲۰-۲۱)

دسواں باب

نظام الملک طوسی سے ملاقات

"رات بھر کمبخت نے پریشان کیا نہ خود سویا اور نہ مجھے سونے دیا۔"

یہ جیجک رد فقیر نے کہا "میں جمعہ کے روز سے اس کا پیچھا کر رہا ہوں۔ اسکی ایک ایک حرکت پر میری نظر رہی ہے۔"

"اچھا یہ تو بتاؤ وہ لڑکی کوئی لونڈی ہے؟" تکش نے پوچھا۔

"لونڈی تو نہیں معلوم ہوتی" فقیر نے کہا "حالانکہ اس کے گھر والے اس سے پانی کے گھڑے بھرواتے ہیں۔"

"شادی شدہ ہے؟"

"نہیں"

"اسکا نام کیا ہے"

"یاسمین ——— یہ نام میں نے عمر کی زبان سے سنا تھا جب وہ قبرستان ٹیلے پر اس سے باتیں کر رہا تھا نیز حمام حمام کے حامی سے میں نے یہ بھی سنا ہے کہ اس لڑکی کیلئے مشہد کے کسی سوداگر ابوالقایم نے اپنی شادی کا پیغام دیا ہے۔"

"ابوالقایم ——— پشمینہ کا سوداگر؟"

"جی سرکار"

"وہ تو بہت بڑا سوداگر ہے اس کے پاس سینکڑوں اونٹ ہیں" تگش نے ایک لمحہ تک سوچنے کے بعد کہا۔۔۔۔ "خیر اب تم واپس جاؤ اور جبتک تمہیں دوسرا حکم نہ ملے اسکی نگرانی کرتے رہو۔

"بہت بہتر۔۔۔ لیکن میں آپ کے پیغامبر کو کس طرح پہچانوں گا سرکار؟"

"وہ تم کو ٹھوکر مار کر مخاطب کریگا اور یہ پوچھے گا کہ خیمہ دوز کا لڑکا کس جگہ خیمہ دوزی کر رہا ہے لیکن تمہاری جگہ جب تک دوسرا آدمی مقرر نہ ہو جائے تم سونے کی کوشش نہ کرنا"

تگش نے اپنی جیب سے مٹھی بھر چھوٹے سکے نکال کر فقیر کے سامنے پھینک دیئے وہ ان کو جلدی جلدی اٹھاتے ہوئے زیر لب بڑبڑانے لگا۔ یہ تو ایک بغدادی درہم کے برابر بھی نہیں ہیں۔۔۔ دن رات مصیبت اٹھانے کا صلہ ملا۔ اس سے تو اچھا تھا کہ بھیک مانگ لیتا۔۔۔ لیکن یہ باتیں اس نے اتنے آہستہ سے کہیں کہ تگش نہ سن سکا۔۔۔ وہ تگش سے ڈرتا بھی بہت تھا اور اس کے اقتدار سے بخوبی واقف تھا۔

وہاں سے جا کر وہ چشمہ کے کنارے چنار کی آڑ میں بیٹھ گیا اور یامین کے مکان کی نگرانی کرنے لگا۔

وہ ایسی جگہ بیٹھا تھا جہاں سے درسگاہ کے دروازہ کو بھی دیکھ سکتا تھا۔۔۔ سارے نیشاپور پر اس وقت غم واندوہ کے بادل چھائے ہوئے تھے اور سلطان کی موت سے ہر شخص غمگین نظر آ رہا تھا۔۔۔ سلطان کی

مغفرت کیلئے مسجدوں اور مدرسوں میں قرآن خوانی اور نئے سلطان کی کامیابی کے لئے دعائیں مانگی جارہی تھیں ــــ اب نیا سلطان جواں سال ملک شاہ ہوا تھا جو پوری مملکت اسلامی میں ضیغم اصغر کے نام سے پکارا جاتا تھا اور اب اسلام کا سب سے طاقتور حکمران تھا ــــ

وہ فقیر اپنی کمین گاہ میں بیٹھا ہوا سارے حالات کا جائزہ لے رہا تھا ــــ دن کی روشنی میں تو عمر اور یاسمین بہت ہی کم نظر آتے لیکن رات کا سیاہ پردہ پڑتے ہی دونوں چشمے کنارے ضرور ملتے ــــ روزانہ اندھیرے میں دو سائے نمودار ہوتے خاموش اور جلدی جلدی قدم اٹھاتے ہوئے آتے ــــ گھنٹوں باتیں کرتے اور جب عشاء کی نماز کا وقت ہوجاتا تو چلے جاتے یہی ان کا معمول تھا۔

فقیر کو وہاں بیٹھے ہوئے آج تیسرا دن تھا اسی وقت ایک چوبدار نما آدمی آیا اور اسکی کمر سے کئی بار ٹھوکریں مار کر بولا "کیوں بیٹے ــــ تمہارا خیمہ دوز اس وقت کس جگہ خیمہ دوزی کر رہا ہے "

ٹھوکریں اتنی کراری تھیں کہ فقیر سب کچھ بھول گیا " ابے کون ہے تو؟ " فقیر نے جھلا کر کہا ــــ " بیہودہ کہیں کا ــــ ولد الحرام "

اس کی پسلی پر دوسری ٹھوکر لگی جو اور بھی زوردار تھی " تجھے یہاں پر کس نے مقرر کیا ہے ؟" چوبدار نے پوچھا

" اس نے مقرر کیا ہے جو تجھے ایک اشارہ سے جہنم رسید کرسکتا ہے ــــ اوہ ہاں ــــ اب یاد آیا ــــ یار آہستہ سے ہی ٹھوکر ماری ہوتی

—— عمر خیمہ دوز اس وقت فیض عام حمام میں نہانے گیا ہے —— خدا کی قسم میں خود وہاں جاتا اگر حمامی کو دینے کیلئے میرے پاس ایک درہم ہوتا"

"خدا تیری حالت پر رحم کرے" چوبدار بولا "میں حمام جا رہا ہوں —— سرکار نے خیمہ دوز کو طلب کیا ہے۔

شاہی چوبدار کے پیچھے پیچھے عمر قصر وزارت کے دروازہ پر پہونچ گیا جہاں سینکڑوں امراء اور بڑے بڑے سردار باریابی کے منتظر بیٹھے ہوئے تھے ان لوگوں کے غلاموں اور گھوڑوں کی وجہ سے ایک اچھا خاصہ میلہ سا لگا ہوا تھا۔ یہاں اس کو تگش بھی مل گیا جو عمر کو دیکھتے ہی انتہائی بے صبری سے اسکی طرف بڑھا جیسے وہ اسی کے انتظار میں ہو —— تگش نے عمر کا ہاتھ پکڑا اور تیزی کے ساتھ سلح ترکی پہرہ داروں اور دربانوں کے درمیان سے گزرنے لگا —— راستہ بھر لوگ اسکو جھک جھک کر سلام کرتے رہے۔

"میرے عزیز" تگش نے کہا "مقررہ وقت سے ایک گھنٹہ گذر چکا ہے اور تم کو ابھی تک پہونچا یا نہیں گیا تم جانتے ہو کہ اسوقت تم کو کہاں پیش کیا جا رہا ہے ؟ —— اعلیٰ حضرت نظام الملک طوسی وزیر اعظم مملکت سلجوقیہ کے سامنے"

عمر کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی —— نظام الملک اس کے مکتب کا ساتھی تھا۔ نظام الملک۔ حسن ابن صباح اور اس نے امام موفق کی درسگاہ میں ایک ساتھ[1]

---

[1] اس واقعہ کے اصلی ماخذ تین ہیں۔ ایک تو وصایائے نظام الملک جس میں خود نظام الملک کی زبان سے بھوری کے واقعہ کا پتہ چلتا ہے —— دوسرا جامع التواریخ اور تیسرا حسن ابن صباح کی سرگذشت سیدنا ۔ یورپی مورخین نے اس واقعہ کو مشکوک بتایا ہے۔

بڑھا تھا اور ایک دوسرے کی مدد کرنے کا وعدہ کیا تھا۔

"نا معلوم وہ مجھے پہچانتا ہے بھی یا نہیں" عمر سوچنے لگا "کیونکہ اب وہ بہت بڑا آدمی ہو چکا تھا دولت سلجوقی کے سیاہ اور سفید کا مالک ـــــ "لیکن مجھے کس لیئے بلایا گیا ہے" عمر نے پوچھا۔

"یہ تکش بھی نہ بتا سکا" مجھے تمہاری حفاظت کیلئے اور تمہارا امتحان لینے کیلئے مقرر کیا گیا تھا۔" تکش نے کہا "اس وقت تمہاری تقدیر یاور معلوم ہوتی ہے"

اسی وقت ایک بھاری اور دبیز پردہ کے پیچھے سے ایک غلام نمودار ہوا اور وہ غلام ان دونوں کو لیکر ایک عالیشان کمرہ میں پہونچ گیا ـــــ ایک گدی پر ایک نوجوان شخص بیٹھا ہوا تھا اس کے سامنے ایک چھوٹی سی میز پڑی ہوئی تھی جس پر بہت سے کاغذات بکھرے ہوئے تھے

ان دونوں نے احترام کے ساتھ سلام کیا اور فرش پر بچھے ہوئے قالین پر دو زانو بیٹھ گئے۔ کچھ منٹ تک نظام الملک کی گہری نظریں عمر پر پڑتی رہیں پھر اس نے اس کاغذ کو دیکھا جو اس کے ہاتھ میں تھا۔

"اوہ۔ تم ہو ابراہیم خیمہ دوز کے لڑکے! خواجہ ابوالحسن کے شاگرد اور بے پناہ قوتوں کے مالک ـــــ اگر پہلے سے مجھے معلوم ہو جاتا کہ تم وہی ہو جس کے ساتھ میں نے امام کے یہاں حدیث اور فقہ کا درس لیا تو مجھے اتنی پریشانی نہ ہوتی اور نہ تمہاری نگرانی کرانے کی ضرورت ہوتی ـــــ وہ زمانہ بھی تم کو یاد ہے عمر؟"

"خوب اچھی طرح"

تکش حیران بیٹھا ہوا ان دونوں کی گفتگو سن رہا تھا۔

خواجہ ابوالحسن نے لکھا ہے کہ تم عجیب و غریب صلاحیتوں کے مالک ہو ــــ حالانکہ سب سے بڑی طاقت خدا کی ہے ــــ میں تم سے صرف ایک بات معلوم کرنا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ تم نے ہمارے سلطان کو۔ جو اس وقت شہزادہ تھے ــــ ملازگرد کی جنگ کا نتیجہ اور قیصر روم اور سلطان (خدا ان پر رحمت نازل کرے) کی موت کی پیشگوئی کس علم سے کی تھی؟"

عمر کو ایسا معلوم ہوا کہ جیسے اس کے سارے جسم کا خون سمٹ کر چہرہ پر آگیا ہو ــــ اگر وہ ان پیشگوئیوں کی نتائج پر اس وقت غور کر لیتا تو ہرگز یہ پیشگوئیاں نہ کرتا۔

"حقیقت یہ ہے کہ ــــ" عمر نے گلوگرفتہ آواز میں کہا ــــ "وہ تو صرف اندازہ تھا۔

"کیا کہہ رہے ہو؟" نظام نے حیرت سے کہا "اپنے الفاظ کو اچھی طرح واضح کرو ــــ صرف اندازہ سے اتنی صحیح پیشگوئیاں کوئی نہیں کر سکتا ــــ تم اس وقت گھبرائے ہوئے معلوم ہوتے ہو ــــ اطمینان سے سوچ کر جواب دو"

عمر ایک لمحہ تک سوچتا رہا "خدا کے حکم کے بغیر ایک پتہ بھی جنبش نہیں کھا سکتا ہے" عمر نے کہا "اور یہ واقعات بھی اسی کے حکم سے ہوئے"

بلاریب ــــ یہ تو ہمارا ایمان ہے ــــ لیکن میری خواہش یہ معلوم کرنے کی تھی کہ تم نے ان واقعات کا اندازہ کس طرح کر لیا تھا" نظام الملک بولا "یہ تو طے شدہ بات ہے تمہارے سامنے اس وقت نہ تو رومی بادشاہ کا

زائچہ ہوگا اور نہ ہمارے سلطان (خدا ان پر رحمت نازل کرے) کا۔"

"میں نے ان چیزوں پر غور نہیں کیا تھا"

"لیکن اس کے باوجود بھی تم نے ایسی پیشنگوئیاں کیں جو بغیر زائچہ دیکھے ہوئے نہیں کی جا سکتیں"

"جی ہاں ——"

"شاید اسی وجہ سے خواجہ ابوالحسن نے تمہاری غیر معمولی صلاحیتوں کا حوالہ دیا ہے"

"میرے محترم استاد مجھ کو ایسا سمجھتے ہیں لیکن میں کیا کہوں یہ مجھے معلوم ہے"

"اور تم کو یہ بھی معلوم ہے کہ اپنے والد کی شہادت کے بعد سے سلطان ملک شاہ تم کو کئی بار دریافت کر چکے ہیں؟"

"مجھے نہیں معلوم تھا"

"تم کو سلطان کی خدمت میں ابھی پیش کیا جائے گا —— تمہاری تقدیر کا ستارہ اس وقت بلندی پر ہے"

"لیکن مجھے کسی انعام کی خواہش نہیں ہے" عمر نے کہا" اس کے علاوہ درباری ادب آداب کے طریقوں سے بھی ناواقف ہوں"

نظام الملک کو اچھی طرح معلوم تھا کہ چند گھنٹوں کے اندر عمر کہاں سے کہاں پہنچنے والا تھا وہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر عمر پر اپنا احسان بھی رکھنا چاہتا تھا۔

"میں تمہارا پرانا ساتھی ہوں" نظام الملک نے کہا" میں چاہتا ہوں

کر اپنے ہم مکتب کی جو خدمت بھی ہو سکے دل و جان سے کروں ــــ سلطان تم کو شاہی منجم اور اپنے محافظ خاص کا درجہ دینا چاہتے ہیں"

"سلطان مالک ہیں" عمر نے مختصر سا جواب دیا۔

"تمہیں کون کون چیزوں کی ضرورت ہوگی ؟"

"ایک رصد گاہ ــــ ایک بغدادی اصطرلاب جس کا قطر کم سے کم تین ہاتھ کا ہو ــــ اور بطلیموس کی مجسطی"

"اور ؟"

"کرۂ آسمان کا ایک بڑا گلوب[1] جس پر افقی حلقے[2] ہوں ــــ ایک اونچا مینار ــــ اور اگر ممکن ہو سکے تو ایسی آبی گھڑی جو زیادہ سے زیادہ دو پل کے فرق کی ہو"

نظام الملک کے اشارہ پر تکش نے ان چیزوں کی فہرست بنائی یہ سب چیزیں انتہائی کمیاب اور بیش قیمت تھیں۔

"اور رصد گاہ کس جگہ تعمیر کی جائے گی ؟"

"جہاں آپ کی رائے عالی ہو" عمر نے جواب دیا "قدیم زمانے کے محافظی مینار اب بھی سڑکوں پر جگہ جگہ موجود ہیں ــــ اسی قسم کا سب سے بہتر مینار قبرستان کے قریب ہے ــــ میں نے اسکو متعدد بار استعمال بھی

---

[1] Celestial Globe

[2] Horizontal Rings

کیا ہے اگر وہ مجھے مل جائے تو صرف تھوڑی سی مرمت میں، کام چل جائیگا اور نئی رصدگاہ تعمیر کرنے کی ضرورت نہ ہوگی ـــــ لیکن اس کے دروازہ پر ڈالنے کے لئے چند قفل ـــ بخارا کے دو تین قالین مع گاؤ تکیوں کے ـــ چینی نقاشی کے پردے ـــ اور چاندی کی ایک صراحی پانی کیلئے ـــ

"واللہ" نظام نے مسکراتے ہوئے کہا "مجھے نہیں معلوم تھا کہ ستارہ شناسی کیلئے بھی اتنی چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے! بہرحال یہ ساری چیزیں مہیا کر دی جائیں گی لیکن ایک شرط پر ـــــ اور وہ شرط یہ ہے کہ تم آئندہ یہ کبھی نہ کہوگے کہ ملازگرد کی پیشگوئی محض ایک اندازہ تھا"

"بہت اچھا ـــ اب نہیں کہونگا"

"اور تم نے بخارا کے قالینوں اور چینی قالینوں کا تو خیال کیا" نظام الملک نے شگفتہ لہجہ میں کہا "لیکن تم نے اپنے کھانے پینے کے متعلق کچھ نہیں سوچا؟ ـــ لو۔ اس تھیلی میں پانچسو دینار ہیں جو تمہاری ضرورتوں کیلئے ہیں، تکش تمہارے لئے دو غلاموں کا بندوبست کر دیں گے"

"مجھے وہ مینار کب تک ملیگا" عمر نے تھیلی لیتے ہوئے بےچینی سے پوچھا نظام نے تکش پر نظر ڈالی جو ہکا بکا بیٹھا تھا "کل ظہر کی نماز کے بعد ـــــ اس نے جواب دیا۔

نظام سے اجازت ملنے کے بعد وہ تیزی سے باہر نکل آیا اس کے پیچھے پیچھے تکش بھی دیناروں کی تھیلی لیکر دوڑا جس کو وہ فرش پر ہی بھول آیا تھا۔

عمر کو دروازہ تک چھوڑ کر تکش پھر نظام کے پاس آگیا

"میں نے تو آپ سے پہلے ہی عرض کیا تھا کہ عمر غیر معمولی صلاحیتوں کا مالک ہے۔" تکش نے کہا "اگر اس کی حسب منشا سارا سامان مہیا کر دیا جائے تو سارے نیشاپور میں اس کی ٹکر کا کوئی دوسرا منجم اور ہیئت داں ملنا ناممکن ہے ـــــ لیکن ہے بہت زیادہ نڈر اور بے باک۔ اور حقیقت میں شاہی منجم کو ایسا ہونا بھی چاہیے۔"

"لیکن اس کا کوئی راز معلوم کر لینا ہے دشوار ـــــ نامعلوم ہر وقت کس خیال میں کھویا ہوا رہتا ہے۔"

"جوانی کی محبت ـــــ جب اس کے آغوش میں یاسمین نہیں ہوتی اس وقت بھی وہ اپنے تصور کی آنکھ سے اسے اپنے آغوش میں سمجھتا ہے ـــــ"

نظام الملک کی تیکھی نظروں کو دیکھ کر تکش فوراً خاموش ہو گیا۔ وزیر اعظم بہت متقی اور پرہیزگار انسان تھا۔

تکش نے وہاں سے رخصت ہو کر اس فقیر کو عمر کی نگرانی پر سے اٹھا لیا اور چند ملازموں کی تلاش کرنے لگا جو قابل اعتماد ہوں اور عمر کے ساتھ اس برج میں رہ سکیں۔

دوسری طرف شارع کتب فروشاں کے چشمے پہ عمر یاسمین سے کہہ رہا تھا "خدا کا شکر ہے کہ اب مجھے رہنے کے لئے جگہ مل گئی ـــــ اب میں ایسی عمارت کا مالک ہوں جس کے قفل کی کنجی صرف میرے پاس ہی رہے گی۔"

"لیکن وہ تو مینار بالکل کھنڈر ہے" یاسمین نے کہا۔

"کیا پرواہ ہے ـــ روٹی کا ٹکڑا بھی تو روٹی ہی ہوتا ہےـــ اور تمہارے ساتھ تو مجھے اس کھنڈر میں بھی اتنا ہی سکون ملے گا جتنا سلطان کو اپنے قصر میں ملتا ہے۔

گیارھواں باب

عمر کی مایوسی

اس مینار کے معاملے میں تگش نے اپنا وعدہ پورا کر دیا۔۔۔۔ دوسرے روز نماز کے بعد اس نے رصد گاہ کی کنجی عمر کے حوالہ کر دی۔ ایک ہفتہ تک اس مینار میں بڑھئی اور معمار لگے رہے اور اس کی مرمت کرتے رہے اسکے چاروں طرف ایک نئی دیوار بھی بنا دی گئی اور مینار پر بھی اندر باہر پلاستر کر دیا گیا۔ جب پہلی بار یاسمین اس مینار کو دیکھنے آئی تو عمر بہت خوش ہوا

مینار کی نچلی منزل میں جازم بچھا کر فرش کر دیا گیا اور یہ اس رصد گاہ کا خیر مقدمی کمرہ تھا۔ دوسری منزل کے کمرہ میں عمر نے قیمتی قالینوں کا فرش کرایا دریچوں میں قیمتی پردے لٹکوائے یہ اس کا کمرہ خواب تھا اس میں صندل کی الماریاں سامان رکھنے کے لئے نکالی گئیں، یہ الماریاں اس کے قلمی مسودات اور کتابوں کے لئے تھیں نظام الملک نے بھی بہت سی کتابیں بھیج دی تھیں جوان الماریوں میں سجا دی گئیں۔ تیسری اور چوتھی منزل کے کمرہ آلات کو رکھنے اور رصد گاہ کے کاموں کے لئے چھوڑ دیئے گئے۔ عمر نے جو سامان بتایا تھا اس کی تلاش میں کئی آدمیوں کو بغداد بھیجا جا چکا تھا۔

ابھی تک عمر کا رجحان کام کی طرف نہیں ہوا تھا۔۔۔۔ اس نے

اپنا زیادہ تر وقت بازاروں میں گھومتے پھرتے اور اپنے لئے سامان خریدنے میں صرف کیا۔ اس نے سفید ریشمی کپڑے کے بیش قیمت تھان خریدے، کیونکہ یاسمین کو سفید لباس بہت پسند تھا ـــــ اس کے علاوہ مٹھائیوں کے مرتبان جلانے کے لئے عود و عنبر ـــــ کانسی کے لوبان دان ایسی بہت سی چیزیں خرید ڈالیں ـــ اس نے یاسمین کے لئے چاندی کا ایک بازو بند بھی خریدا جس میں فیروزے جڑے ہوئے تھے ـــــ آسمانی رنگ کے بیش قیمت نیشاپوری فیروزے

جب یاسمین نے اس بازو بند کو دیکھا تو خوشی کی وجہ سے اس کے منہ سے کوئی لفظ نہ نکل سکا "ارے ـــــ یہ تو ـــ"

یاسمین نے اپنا بازو عمر کے سامنے کر دیا تاکہ وہ بازو بند اس پر باندھ دے ـــــ اس نے لمبے چوڑے بخارا کے قالینوں کو دیکھا اور خوشی کی وجہ سے اسکو اپنے سانس پر قابو پانا دشوار ہو گیا۔ وہ عمر کے کمرہ کی ہر چیز کو اُلٹ پلٹ کر کے دیکھ رہی تھی۔

"ارے! اس الماری میں تو بہت سی کتابیں ہیں۔ کیا تم ان کو پڑھتے ہو ـــــ جب میں یہاں نہیں ہوتی ہوں گی جب ہی پڑھتے ہو گے؟"

"نہیں ـــ میں نے صرف ایک چھوٹی سی کتاب کو پڑھا ہے جس میں نظمیں ہیں" عمر نے کہا۔

"نظمیں!" یاسمین نے اشتیاق بھرے لہجہ میں کہا اس کے خیال سے نظموں میں صرف جادوگروں کے قصے اور پرانے زمانہ کے بادشاہوں کی کہانیاں ہی ہو سکتی تھیں۔ "بہت مزیدار نظمیں ہوں گی؟"

" اتنی دلچسپ نہیں ہیں جتنی دلچسپی مجھے تمہاری موجودگی سے محسوس ہو رہی ہے" عمر اس وقت تک اس پہ نظریں جمائے رہا جب تک وہ بھی اسکو دیکھنے پر مجبور نہ ہو گئی۔

" مجھے شرم آ رہی ہے" یاسمین نے کہا اور اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیا

" تم تو اس چاند سے بھی زیادہ حسین ہو جو ابھی بادلوں کی اوٹ سے نکلا ہے" عمر نے چاند کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

" کیا ان نظموں والی کتاب میں یہی لکھا ہے ؟"

" نہیں ــــ یہ میرے دل کی کتاب میں لکھا ہے"

" اور میرے دل کی کتاب میں ؟" یاسمین نے پوچھا

" تمہارے دل کی کتاب میں ــــ ظلم ــــ ستم ــــ بے وفائی جس نے عمر کے غم میں اضافہ کر دیا ہے ــــ"

یاسمین نے خود کو ایک گاؤ تکیہ پہ گرا کر ایک قاتل انگڑائی لی اور اپنی نیم وا آنکھوں سے عمر کو دیکھنے لگی۔

" میں ظالم ہوں ؟ ــــ بے وفا ہوں ــــ اور کیا کیا ہوں" یاسمین زیر لب کہہ رہی تھی۔

عمر پر فرط مسرت سے اس وقت نیم مدہوشی کا سا عالم طاری تھا۔ عمر کا خون ایک عرب کا خون تھا ــــ عرب کی گرم اور تیز ہواؤں سے جھلسا ہوا خون ــــ لیکن عرب کی معاشرت اور اسلامی تعلیمات قدم قدم پر اس کی رہنمائی کر رہی تھی۔

"اچھا تو یہ تمہاری رصدگاہ ہے" یاسمین نے کہا "جہاں بیٹھ کر تم ستاروں کا مشاہدہ کروگے"

عمر اس کی طرف حیرت سے دیکھنے لگا "تم کو یہ کیسے معلوم ہوا ہے؟"

"اوہ۔ یہ بھی کوئی چھپی ہوئی بات ہے۔ سڑکوں پر۔ حماموں میں۔ بازاروں میں۔ ہر شخص کی زبان پر یہی ہے۔ نیشاپور کا بچہ بچہ جانتا ہے کہ تم نے ملک شاہ کے سامنے تین پیشگوئیاں کی تھیں اور وہ تینوں پوری ہو گئیں۔ تم بہت کچھ جانتے ہو"

یاسمین نے سوچا کہ اسکا محبوب بادشاہوں تک کی قسمتوں کا حال بتا سکتا ہے۔ یہ بڑے فخر کی بات تھی۔ یاسمین کے دماغ میں ستارہ شناسی کی ابتدا اور انتہا پیشگوئیوں تک ہی محدود تھی۔

"آخر ہماری محبت کا انجام کیا ہوگا" عمر نے پوچھا "میں بہت ہی غریب آدمی ہوں جتنا روپیہ مجھے ملا تھا اس کا میں نے سامان خرید لیا"

"بیوقوف۔" یاسمین نے جھڑکا "اب تو تم شاہی منجم ہو چکے ہو اب میرے گھر پر کسی دوسرے شخص کو آنے کی جرأت نہیں ہو سکتی۔ آج میں مسجد میں جا کر دعا مانگوں گی کہ ہماری یہ خوشی دائمی ہو جائے" وہ اٹھ کر چلی گئی۔

اس وقت پو پھٹنے والی تھی قبرستان کی قبروں کے دھندلے دھندلے سائے نظر آنے لگے تھے۔ عمر اس تکیہ پر سر رکھ کر دراز ہو گیا جس میں یاسمین کے جسم کی بھینی بھینی مہک آرہی تھی۔

عمر نے دوسرے روز اسکا انتظار کیا لیکن وہ نہ آئی۔ مایوس ہو کر وہ مطالعہ میں مصروف ہوگیا۔ وہ اس وقت نظموں کی کتاب پڑھ رہا تھا جس کے ہر ہر صفحہ پر ایک رباعی لکھی ہوئی تھی ـــ کتاب کے سرورق پر اس نے اپنے خیالات کو لکھ لیا جو شاید اسکی پہلی رباعی تھی۔

در میکدۂ عشق نیازے دارم | با شمع رخش سوز و گدازے دارم
آنکہ بے عشق طہارت کردہ | بارے بت جویش نیازے دارم

عمر نے سوچا تھا کہ یاسمین اس رباعی کو سن کر کتنا خوش ہوگی۔ کہ یہ رباعی صرف اس کے لئے ہی لکھی گئی۔ حالانکہ وہ جانتا تھا کہ یہ ایک معمولی رباعی تھی جو صرف ان الفاظ پر مشتمل تھی جو اس کے دماغ میں تھے۔

یاسمین دوسرے دن بھی نہ آئی ـــ نہ دوسرے دن ـــ اور نہ پھر تیسرے دن!

وہ چنار کے نیچے بیٹھ کر چشمہ کے کنارے گھنٹوں اس کا انتظار کرتا ـــ لیکن یاسمین کو نہ آنا تھا نہ آئی۔

روزانہ دوپہر کو وہ اس امید میں اپنے مینار پر چلا جاتا کہ شاید وہاں وہ اس کا انتظار کر رہی ہو لیکن ہر بار اس کو اپنا کمرہ خالی ملتا ـــ پھر اسے یقین ہوگیا کہ شاید وہ بیمار ہوگئی ہے ـــ اتنی بیمار کہ کوئی خبر بھی نہیں بھیج سکتی ہے۔

عمر اس وقت مسجد سے رصدگاہ کی طرف جا رہا تھا اسے راستہ میں وہی جانا پہچانا بھیک وہ فقیر نظر آگیا عمر نے تیزی سے اسکی طرف بڑھ کر اسکے

کندھے پر ہاتھ رکھ دیا "تم نے اس کو بھی دیکھا ہے ـــــ وہی جو رودزار چشمہ پر آ کر مجھ سے ملتی تھی اور تم چھپے ہوئے ہم لوگوں کی نگرانی کرتے رہتے تھے۔"

فقیر کی چھوٹی چھوٹی آنکھیں تیزی سے جھپکنے لگیں "اوہ ـــ وہ ـــ لیکن اب تو وہ گئی"

عمر کے لب ہلے "گئی ـــ کہاں؟"

فقیر نے اندازہ کر لیا کہ وہ اس موقعہ سے فائدہ اٹھا سکتا تھا۔

"میں نے سنا تھا" اس نے کہا "لیکن میں بہت بھوکا ہوں ـــ دو وقت ہو گئے ہیں اور ایک پیسہ بھی میرے پاس نہیں ہے"

عمر نے فوراً اپنی پیٹی کو ٹٹولا لیکن اس میں کچھ بھی نہ تھا۔ اس نے فقیر کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا اور ایک کابلی مہاجن کی دوکان کی طرف چل دیا یہ مہاجن عمر کو جانتا تھا اور کئی بار اسے ادھار دے چکا تھا۔ کابلی مہاجن کے سامنے مختلف سکوں کی ڈھیریاں لگی ہوئی تھیں۔ یونانی بازنطینی۔ بغدادی درہم ہر قسم کے اور ہر ملک کے چاندی۔ سونے اور تانبہ کے سکے۔ کچھ گول تھے اور کچھ بیضاوی۔ کچھ سکوں کے بیچ میں سوراخ تھا جو ایک ڈوری میں پروئے ہوئے تھے

"مجھے ایک دینار دیدو خان" عمر نے کہا "اگلے چاند تک کیلئے"

"لیکن ہر چاند کو ایک نقرئی درہم بڑھ جائیگا" خان نے کہا۔

"جلدی کرو" عمر جھنجھلا کر بولا اور ایک دینار لیکر اس نے فقیر کو دے دیا اور وہاں سے اس کو پارک میں لے گیا "اب مجھے صحیح بات بتا دو ـــ میں نے یہ دینار اسی لئے تم کو دیا ہے"

"اگر میں جھوٹ بولوں تو میرے شانوں پر سر نہ رہے ــــ فقیر نے کہنا شروع کیا ،کئی روز ہوئے اسکا باپ اور چچا اس کو مار رہا تھا کہ وہ کیوں غائب رہتی ہے ــــ پھر دوسرے دن امراء کے یہاں کوئی سوداگر آیا اور ــــ"

عمر خاموش رہا لیکن اس کے چہرہ کا رنگ سیاہ پڑ گیا تھا۔

"ان لوگوں نے ہی ابوالقایم سوداگر کو بلایا تھا ــــ پھر قاضی اور گواہ اکٹھے ہوئے ــــ میں نے اپنی آنکھوں سے ان لوگوں کو آتے ہوئے دیکھا ــــ اور بھی بہت سے مہمان تھے ــــ زعفرانی چاولوں۔ دنبہ کے کباب اور شربت سے سب کی تواضع کی گئی ــــ انھوں نے مجھے بھی کھانا کھلایا"

"اور یاسمین ــــ اسکا کیا ہوا۔ جلدی بتاؤ ــــ"

فقیر سوچنے لگا ،میں نے ایک فراش کو دوسرے فراش سے کہتے سنا تھا کہ وہ کئی روز سے برابر رو رہی تھی وہاں زبردستی دو تین آدمیوں کے ذریعہ لائی گئی ــــ اور اسکا نکاح ہو گیا ــــ ابوالقایم نے اس کی بڑی قیمت ادا کی تھی کئی اونٹ اور بہت سے خیمے ــــ ابوالقایم اپنی بیوی کو لے گیا۔"

عمر سکتے کے عالم میں فقیر کی صورت تک رہا تھا چہرہ شدت رنج وضبط سے سرخ ہو رہا تھا۔ جب عمر رصدگاہ کی طرف چل دیا تو فقیر نے اس دینار کو پتھر پر بجا کر دیکھا ــــ وہ بالکل اصلی تھا اور نیا ــــ ایک لمبی سانس لے کر اس نے اس دینار کو بھی چاندی کے ان سکوں میں ڈال لیا جو تین روز پیشتر یاسمین کے چچا سے اس معاوضہ میں ملے تھے کہ اس نے یاسمین کے متعلق بتایا تھا کہ وہ روزانہ ایک نوجوان سے ملنے قبرستان والے مینار میں جاتی تھی

اسی خبر کو سن کر یاسمین کی شادی جلد سے جلد کردی گئی۔

راستہ میں عمر کو تکش نظر آگیا جو ایک جوہری کی دوکان پر بیٹھا ہوا فیروزے دیکھ رہا تھا عمر نے اپنی ساری کہانی اسے سنادی۔ کوتوال نے کافی توجہ کے ساتھ پورا واقعہ سنا پھر کسی گہرے خیال میں کھو گیا ۔۔۔ اگر یاسمین کوئی معمولی رقاصہ یا لونڈی ہوتی تو وہ بہت آسانی کے ساتھ اسے عمر کیلئے حاصل کر سکتا تھا۔ لیکن اس کا تو باقاعدہ نکاح ہوا تھا اور اب وہ اپنے شوہر کی ملکیت تھی۔۔۔ تکش یہ بھی جانتا تھا کہ ان معاملات میں نظام الملک بہت سخت واقع ہوا تھا۔۔۔

"اب تو تیر کمان سے نکل چکا ۔" تکش نے ہمدردانہ لہجہ میں کہا "کاش کہ تم پہلے ہی میرے پاس آگئے ہوتے ۔۔۔ اب تو وہ نکاح کی فولادی زنجیروں میں جکڑی جا چکی ہے۔"

"لیکن تم یہ معلوم کر سکتے ہو کہ وہ کہاں ہے ۔۔" عمر نے کہا "یہ شادی جبر کے ساتھ ہوئی ہے وہ اس سے خوش نہیں تھی اور نہ اسکی مرضی سے ہوئی ہے ۔۔۔ تم صرف اسکو تلاش کر دو پھر میں ۔۔۔"

"یہ کتنی بڑی بات ہے" تکش نے سر کو جنبش دے کر کہا "میں آج ہی اپنے آدمیوں کو مختلف کارواں سراؤں میں بھیج دونگا یہ لوگ تم کو بتا دیں گے وہ کہاں مل سکتی ہے ۔۔۔ جبتک تم میرے پاس ہی رک جاؤ۔"

دوسرے روز تکش کے جاسوس بھی ناکام واپس لوٹ آئے انھوں نے بتایا کہ ابوالقاسم سوداگر مشہدی قافلہ میں بھی نہیں تھا۔۔۔ وہ اپنی بیوی اور

چند غلاموں کو لیکر نامعلوم کس طرف چلا گیا۔ یہ بھی نہیں معلوم ہو سکا کہ وہ کس سمت گیا تھا۔

تکش کا خیال تھا کہ اس جواب سے عمر مطمئن ہو جائیگا لیکن یہ غلط تھا۔ عمر اپنی پرانی اور بوسیدہ عبا پہن کر بازار کی طرف روانہ ہو گیا پھر وہ سرائے کے دروازہ پر شتربانوں سے باتیں کرتے ہوئے دیکھا گیا اس کے بعد وہ اسطرح غائب ہو گیا کہ تکش کے سپاہی بھی اسے نہ پا سکے حالانکہ انھوں نے ابوالقایم کی بہ نسبت عمر کی تلاش زیادہ سرگرمی اور جستجو سے کی تھی۔

عمر نے شتربانوں کے ساتھ پچاسوں میل کا سفر کر ڈالا۔ مشہد میں پہونچکر اس نے تمام سراؤں کو چھان ڈالا۔ سوداگروں سے پوچھا۔ ہر راستہ چلنے والے آدمی سے دریافت کیا۔ مشہد کے گلی کوچوں کو چھانا لیکن بیکار ابوالقایم کا پتہ نہ چل سکا۔ امام کے مزار پر بھی ہو آیا جہاں آجکل زائرین کافی تعداد میں آ رہے تھے لیکن وہاں بھی کامیابی نہ ہوئی۔ ایک بار اسنے ابوالقایم کا پیچھا شمالی کوہستانی تک کیا لیکن وہاں پہونچکر معلوم ہوا کہ وہ کوئی دوسرا ابوالقایم تھا جو بخارا کے قالینوں کا سوداگر تھا۔

اس سفر کی تکان سے عمر کا جسم کافی تحلیل ہو گیا۔ یاسمین کی فرقت کا غم اسے گھن کی طرح کھائے جا رہا تھا اس کی راتوں کی نیند اڑ گئی تھی اسے ہر وقت یہی خیال ستاتا رہتا تھا یاسمین بھی اس کے فراق میں اسی طرح تڑپ رہی ہوگی۔ ممکن ہے کہ بیمار ہو گئی ہو۔ نامعلوم غریب کس مقام پر اور کس حال میں ہوگی؟

اسی طرح ہفتے اور پھر مہینے گذر گئے ۔۔ اب موسم گرما کا بھی اخیر ہو چلا تھا ۔ میدانوں کی نرم مٹی اب لوہے کی مانند سخت تھی ۔ گھانس کا دور دور پتہ نہ تھا ۔ عمر کے پاؤں میں چھالے پڑ گئے تھے ۔۔۔ ہر طرف سے مایوس ہو کر اب عمر کو نیشاپور کی یاد ستانے لگی تھی ۔

گرمی کی زیادتی اور مسلسل سفر کی وجہ سے عمر کو بخار آ گیا وہ دو ہفتہ تک بالکل صاحب فراش رہا جب بخار نے اس کا پنڈا چھوڑا تو وہ اُٹھا لیکن اب اتنا کمزور ہو گیا تھا دو قدم چلنے پر بھی چکر آتے تھے ۔۔۔ ایک خدا ترس مشہدی سوداگر نے اپنا خچر اس کو دے دیا تاکہ وہ آرام کے ساتھ نیشاپور پہنچ جائے بخار کے ساتھ ہی عمر کے عشق کا بخار بھی بڑی حد تک اتر چکا تھا اب وہ سمجھ گیا تھا کہ اس طرح آوارہ گردی کرنے سے مقصد حاصل نہیں ہو سکتا ۔

آخر کار ایک ہفتہ مسلسل سفر کے بعد وہ نیشاپور پہونچ گیا ۔ مشہدی کو شکریہ کے ساتھ خچر واپس کر کے وہ قبرستان کی طرف چل دیا ۔ اسے امید تھی کہ وہاں کوئی بھی نہ ہوگا ۔۔ وہاں پہونچ کر معلوم ہوا کہ زمین و آسمان ہی بدلا ہوا تھا اس پرانے اور شکستہ مینار کے بجائے ایک عالیشان اور نئی عمارت کھڑی ہوئی آسمان سے باتیں کر رہی تھی اس عمارت کے برابر ایک بہت شاندار برج بنایا گیا تھا ۔ عمارت کے چاروں طرف ایک خوشنما باغیچہ لگا ہوا تھا جس میں کئی مالی پانی دے رہے تھے ۔ برج کے اوپر ایک بہت بڑی دوربین لگی ہوئی تھی جس کی چمک سے آنکھیں خیرہ ہوئی جا رہی تھیں ۔ برج کے برابر باغیچہ میں ایک آبی گھڑی بھی نصب تھی ۔

بارھواں باب

ملک شاہی رصدگاہ

ایک بوڑھے معمار نے عمر کو پہچان لیا وہ دوڑتا ہوا اس کے پاس آیا اور جھک کر سلام کیا اس کے پیچھے پیچھے دوسرے لوگ بھی عمر کے چاروں طرف اکٹھے ہو گئے۔

"آپ کو رصدگاہ مبارک ہو سرکار" بوڑھے نے مودب ہو کر کہا "ہم لوگوں نے مہینوں سخت محنت کرنے کے بعد ان عمارتوں کو تیار کیا ہے۔ قدم رنجہ فرما کر ہم لوگوں کو انعام دیجئے"

عمر کی بوسیدہ عبا اور گرد آلود چہرہ کو دیکھکر ہر شخص کو تعجب ہو رہا تھا۔

عمر رصدگاہ میں پہونچ گیا ایک کمرہ میں اس کا سارا سامان سجا ہوا تھا اس کی غیر موجودگی میں کسی نے اس کے سامان کو ہاتھ تک نہ لگایا تھا۔

"یہ تو بتاؤ کہ میرے نام کوئی خط تو نہیں آیا تھا یا کوئی زبانی پیغام؟" اس نے ایک ملازم سے پوچھا۔

"یا خواجہ" اس نے جواب دیا" آپ کے جانے کے بعد ملک تکش کا قاصد روزانہ یہ دریافت کرنے آتا تھا کہ آپ تشریف لے آئے یا نہیں — میں نے ابھی ان کے پاس خبر بھیج دی کہ حضور تشریف لے آئے ہیں"

"اس کے علاوہ کوئی خط"

"نہیں، سرکار۔۔۔ اس کے علاوہ نہ کوئی قاصد آیا اور نہ کوئی خط"

اپنے کمرے میں بچھے ہوئے قالین پر عمر بیٹھ گیا۔ کئی ملازم اسکے پاؤں دھونے کے لئے چاندی کی صراحی اور سلفچی لے آئے۔۔۔ اسی وقت ایک بوڑھا آدمی کمرہ میں داخل ہوا اسکے نورانی چہرہ پر برف کی مانند سفید داڑھی تھی

"میرا نام میمون ابن نجیب الواسطی ہے" بوڑھے نے کہا "میں جامع نظامیہ[1] بغداد کے شعبہ ریاضی سے تعلق رکھتا ہوں۔۔۔ مجھے خواجہ نظام الملک نے اس رصدگاہ کے نگراں کے طور پر مقرر کیا ہے"

عمر نے خندہ پیشانی کے ساتھ بوڑھے ریاضی داں سے مصافحہ کیا

"میں نے بطلیموس کی المجسطی کا ایک قدیم نسخہ حاصل کرلیا ہے خواجہ میمون نے کہا" اور خواجہ نظام الملک کی کوششوں سے کانسی کا وہ کرۂ آسمانی (گلوب) بھی مل گیا ہے جس کو شیخ الرئیس ابو علی سینا استعمال کرتے تھے۔

"خوب" عمر نے کھوئے ہوئے لہجہ میں کہا۔

خواجہ میمون خاموشی کے ساتھ وہاں سے کھسک گیا۔ جب کافی اندھیرا ہوگیا تو عمر آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا مینار کی سب سے اوپری منزل میں پہونچ گیا۔ بوڑھا ریاضی داں وہاں پہلے سے ہی موجود تھا اس نے

---

[1] جامع نظامیہ بغداد کی سب سے بڑی یونیورسٹی تھی جسکو نظام الملک طوسی نے قائم کیا تھا یہاں مختلف علوم کی ریسرچ ہوتی ہے یہ دنیا کی سب سے پہلی یونیورسٹی تھی۔

ان چاروں لیمپوں کو روشن کیا جو گلوب کے چاروں طرف کھڑے ہوئے تھے اور ان پر اس طرح شیڈ لگے ہوئے تھے کہ ان کی روشنی گلوب کے صرف نصف حصہ میں پڑتی تھی۔

عمر اس گلوب کے پاس جا کر اس پر جھک گیا اس پر مختلف سیاروں کے نشانات بہت خوبصورتی سے بنے ہوئے تھے۔ تمام خطوط انتہائی نفاست سے کھینچے گئے تھے ـــــ ایک جگہ دم دار ستارے کی تصویر بھی بنی ہوئی تھی دریچہ سے اس نے آسمان پر دیکھا اور آہستہ آہستہ گلوب کو اس وقت تک گھماتا رہا جبتک وہ اس وقت کے کمرۂ فلک کے مطابق نہ ہو گیا۔ اسکے ہاتھ افقی حلقوں کو تلاش کر رہے تھے۔

دوسرے روز تکش بھی وہاں آ گیا " خدا کا شکر ہے کہ تم واپس آ گئے " اس نے کہا " ہم نے تمھاری تلاش میں دن رات ایک کر دیا۔ ہمارے آدمیوں کے پاؤں میں چھالے پڑ گئے ـــــ دوسری طرف وزیر اعظم کا عتاب ـــــ خدا ہی جانتا ہے کہ کس کس طریقہ سے ان کے غصہ کی آگ کو ٹھنڈا کیا۔"

" میرے جانے کے بعد یاسمین کا بھی کوئی خط آیا تھا؟ " عمر نے پوچھا۔

" یاسمین کون؟ اوہ وہ لڑکی! " کوتوال نے کہا " نہیں اس کا کوئی خط نہیں آیا "

" کچھ پتہ چلا؟ "

تکش نے ہونٹ سکوڑ کر سر کو جنبش دی " نہیں ـــــ اس کے علاوہ بھی تو نیشاپور میں سینکڑوں لڑکیاں ہیں ـــــ تمہارے ایک اشارے کی دیر ہے

ایرانی — سمرقندی — چینی کنیزیں۔ بہت تربیت یافتہ اور ہوشیار —
اب وزیر اعظم کے اطمینان کیلئے کوئی کام شروع کر دینا چاہیئے — وہ
آجکل بہت جھنجلائے ہوئے ہیں"

عمر خاموش تھا — یاسمین کے علاوہ اس کے دماغ میں کوئی منصوبہ
نہ آتا تھا۔

"سوچو — غور کرو۔" تکش نے کہا "آخر جب تم خواجہ ابوالحسن
کے یہاں پہنچے تو تمہارے دماغ میں کون سا پروگرام تھا؟"

"ایک نئی تقویم کا اجراء — نئی جنتری"

"کیا؟"

"آفتاب کی صحیح حرکت معلوم کر کے سال اور دنوں کا از سرِ نو تعین
کیا جائے"

"شمسی اور قمری جنتری تو پہلے سے ہی موجود ہے — پھر نئی جنتری
کی کیا ضرورت ہے"

"لیکن ان دونوں میں دشواریاں ہیں"

"وہ کیا؟"

"اللہ تعالیٰ نے آفتاب اور چاند کو روز و سال کے تعین کے لئے
ہی پیدا کیا ہے" عمر نے کہا "تمام قوموں نے روز و شب کے تعین کیلئے
آفتاب کے طلوع اور غروب کو مانا ہے اس طرح مہینے کے تعین کیلئے
چاند واضح نشان ہے — مشرقی قوموں نے جن کا مطلع عموماً صاف رہتا ہے

اسی چاند کو مہینہ کا معیار مقرر کیا ہے لیکن جن ملکوں کا مطلع ابر آلود رہتا ہے اور وہاں کے لوگ پہلی تاریخ کو چاند دیکھنے سے عاجز رہتے ہیں ان کیلئے شمسی مہینہ کو معیار مقرر کیا گیا ہے ۔۔۔ اسی طرح ہر قوم نے اپنے اپنے معیار کے مطابق آفتاب اور چاند کے بارہ مہینوں کے مجموعے کا نام سال رکھا ہے۔"

"تو پھر اس میں دشواری کیا پیش آتی ہے؟" تکش نے پوچھا۔

"سب سے بڑی دشواری تو یہی ہے کہ زمین کے حوادث زیادہ تر آفتاب سے متاثر ہیں اور خاص طور پر زراعت کا دارومدار سورج پر ہے۔ سورج کے اوقات سے ہی فصلوں کی کاشت۔ پیداوار اور ربیع اور خریف کا کام انجام پاتا ہے اسی معیار سے ملک کی آمدنی خزانہ میں آتی ہے اس لئے جو قومیں قمری سال کو مانتی ہیں ان کو مجبوراً شمسی سال کو بھی ماننا پڑتا ہے۔ قمری طریقہ تو جاہل سے جاہل آدمی کیلئے بھی آسان ہے جب چاند سرشام ناخن کی مانند پتلا ہو کر مغرب کے افق سے نمودار ہوتا ہے تو ہر شخص سمجھ لیتا ہے کہ ایک مہینہ ختم ہوا اس کے متعلق فرمان نبوی بھی ہے اسی وجہ سے مسلمان ملکوں میں شمسی سال کو اختیار کرنے میں رکاوٹ پڑتی ہے لیکن اسلامی سلطنتوں کی سب سے بڑی دشواری مالی سال کو تنظیم دینے میں ہوتی ہے ۔۔۔ اگر صرف زراعت کیلئے شمسی سال کو مان لیا جائے اور دوسرے کاموں کے لئے قمری سال کا استعمال ہو تو دونوں سالوں میں تقریباً ۱۱ دن ۹ گھنٹے کا فرق ہو جاتا ہے ۔۔۔ اس طرح ہم لوگ کسی طرح بھی قمری سال کو ترک نہیں کر سکتے اور نہ یہ پسند کرتے ہیں کہ دوسری قوم کی مذہبی تاریخ کو بعینہ قبول کر لیں ۔۔۔ میں

چاہتا ہوں کہ آفتاب کے دائرہ عظمیٰ کی حتی الامکان پوری پیمائش کر کے ایک نئی تقویم کا آغاز کیا جائے جس سے یہ ساری دقتیں دور ہو جائیں"

"کیا ہم قمری سال میں چند روز کا اضافہ کر کے شمسی نہیں بنا سکتے؟" تکش نے پوچھا "یا کبیس کا اضافہ نہیں کر سکتے؟"

"نہیں ـــ اس کے متعلق قرآن میں واضح حکم موجود ہے ـــ اِنَّمَا النَّسِیۡٓءُ زِیَادَۃٌ فِی الۡکُفۡرِ ـــ اس طرح تو ہم حلال مہینوں کو حرام اور حرام کو حلال بنا لیں گے ـــ رمضان المبارک اور حج کے مہینوں کو بدلا نہیں جا سکتا۔ میں جس تقویم کی تلاش میں ہوں وہ بدعت حسنہ ضرور ہے لیکن صرف مالیہ کی وصولی کیلئے استعمال کی جائے گی"

"خدا تمہاری حالت پر رحم فرمائے" تکش نے تشویش کن لہجہ میں کہا "یہ مولوی لوگ تو تمہیں کچا ہی چبا جائیں گے ـــ اور ہے صحیح ـ خدا کا پیدا کیا ہوا چاند ہمارے لئے کافی ہے ـ حضور صلعم نے فرمایا تھا کہ "ہم[1] ان پڑھ لوگ ہیں جو حساب و کتاب نہیں جانتے، مہینہ ایسے اور ایسے ہو گا ـــ یہ فرما کر آپ نے انگلیوں سے قمری مہینہ کے تیس اور انتیس دنوں کی طرف اشارہ کیا ـــ"

"قمری سال تو ہر حال میں جاری رہے گا ـــ اس سے کون انکار کرتا ہے میری تقویم تو صرف مالیہ کی وصولی کیلئے استعمال ہو گی ـــ یونانی. قبطی

---

[1] انا امۃ امیۃ لا نکتب ولا نحسب الشھر ھکذا وھکذا (بخاری سوم)

رو گیا۔ ایرانی غرضکہ ہر قوم نے شمسی طریقہ کو اختیار کر لیا ہے لیکن ہم دوسروں سے پچھڑے ہوئے ہیں"

"جو نا سب مجھو کرو۔۔۔ خدا تم کو اپنے حفظ وامان میں رکھے"

"مجھے ایک چوبی ستون بھی اس مینار کے قریب بنوانا ہے" عمر نے کہا "یہ ستون آفتاب کا سایہ ناپنے کے کام آتا ہے۔۔۔ آؤ میرے ساتھ چلو تو میں اس کی جگہ تم کو بتا دوں"

خواجہ میمون کو ساتھ لیکر یہ دونوں صحن میں آ گئے۔

"مجھے ایک ایسے چوبی ستون کی ضرورت ہے جو انسانی قد سے کم از کم پانچ گنا بلند ہو" عمر نے کہا" وہ اتنا چوبیس استادہ کیا جائے گا کہ ایک ناخن کا بھی فرق نہ ہو۔۔۔ میرے پاس کاریگروں کو بھیج دیجئے گا میں ان کو سمجھا دونگا کہ ستون کس قسم کا ہوگا اور کہاں نصب کیا جائے گا۔

"اس کام کے لئے تو پہلے وزیر اعظم سے اجازت لینے کی ضرورت ہوگی" تکش نے کہا۔ کیونکہ کافی خرچ ہو جائیگا"

"صرف یہی طریقہ ایسا ہے جس سے ہم ایک بال کے برابر بدلنے والے آفتاب کے سایہ کی پیمائش کر سکتے ہیں" عمر بولا۔

"بال کے برابر!" تکش نے اپنا عمامہ سنبھالا اور خواجہ میمون کو دیکھنے لگا اسے امید تھی کہ بوڑھا ریاضی داں بھی عمر کی اس بات پہ حیران ہو گیا ہوگا

"خواجہ کی بات صحیح ہے" میمون نے کہا "اگر ستون کو صحیح طور سے نصب کر دیا جائے تو ممکن ایسا ہی کام دے گا"

تھوڑی دیر تک ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد تکش وہاں سے رخصت ہوگیا۔ وہ اسوقت جلد سے جلد نظام الملک کے پاس جاکر ساری رپورٹ دینا چاہتا تھا۔

"لیکن نئی تقویم تو ملک میں ہنگامہ برپا کر دے گی" نظام الملک نے تکش سے پوری روئداد سننے کے بعد کہا" علماء بھی اس کی سخت مخالفت کریں گے ___ میری سمجھ میں نہیں آتا مخالفت کے اس طوفان کو کس طرح روکا جائیگا ___ خیر ہوگا دیکھ لیا جائیگا"

"اس کے علاوہ اس نے ایک چوبی ستون کیلئے بھی کہا ہے" تکش نے کہا" غالباً آفتاب کا سایہ ناپنے کے لئے"

"فوراً بنوا دو" نظام نے حکم دیا" یہ واقعہ ہے کہ اس تقویم سے ہمارے سلطان بہت خوش ہوں گے اور یہ کیا کم بات ہے کہ ان کے عہد میں جو تقویم جاری ہوگی اس سے ہزارہا برس تک انکا نام دنیا میں رہے گا"

نظام نے سوچ لیا تھا کہ وہ ہر طریقہ سے عمر کی مدد کریگا اور اپنی پوری طاقت سے مخالفت کی آندھی کو روکے گا وہ جانتا تھا کہ ملک شاہ کے نام کے ساتھ دنیا میں اسکا نام بھی امر ہو جائیگا اور لوگ یہ کہیں گے کہ رصدگاہ ملک شاہی کے قیام میں نظام الملک کا بھی بڑا ہاتھ تھا۔

نظام الملک سے اجازت لیکر تکش کو توالی میں آگیا۔ کوئی کوزہ پشت آدمی بہت دیر سے اس کے انتظار میں بیٹھا تھا تکش کو دیکھتے ہی وہ کھڑا ہوگیا اور اپنی جیب سے کوئی چیز نکال کر اس کے سامنے پیش کی جو رومال میں

بندھی ہوئی تھی۔

"میں حلب کی طرف سے آرہا ہوں حضور" کوزہ پشت نے کہا جو یقینی طور پر سلطان الپ ارسلان کا درباری مسخرا بنتیا رہی تھا" ایک عورت نے مجھے یہ جوشن دیا تھا کہ یہ آپ کو پہنچایا جائے اور آپ اسکو عمر خیام کو بھجوا دیں گے اس عورت نے یہ بھی بتایا تھا کہ وہ حلب جانے والی سڑک پر زبردستی لیجائی جا رہی ہے"

"صرف یہی چیز عمر کو بیدار کر سکتی ہے" تکش نے فیروزے جڑے ہوئے بازو بند کو جیب میں رکھتے ہوئے اپنے دل میں کہا "خدا کی قسم اب میں اسکو دیوانہ بننے نہ دوں گا اور نہ وزیر اعظم کا غصہ مول لونگا۔۔۔۔ بس اسکا یہی علاج ہے کہ نہ ہوگا بانس اور نہ بجے گی بانسری"

تکش نے طے کر لیا تھا کہ وہ اس جوشن کو جلد سے جلد کہیں پھینک کر اس سے نجات حاصل کریگا اس نے اپنی لمبی عبا کے بند لگائے اور شارع کتب فروشاں کی طرف روانہ ہوگیا۔ چشمے پر چھوٹے چھوٹے بچے کھیل رہے تھے اس نے وہ جوشن جیب سے نکالا اور بچوں کی نگاہ بچا کر چشمہ میں ڈالدیا ۔۔۔۔ تھوڑی دیر میں چشمہ کا پانی ساکن ہوگیا اور جوشن بھی صفحہ ہستی سے غائب ہوگیا۔

تیرھواں باب

رصدگاہ کا افتتاح

اس رصدگاہ میں عمر کے ساتھ کام کرنے کے لئے نظام الملک نے دوسرے علماء ہیئت کو بھی دعوت دی تھی خواجہ میمون ابن نجیب الواسطی تو پہلے ہی موجود تھے اب خواجہ مظفر اسفزاری اور ابوالعباس لوکری کا بھی اضافہ ہو گیا تھا یہ دونوں اپنے زمانہ کے زبردست عالم اور علم ہیئت کے خصوصی ماہر سمجھے جاتے تھے۔ رصدگاہ کے سارے انتظامات مکمل ہو چکے تھے اور اب اس کے افتتاح کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ افتتاح کے لئے خود سلطان ملک شاہ تشریف لانے والے تھے۔

دوپہر تک رصدگاہ کی عمارت کو دلہن کی طرح سجایا گیا۔ رصدگاہ کے چمن کی ہر روش پر بیش قیمت قالینوں کا فرش کیا گیا کیونکہ اسی جگہ سلطان اور دوسرے مہمانوں کے عصرانہ کا انتظام تھا۔ صندل کی بیش بہا چوکیوں پر طلائی نقوش کے طباق اور شربت کی صراحیاں سجائی گئیں۔

رصدگاہ کی نچلی منزل کے ایک بڑے کمرہ میں سلطان کا دربار ہونے والا تھا۔ یہ کمرہ نہایت وسیع اور بلند تھا اس کی دیواروں پر نقش و نگار ہو رہے تھے اور ہر دروازے پر دبیز ریشمی پردے ڈال دیئے گئے قالینوں پر

بیضاوی دائرے میں سیاہ آبنوسی کرسیاں ڈال دی گئیں ان کرسیوں سے تقریباً تین فٹ اونچا ایک چبوترہ بنایا گیا اس چبوترے پر دائیں بائیں گدے دار کرسیاں قرینے سے سجائی گئیں یہ کرسیاں مولویوں۔ شہزادوں۔ وزراء اور عمائدین سلطنت کیلئے تھیں۔ اس چبوترے کی حد پر ایک دوسرا چبوترہ اس سے ایک فٹ اونچا بنایا گیا اس کے تین طرف سونے کا کٹہرہ لگا ہوا تھا۔ اس چبوترے پر بیش قیمت قالینوں کو بچھا کر ان پر دیباج کا فرش کر دیا گیا تھا اس فرش پر خالص سونے کا بنا ہوا تخت تھا جس پر بیش قیمت ہیرے اور فیروزے آویزاں تھے۔ تخت کے بالائی حصہ میں سچے موتیوں کی جھالر لٹکی ہوئی تھی۔

نیشاپور کے تمام مدرسوں۔ خانقاہوں اور بڑے بڑے خاندانوں کے سربراہ آج کے جلسہ میں شریک ہونے والے تھے خواجہ ابوالحسن الانباری نے بھی دعوت منظور کر لی تھی۔ نظام الملک نے ہر مہمان کا اسکی حیثیت سے مطابق استقبال کیا اور ان کی مخصوص جگہوں پر لیجا کر بٹھایا۔۔۔ آج کے مہمانوں میں ایسے لوگ تو بہت ہی کم تھے جن کو ہیئت یا نجوم سے دلچسپی تھی بلکہ وہ لوگ زیادہ تھے جو عمر اور اسکی رصد گاہ کے شدید مخالف تھے نظام الملک نے عمر کے کان میں کہدیا تھا کہ وہ ان لوگوں کے پیچھے کھڑا رہے اور خود ان کے سامنے ہونے کی کوشش نہ کرے۔

وقت مقررہ پر سلطان بھی آگیا اسکا لباس اس وقت گرد آلود ہو رہا تھا کیونکہ شکار سے وہ سیدھا یہیں واپس آیا تھا اس کے باوجود بھی اسکے

چہرہ پر تکان یا کسل مندی کے بجائے شگفتگی تھی۔

جب نظام الملک نے سلطان کے سامنے عمر کو پیش کیا تو وہ کئی منٹ تک اس نوجوان ہیئت داں کو دیکھتا رہا" تو یہ ہیں عمر خیام" اس نے آہستہ سے کہا۔

"سلطان العالم کا ادنیٰ خادم" عمر نے سر جھکا کر آہستہ سے کہا۔

"ہم بھولے نہیں ہیں" سلطان نے مسکراتے ہوئے کہا" ملازگرد کی جنگ کے موقع پر تم نے پیشنگوئیاں کی تھیں انکو شاید عمر بھر نہ بھول سکیں ـــــ حالانکہ ان میں سے ایک پیشنگوئی ایسی تھی جس سے ہماری دنیا تاریک ہو گئی ـــــ ہم اپنے شفیق اور پیارے بابا سے اور دنیائے اسلام ایک بہت بڑے غازی سے محروم ہو گئی ـــــ اب تم اطمینان کے ساتھ یہاں رہو ہماری حکومت تم کو ہر قسم کی آسائیاں مہیا کرے گی۔

عمر سر جھکائے خاموش کھڑا رہا۔

"عالی جاہ ـــــ" نظام الملک نے آگے بڑھ کر کہا" عمر کا تقرر شاہی منجم کی حیثیت سے کر دیا گیا ہے ان کی تنخواہ کے علاوہ نیشاپور کے قریب ایک جاگیر بھی دیدی گئی ہے۔"

" بالکل ٹھیک" سلطان نے کہا اور پھر عمر کی طرف مخاطب ہو گیا " اچھا اب ہم دیکھیں گے کہ تم نے رصدگاہ میں کیا کیا کام کئے ہیں۔

رصدگاہ کی عمارت اور تمام آلات رصدگاہ کا معائنہ کر کے ملک شاہ بہت خوش ہوا۔ خواجہ میمون نے تفصیل کے ساتھ کرۂ فلک اور تمام آلات رصد کا استعمال

سلطان کو دکھایا۔ اس موقع پر مفتیٔ اعظم بھی آگے بڑھ آئے وہ ان آلات اور رصدگاہ کے قیام سے کچھ خوش نہیں نظر آ رہے تھے۔

"مجھے ایک آیت اس وقت یاد آگئی ہے" مفتیٔ اعظم نے کہا "قرآن شریف میں خدائے تعالیٰ فرماتا ہے ـــــ چاند اور سورج کے احترام میں مت جھکو بلکہ اس معبودِ حقیقی کا احترام کرو جس نے ان چیزوں کو پیدا کیا ہے ـــــ اگر تم اسکی عبادت کرنا چاہتے ہو"

دوسرے علماء نے اس آیت کو سن کر مفتیٔ اعظم کی تائید کی۔

"اللہ تعالیٰ یہ بھی فرماتا ہے کہ عمر نے فوراً جواب دیا "اسکی شانِ جبروت ـــــ اسکی قدرتِ کاملہ کی نشانیوں میں سے چاند اور سورج بھی ہیں ـــــ دن اور رات بھی ہیں ـــــ جبتک ان نشانیوں کی ـــــ ان علامتوں کی کھوج نہ لگائی جائے ہم اسے کس طرح پا سکتے ہیں"

ملک شاہ بالکل خاموش رہا ـــــ سارے دربار پر سناٹا طاری تھا ـــــ سلطان نے مفتیٔ اعظم کے ساتھ افتتاح کے بقیہ مراسم بھی ادا کئے اور رخصت ہونے کیلئے رصدگاہ کے دروازہ پر آگیا۔ اپنے گھوڑے پر سوار ہونے سے پہلے اس نے عمر کو بلایا۔

"کل کے دربار میں تمھیں دارسگاہ نیشاپور کی طرف سے "عالم ہیئت" کی خلعت دی جائے گی" وہ ایک جھٹکے کے ساتھ گھوڑے پر سوار ہوگیا۔ اب تم ہمیشہ میرے پاس آیا کرو ـــــ خدا کی قسم مجھے پیشنگوئیوں کی اکثر ضرورت پڑتی ہے"

"لیکن یہ ہوا کیا؟" نظام الملک نے دوسرے دن عمر سے کہا "میں نے منع کر دیا تھا کہ تم مفتیٔ اعظم کے سامنے خاموش رہنا لیکن تم نے ترکی بہ ترکی جواب دے کر سخت غلطی کی ۔۔۔ اب دیکھو اسکا انجام کیا ہوتا ہے۔"

"میں نے تو صرف قرآن شریف کی ایک آیت پڑھی تھی" عمر نے متحیرانہ لہجہ میں کہا۔

"خیر دیکھا جائے گا ۔۔۔ لیکن تمہیں ان معاملات میں دخل دینا نہیں چاہئے تھا۔" نظام الملک نے کہا "کل مجلس شوریٰ نے تمہارے پروانہ تقرری پر دستخط کر دئے ہیں اب تم کو بارہ سو اشرفیاں سالانہ بغیر کسی ٹیکس کی مجرائی کے ملا کریں گے۔"

عمر حیرت سے آنکھیں پھیلائے منہ کھول کر رہ گیا اسکے خواب و خیال میں بھی نہ تھا کہ اتنی بڑی رقم کا وہ ملازم ہو سکتا تھا۔

"سلطان ملک شاہ بھی تمہارا خاص خیال رکھتے ہیں" نظام الملک نے سلسلہ کلام جاری رکھا "لیکن ہمیشہ یہ بھی یاد رکھنا کہ وہ اس شخص کیلئے تلوار کی نوک سے بھی زیادہ تیز ہیں جس پر سے ان کا بھروسہ اٹھ جائے تمہارا اقتدار اسی وقت تک باقی رہے جبتک سلطان کی نظر عنایت تم پر ہے"

یہ بات عمر کو عجیب معلوم ہوئی کہ اپنا کام کرنے کے باوجود بھی اسے نوجوان سلطان کو ہر طرح سے خوش رکھنا پڑیگا ۔۔۔ نظام نے اسکے خیالات کو بھانپ لیا۔

"کوئی فکر نہ کرو ۔۔۔ تم میری حمایت میں ہو" اس نے نرمی سے کہا

"اور خدا کا شکر ہے کہ اس وقت کسی شخص میں بھی اتنی ہمت نہیں ہے جو کھلم کھلا میری مخالفت کر سکے ــــ اس کے علاوہ سلطان پر میرا اثر بھی کافی ہے۔"

عمر خاموش بیٹھا ہوا ان حالات پر غور کرتا رہا

"مجھے ایک عظیم الشان سلطنت قایم کرنا ہے ــــ خلافت کی بنیادیں مضبوط کرنا ہیں" نظام الملک نے کہا "سلجوقیوں کے آنے سے پہلے بغداد کی خلافت برائے نام ہی رہ گئی تھی ــــ ہارون رشید نے جو عظمت اور شان و شوکت قائم کی تھی اس کے تمام اعضاء مضمحل ہو گئے تھے ــــ حکومت اسلامیہ کے بہت سے مرکز ہو گئے تھے لیکن سلجوقی ترکوں نے خلافت عباسیہ کے اقتدار کو دوبارہ چمکایا ــــ بہت سے چھوٹے چھوٹے خاندانوں کو حکومت اور فرماں روائی کی کرسی سے جدا کر کے ایک عظیم الشان اور طاقتور سلطنت کو قائم کر کے خلیفہ کی بزرگی اور وقار کو قائم رکھا ــــ

"سلطان العالم الپ ارسلان خلد آشیاں آندھی کی مانند مشرق سے مغرب کی طرف روانہ ہوئے انھوں نے چار سال تک خراساں پر حکومت کی ــــ اور دس سال کے قریب پورے مشرقی وسطیٰ اور غربی ایشیا پر حکمراں رہے۔ انھوں نے اپنی سلطنت کو دریائے سیحون کے مشرقی سواحل سے بحر روم کے کناروں تک وسیع کر لیا۔ الجزائر اور شام کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو توڑ کر ایک نظام سلطنت میں شامل کر لیا ــــ حجاز، شام اور دمشق کو فاطمی اقتدار سے نکال لیا۔ روم اور گرجستان کی مغرور طاقتوں کو نیچا دکھا کر تمام

دنیا پر اپنی دھاک بٹھا دی ــــ اس وقت سلطنت سلجوقیہ کی ٹکر کی کوئی دوسری اسلامی ریاست نہیں تھی ــــ سلطان العالم کو اسی وجہ سے دربار خلافت سے ابو الفتح المویّد ضیاءالدین عضد الدولہ کے خطاب ملے ــــ اب میری تمنا یہی ہے کہ سلطنت سلجوقی کا اقتدار کم نہ ہو ــــ سلطان عالم کے لگائے ہوئے پودوں پر خزاں نہ آ جائے ــــ ملک شاہ نوجوان ضرور ہیں لیکن مجھے امید ہے کہ وہ بھی ایک پرہیبت حکمران ثابت ہوں گے اور مخالفین کی آرزوئیں پوری نہ ہونے دیں گے ــــ انشاءاللہ۔"

عمر کو معلوم تھا کہ نظام الملک کی کوششوں سے اب سلجوقی سلطنت سمرقند سے قسطنطنیہ تک تھی ــــ اس کی کوششوں سے بغداد کے خلیفہ مقتدی نے ملک شاہ کی لڑکی کیلئے پیام دیا تھا اور پھر ایسی دھوم دھام سے شادی ہوئی کہ جہیز کا سامان ۱۳۰ اونٹوں ــــ ۷۴ خچروں اور ۳۰ گھوڑوں پر بار تھا۔ ان جانوروں پر دیبائے رومی کی جھولیں پڑی ہوئی تھیں ــــ چاندی کے سینکڑوں صندوق زیورات اور جواہرات سے بھرے ہوئے تھے ــــ دوسری طرف اس نوجوان سلطان نے قسطنطنیہ کے بازنطینی شہنشاہ کی لڑکی سے خود شادی کر کے قیصر روم سے بھی یہ رشتہ قائم کر لیا تھا۔

"ان جاڑوں میں سلطان اپنی فوج کے ساتھ بیت المقدس کی طرف کوچ کریں گے،" نظام الملک نے کہا۔ "اور انشاءاللہ یہ مقدس شہر بھی فاطمیوں کے قبضہ سے نکال لیا جائیگا۔"

عمر کو نظام الملک کے اس یقین پر حیرت تھی کہ اسے بیت المقدس کی

فتح کا اس طرح یقین تھا جیسے یہ معمولی بات ہو۔

"اور یہ بھی ہمیشہ یاد رکھنا کہ اگر دشمنوں پر حملہ کرتے وقت سلطان ایک منجم پر بھروسہ کرتے ہیں تو اس حملہ کی تمام تر ذمہ داری اس منجم پر ہوگی" نظام الملک نے دوبارہ کہا "یہ بہت ذمہ داری کا کام ہے"

عمر نے سر کو جنبش دی اس کو اچھی طرح معلوم تھا کہ غلط پیشگوئیوں کے نتائج کیا ہو سکتے ہیں۔

"حکومتیں ہمیشہ دو ہاتھوں میں رہتی ہیں" نظام الملک نے سلسلہ کلام جاری رکھا "پہلے ہاتھ سلطان کا جس کے سر پر تاج ہوتا ہے اور دوسرا ہاتھ وزیر کا جو عمامہ باندھتا ہے ـــــ پہلے ہاتھ سے جنگیں۔ اور فتوحات ہوتی ہیں۔ سزائیں اور معافیاں دی جاتی ہیں ـــــ انعامات تقسیم ہوتے ہیں ـــــ جبکہ دوسرے ہاتھ سے قانون بنتے ہیں جن پر عوام کو عمل کرنا ہوتا ہے ـــــ احکامات کا اجراء ہوتا ہے۔ محاصل لگائے جاتے ہیں ـــــ میں اپنے سلطان کی دل و جان سے خدمت کرنا چاہتا ہوں ـــــ میرا یہی کام ہے کہ ان کی حکومت کی بنیادوں کو مستحکم بناؤں ـــــ ممکن ہے کہ سلطان کبھی تم سے ملکی معاملات پر بھی رائے طلب کریں اس لیئے انکے جوابات دینے سے پہلے تم کو مجھ سے مشورہ لینا ہوگا ـــــ سمجھ گئے؟"

"خوب ـــــ اچھی طرح" عمر نے جواب دیا۔ اس نے محسوس کر لیا تھا کہ اس کے بچپن کا ساتھی اس پر بہت زیادہ بھروسہ کرنے لگا تھا ـــــ عمر کو یہ بھی یقین تھا کہ نظام الملک کی دیانت اور راست بازی انکی ستون سے

بھی زیادہ سخت تھی جو رصد گاہ کیلئے بنایا گیا تھا۔

"میں نے وعدہ کیا ہے کہ میں ہر وقت تمہاری مدد کرونگا" نظام الملک بولا "ممکن ہے کہ سلطان اپنے ساتھ تم کو بھی جنگ پر لیجائیں۔"

عمر نے نظام الملک کو یہ نہ بتایا کہ اس سفر سے اسکا مقصد بھی حل ہو رہا تھا۔ اب وہ مغربی سڑکوں پر یاسمین کی تلاش کریگا۔ اسکے پاس اب دولت کی کمی نہ تھی۔ صاحب اختیار تھا۔۔۔ غلام تھے۔ گھوڑے تھے اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ سلطان کا منظور نظر تھا۔۔۔ اب یاسمین کی تلاش میں کیا چیز مانع ہو سکتی تھی۔

---

۱۴ چودھواں باب

زبردست سازش

عمر نے سب سے پہلی بار خطرہ اسوقت محسوس کیا جبکہ سلطان کی فوج دریائے فرات کو عبور کرنے کی انتظار میں تھی۔ دریا کا پل ایک جگہ سے ٹوٹ گیا تھا اسلئے اس کی مرمت ہو رہی تھی لشکر فرات کے کنارے نہایت قرینے سے خیمہ زن تھا۔ قطار در قطار خیمے نصب تھے اور ان خیموں کے سامنے گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ اس پڑاؤ کے پیچھے قدیم شہر بابل کے کھنڈرات کا سلسلہ دور تک چلا گیا تھا۔ ابھی پل کی مرمت میں ہفتہ بھر کی دیر تھی۔ سلطان کی عادت تھی کہ اگر شکار میں نہ ہو تو فرصت کے اوقات میں مشاعروں اور اسی قسم کے دوسرے پروگراموں میں دلچسپی لیتا تھا۔ ہر سفر میں اسکے ساتھ ارباب نشاط کا ایک قافلہ ضرور چلتا تھا۔

آج بھی ان کھنڈروں کے ایک وسیع ہال میں چاروں طرف پردے لگا کر بیش قیمت ایرانی قالینوں کا فرش کیا گیا تھا۔ سلطان اور سرداروں کیلئے علیحدہ علیحدہ اسٹیج بنائے گئے تھے۔ ملک شاہ کے تخت کے قریب ہی عمر کیلئے جگہ مخصوص تھی۔

سلطان کے آتے ہی رقص و سرود کی محفل اپنی تمامتر رنگینوں کے ساتھ

شروع ہو گئی۔ ایک مسخرہ ناچ رہا تھا اور ساتھ ہی ساتھ نقلیں بھی کرتا جا رہا تھا۔ اس کے دونوں کندھوں پر چھوٹی چھوٹی چاندی کی گھنٹیاں بندھی ہوئی تھیں اور آواز کے اتار چڑھاؤ کے ساتھ ان سے عجیب قسم کی آوازیں نکل رہی تھیں۔ اس کے گلے میں ایک لمبا سا ڈھول پڑا ہوا تھا ــــ اس مسخرہ کے بال کافی بڑے بڑے تھے اور ناچتے وقت کبھی چہرہ پر آجاتے اور کبھی پیچھے چلے جاتے۔

ناچنے والا عمر کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا اور اس نے جھک کر عمر کے سامنے ہاتھ پھیلا دیا ــــ عمر نے اپنی جیب سے ایک چاندی کا سکہ نکال کر اس کی طرف اچھال دیا۔ اس نے کمال ہوشیاری کے ساتھ اس کو اپنی ہتھیلی پر لیا اور لہرا کر دوبارہ اچھلنے کودنے لگا۔

"ہا ہا ــــ او جادوگر ــــ ہو ہو ــــ ہو ہو ــ جادوگر ناچنے والا بے تکے جملے گا رہا تھا اور ناچ رہا تھا" ہو ہو ــــ ہا ہا ــ میں جادوگر ــــ میرا باپ جادوگر ــــ ہے ہے ہے ــــ میں اولے برسا سکتا ہوں ــــ ہا ہا ــــ ہا ہا ــــ میں آندھیاں ــــ میں طوفان ــــ میں بارش ــــ ہو ہو ــــ میں ہوں سمرقندی جادوگر ــــ میں بتاؤں کہ تم کیا سوچ رہے ہو؟" مسخرہ نے عمر کو مخاطب کر کے کہا اس پر پورا دربار قہقہے لگانے لگا۔

"تب تو تم سچ مچ کے جادوگر ہو" عمر نے مسکرا کر کہا۔

"ہاں ــــ میں ایرانی جادوگر ــــ میں تورانی جادوگر ــــ میرا باپ تھا بریانی جادوگر ــــ لیکن تم یہ سوچ رہے ہو کہ یہ بیہودہ مسخرہ ہے

اسکا باپ بھی جادوگر نہیں ہو سکتا"

عمر خاموش ہوگیا یہ واقعہ ہے کہ وہ اس وقت یہی سوچ رہا تھا۔ ملک شاہ عمر کو دیکھنے لگا

"میں نے تمہارے دل کی بات بتادی" مسخرہ نے کہا" اب میرے خیالات پڑھنے کیلئے تیار ہو جاؤ اور شاہی نجم ـــــ صرف ایک بات پوچھنا ہے۔"

اس کے بڑے بڑے بالوں والا سر زور زور سے ہل رہا تھا اور وہ عمر کی طرف سنجیدگی سے دیکھ رہا تھا" مجھے صرف اتنا بتادو اور منجموں کے بادشاہ" اس نے جلدی سے کہا" صرف اتنا بتادو کہ میں باہر کس راستہ سے جاؤنگا ـــــ اس کھنڈر کے چار دروازے ہیں۔ مشرقی۔ مغربی۔ شمالی اور جنوبی کیا تم بتا سکتے ہو کہ میں کس راستے سے باہر جاؤنگا"

سارا دربار ہنسی کی وجہ سے لوٹ پوٹ ہو رہا تھا لیکن سلطان کی نظروں کو دیکھ کر عمر چونک پڑا ـــــ ملک شاہ کہنیوں کے بل جھکا ہوا عمر کو اشتیاق بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا اسکی نظروں سے معلوم ہو رہا تھا جیسے یہ لوطی اور شاہی منجم ایک ہی اکھاڑے کے دو پہلوان ہوں۔

"لیکن یہ تو معمولی بات ہے" عمر نے آہستہ سے کہا" اور ـــــ

"تم تو اس فن کے بادشاہ ہو" مسخرہ نے کہا" اگر یہ معمولی بات ہے تو بتادو۔"

اس مسخرہ کے پیچھے اس کے دوسرے ساتھی بھی آکر کھڑے ہوگئے تھے

اور عمر کی خاموشی پر بے ہنگم طور پر تالیاں بجا بجا کر ہنس رہے تھے۔ سارے دربار کی نگاہیں اس وقت عمر پر لگی ہوئی تھیں اور ملک شاہ عمر کے جواب کا بے چینی کے ساتھ انتظار کر رہا تھا۔

عمر یہ کہنے ہی والا تھا کہ ستارہ شناسی کا فن ایسے شعبدوں میں استعمال نہیں ہوتا لیکن یہ الفاظ اس کے ہونٹوں پر آ کر رک گئے۔ اس نے محسوس کیا اگر سلطان کو یہ یقین ہو چکا تھا کہ اس مسخرہ نے عمر کے دل کی بات پڑھ لی تھی اس لئے اسکا جواب بھی دینا ضروری تھا وہ ملک شاہ کے اعتماد کو ٹھیس پہونچانا نہیں چاہتا تھا۔

عمر سمجھ گیا تھا اس مسخرہ نے جان بوجھ کر یہ پھندہ اس کے لئے تیار کیا تھا یہ بھی ممکن تھا کہ اس کے پیچھے کوئی گہری سازش کام کر رہی ہو اس وقت کی ذرا سی لغزش بھی عمر کو سلطان کی نگاہوں سے اتار سکتی تھی۔

"ایک کاغذ اور قلم دوات لاؤ" عمر نے مطمئن لہجہ میں کہا۔

دونوں چیزیں فوراً آ بھی گئیں قلم ہاتھ میں لے کر عمر سوچنے لگا ـــ مکر کا جواب مکر سے ہی ہو سکتا تھا۔ اس مسخرہ نے چار دروازے بتائے تھے جن میں سے وہ جا سکتا تھا یہ چاروں دروازے نظر کے سامنے تھے ـــ مسخرہ نے یہ نہیں پوچھا تھا کہ وہ کس دروازہ سے جائیگا بلکہ یہ کہا تھا کہ کس راستے سے جائیگا ـــ اتنا اشارہ ہوشیار منجم کیلئے کافی تھا۔

اس نے کاغذ پر کچھ لکھ کر اسے تہ کیا اور کھڑا ہو گیا ـــ مسخرہ کی مہمل باتوں کا جواب دینے سے پہلے سلطان کی اجازت لینی ضرور تھی ـــ

اجازت، حاصل کرنے کے بعد اس نے وہ پرچہ عودوان کے نیچے رکھ دیا جو ملک شاہ کے سامنے رکھا ہوا تھا اور پھر اپنی جگہ پر آ گیا۔

"اب جاؤ" اس نے مسخرہ سے کہا۔

مسخرہ کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ اسے اپنی پوری کامیابی کا پورا یقین تھا۔ کئی بار ناچنے اور قلابازیاں کھانے کے بعد وہ تیزی کے ساتھ مشرقی دروازہ کی طرف بھاگنے لگا اس کے شانوں پر لگی ہوئی گھنٹیاں زور زور سے بج رہی تھیں مشرقی دروازہ کے قریب پہنچ کر اس نے اپنی کامیابی کا نعرہ لگایا اور ایکدم مڑ گیا اب وہ کھنڈر کی دیوار کی طرف بڑھ رہا تھا جس کی شکستگی چھپانے کیلئے پردے ڈال دیئے گئے تھے۔ کارچوبی پردہ اس نے ایک طرف ہٹا دیا دیوار میں ایک چھوٹی سی کھڑکی موجود تھی پانچواں راستہ!

"وہ یہ دروازہ ہے" مسخرہ نے ہنستے ہوئے کہا "میں اس میں سے باہر جاؤں گا۔"

مسخرہ کے باہر نکلتے ہی وہ پردہ پھر اپنی جگہ پر آ گیا سارے دربار کی زبان سے کلمہ تعجب نکلا اور پھر مکمل سناٹا چھا گیا۔ ملک شاہ نے چوبدار کو وہ پرچہ لانے کا حکم دیا جو عمر نے عودوان کے نیچے دبا دیا تھا

جب تک ملک شاہ نے وہ پرچہ کھولا ہر شخص کی نگاہیں اسی پر جمی ہوئی تھیں سلطان نے پرچہ کھولکر پڑھا اس کی آنکھیں خوشی سے چمکنے لگیں۔

"پانچویں دروازہ سے" سلطان نے بلند آواز سے پڑھا "واللہ۔۔۔ تم تو اپنے فن کے بادشاہ ہو" فرط مسرت سے سلطان کھڑا ہو گیا اس نے عمر کو

اپنے پاس بلا کر اس کے کندھوں کو تھپکا اور اپنے گلے سے فیروزے کی مالا اتار کر اس کے گلے میں ڈال دی ــ "تم ابو علی سینا ثانی ہو ــــ خدا تمہاری عمر میں برکت کرے" پھر وہ ایک چوبدار کی طرف مخاطب ہوا "ہمارے منجم کو موتیوں میں تول کر ان موتیوں کو فوراً خیرات کر دو"

فوراً اس حکم کی تعمیل کی گئی کئی غلام موتیوں سے بھرے ہوئے خوان اور ایک طلائی ترازو لے آیا اور عمر کو تولا جانے لگا۔

"اور اس مردود کے منہ میں ـــ سلطان نے غضب آلود لہجہ میں حکم دیا "اور اس مسخرہ مردود کے منہ میں دریائی ریت جبتک کہ اسکا پیٹ نہ بھر جائے ـــ اس گستاخ کی یہی سزا ہے جس نے ہمارے منجم کا امتحان لینے کی جرأت کی"

جب دربار برخاست ہو گیا تو عمر بھی اپنے خیمہ کی طرف چل دیا اسکے پیچھے پیچھے کئی غلاموں کے سروں پر سلطان کے بخشے ہوئے خوان تھے جن میں موتی اور جواہرات تھے۔ عمر نے دیکھا کہ فرات کے میدان میں کئی حبشی غلام اس مسخرہ کو پکڑے ہوئے تھے ایک سپاہی چاقو سے اس کا منہ کھول رہا تھا اور دوسرا ترک سپاہی ایک خوان میں سے اٹھا اٹھا کر اس کے منہ میں ریت بھر رہا تھا۔ اس مسخرہ کا چہرہ بالکل سیاہ ہو گیا تھا اور ہیبتناک آواز سے ڈکرا رہا تھا۔ عمر تیزی کے ساتھ اس خیمہ میں آگیا۔

اس رات کو کافی دیر تک عمر ایک کتاب لکھتا رہا۔ اس کے خیمہ میں کوئی بھاگتا ہوا اندر آیا عمر نے اسکی طرف نظر اٹھا کر دیکھا وہ اس کا ہی غلام تھا اور اس وقت بہت حواس باختہ معلوم ہو رہا تھا۔ عمر نے آسمان کی طرف

نظر اٹھا کر دیکھا اسوقت ایک چوتھائی رات جا چکی تھی۔

"کیا ہوا زید؟" عمر نے پوچھا" اس وقت کہاں سے آرہے ہو؟"

"سرکار ... میں عشاء کی نماز کے بعد سامنے والے کھنڈروں کی طرف ٹہلتا ہوا چلا گیا تھا" زید نے پھٹی پھٹی آواز میں کہا" اس ٹیلے پر روشنی ہو رہی تھی ... وہی ٹیلہ جو بڑے والے کھنڈر کے سامنے ہے"

"پھر ... تو کیا ہوا؟"

"مجھے وہ روشنی عجیب معلوم ہوئی کیونکہ آج چاند بھی آسمان پر نہیں ہے ... میں اور آگے بڑھا تو میں نے چند سائے متحرک دیکھے ... میرا اشتیاق بڑھتا اور میں کھنڈر کی آڑ لیتا ہوا ٹیلہ کے بالکل قریب پہونچ گیا ... وہاں ایک لاش پڑی ہوئی تھی اور ایک بڑا گدھ نما جانور اس کے قریب پھر رہا تھا ..."

"وہ سب سے اونچا ٹیلہ تو مشہور ہے" عمر کے دوسرے غلام نے کہا جو خاموشی کے ساتھ اس کہانی کو سن رہا تھا" یہ بات ہر شخص کو معلوم ہے کہ وہاں بھوت رہتے ہیں ... تم نے بھی آج بھوت دیکھ لئے"

"وہ لاش اسی مسخرہ کی تھی جس کے پیٹ میں ریت بھری گئی تھی" زید نے کہا" میں نے اچھی طرح سے اس کو پہچان لیا ہے"

"لاؤ ... ایک مشعل لاؤ" عمر نے کہا" اور میرے ساتھ چلکر راستہ بتاؤ"

عمر چاہتا تھا کہ ان دونوں کو لیجا کر انکا ڈر نکال دیا جائے ورنہ یہ رات بھر پریشان کریں گے۔ دونوں غلاموں نے بادل ناخواستہ حکم کی تعمیل کی اور عمر کے پیچھے پیچھے روانہ ہو گئے لیکن وہ دونوں اس سے اتنے مل کر چل رہے تھے

جیسے اسی کے جوتے میں پاؤں رکھ رہے ہوں۔ دونوں کا ڈر کی وجہ سے برا حال تھا اور تھر تھر کانپ رہے تھے۔ کیمپ سے نکلنے کے بعد زید ایسے راستہ میں سے گذرا جو ایک ٹوٹی ہوئی دیوار کے شگاف سے بن گیا تھا اب وہ ٹیلہ بالکل سامنے تھا۔

"وہاں پہنچنے کیلئے صرف یہی ایک پتلا سا راستہ ہے سرکار" زید نے بتایا "آپ کا غلام یہیں آپکا انتظار کریگا" دوسرے غلام کے بھی قدم رک گئے ان دونوں کی ہمت نے آگے بڑھنے سے جواب دیدیا تھا۔

عمر نے زید سے مشعل لی اور آگے بڑھنے لگا ابھی وہ دس قدم بھی آگے گیا ہوگا اس نے اپنے پیچھے کسی کے قدموں کی آواز سنی۔ پیچھے مڑ کر دیکھنے پر معلوم ہوا کہ وہ دونوں غلام اپنی پوری قوت کے ساتھ سر پر پاؤں رکھے ہوئے کیمپ کی طرف بھاگے جا رہے تھے۔ وہ اکیلا ہی بڑھنے لگا ہر کھٹکے پر وہ چونک کر ادھر ادھر دیکھ لیتا پھر آگے بڑھ جاتا۔ اب وہ ٹیلہ کے اوپر کھڑا ہوا تھا۔ اس کے سامنے ایک قدیم مندر کے کھنڈر تھے۔ اور آگے بڑھنے پر اب ایک تیز روشنی بھی نظر آنے لگی تھی جو ایک شکستہ دیوار کے شگاف سے باہر آ رہی تھی۔ یہ معمولی مشعل یا لیمپ سے غیر معمولی تیز روشنی تھی۔ اسکو شگاف میں بیٹھا ہوا ایک آدمی نظر آیا جو اس طرح بیٹھا تھا جیسے اس کے ہی انتظار میں ہو وہ عمر سے قد میں اونچا تھا۔ گھنی پلکیں۔ چوڑی پیشانی اور گھونگھر دار بالوں کی سیاہ داڑھی۔ اس کے چوڑے چکلے کندھوں پر عربی رومال پڑا ہوا تھا لیکن صورت شکل سے وہ عربی النسل معلوم نہیں ہو رہا تھا۔ اس کے قریب ہی

ایک لاش پڑی ہوئی تھی جس کی پسلیوں میں ایک خنجر آدھے سے زیادہ اترا ہوا تھا

عمر کی نگاہیں ایک قوی ہیکل پرندہ پر پڑیں جو اس اجنبی سے قدرے فاصلہ پر بیٹھا ہوا پروں کو پھڑپھڑا رہا تھا ۔۔۔ عمر کو امید تھی کہ وہ گدھ یا باز ہوگا لیکن غور سے دیکھنے پر معلوم ہوا کہ وہ عقاب تھا ایک بہت بڑا اور بھاری عقاب ۔ عمر کو دیکھ کر وہ عظیم الجثہ پرندہ ساکن ہوگیا اس کی چمکدار اور گول گول آنکھیں عمر پر لگی ہوئی تھیں

"یہ میرا ساتھی ہے" اجنبی نے انتہائی میٹھے لہجہ میں عقاب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ۔ میں اس کے ذریعہ ہفتوں کا سفر گھنٹوں میں کر لیتا ہوں ۔۔۔ یہ مجھے اونچے اونچے مقامات پر پہنچاتا ہے ۔۔۔ اس کے ذریعہ میں دریاؤں اور پہاڑوں کو آسانی سے عبور کرتا ہوا ایک ملک سے دوسرے ملک کی سیر کرتا ہوں"

"لیکن آپ کی تعریف ؟" عمر نے پوچھا ۔

"تم مجھے بھول گئے خیمہ دوز کے لڑکے" اجنبی نے عجمی لہجہ میں کہا "میں نے تو تم کو دیکھتے ہی پہچان لیا تھا"

"اوہ تم اصباح کے لڑکے !" عمر نے بے ساختہ کہا اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلی ہوئی تھیں صاحب میں تم کو کس طرح پہچان سکتا تھا ۔۔۔ تم کتنے پراسرار ہو گئے ہو حسن !"

"ہاں ۔ ہم لوگوں کو ملے ہوئے بھی تو بیس سال سے زائد ہو چکے ہیں لیکن مجھے آج بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ کل ہی کی بات ہے اور میں ۔ تم اور نظام ساتھ بیٹھے ہوئے پڑھ رہے ہیں ۔۔۔ نظام تو اب بہت بڑا آدمی ہوگیا ہے شاید ہی اپنے مکتب کے پرانے ساتھی کو پہچان سکے"

"کیا اس غلام کا کام تم نے ہی تمام کیا ہے؟" عمر نے پوچھا

"وہ تو خود ہی مر رہا تھا میں نے اس کی مشکل آسان کر دی ـــــ"

عمر سوچنے لگا ـــ اب اسے یقین ہو گیا تھا کہ مسخرہ بن صباح کا ہی آدمی تھا اور آج کے سارے واقعات حسن کے اشارے سے ہوئے تھے ـــ لیکن وہ حسن کے گھٹے ہوئے بازوؤں کی دیکھ کر خاموش ہو گیا جو کسی ارنے بھینسے کے مانند سخت اور موٹے تھے۔

"میں نے اس لئے اس مسخرہ کو یہاں اٹھوالیا کہ وہاں زندہ ہوتے ہوئے اس کو کتے جھنجھوڑتے" حسن نے دوبارہ کہا" اب اس اونچی جگہ عرف گدھ اور دوسرے پرند اطمینان کے ساتھ اسکی ہڈیوں کو صاف کریں گے ـــ اسکی موت یقینی تھی چاہے اب ہوتی یا ایک گھنٹے کے بعد کیونکہ اس کے پیٹ میں گلے تک ریت بھری ہوئی ہے۔"

"کیا تم آج کے تماشے کا نتیجہ سننے کے لئے آئے تھے" عمر نے طنز بھرے لہجہ میں کہا۔

"نہیں مجھے دوستوں کی تلاش ہے ـــ سچے دوستوں کی تلاش" حسن نے کہا" اگر مجھے عمر خیمہ دوز جیسے چند دوست مل جائیں تو خدا کی قسم دنیا میں تہلکہ ڈال دوں ـــ حکومتیں بدل دوں"

"لیکن میں ملک شاہ کا نمک خوار ہوں۔ انکا ملازم ہوں" عمر نے کہا" تم ان کے مخالف ہو ـــ میری اور تمہاری دوستی کس طرح نبھ سکتی ہے"

"کوئی ہرج نہیں ہے ـــ خوب اچھی طرح غور کر لو ـــ سوچ لو ـــ سمجھ لو"

حسن نے کہا "مجھے معلوم ہے ایک روز ضرور ایسا آئیگا جب تم کو میری دوستی کی ضرورت ہوگی ـــــ اس کے علاوہ مجھے مکتب کے اس وعدہ کا ایفا بھی کرنا تھا کہ ہم تینوں میں سے جو شخص بھی بڑا آدمی ہوگا وہ ایک دوسرے کی مدد کریگا ـــــ نظام الملک کی دوستی تو کرگٹ کا سا اوبال ہے اس کے بھروسہ پر نہ رہنا ـــــ"

عمر نے کوئی جواب نہ دیا

"اچھا اب میں جاتا ہوں" حسن نے کہا اور آہستہ سے تالی بجائی ـ ٹیلے کی وہ پراسرار روشنی فوراً ہی بجھ گئی ـ حسن نے عمر کا ہاتھ پکڑا اور ٹیلہ سے نیچے اترنے لگا ـ گہری تاریکی ہونے کی وجہ سے عمر کو کچھ نظر نہیں آرہا تھا لیکن حسن ان راستوں سے واقف معلوم ہوتا تھا وہ بہت آسانی کے ساتھ نیچے اتر رہا تھا اپنے پیچھے عمر نے پردوں کی پھڑپھڑاہٹ اور بھد بھد کی آوازیں جیسے کوئی جانور انکا پیچھا کر رہا ہو ـــــ پھر ایک لفظ کہے بغیر حسن نے عمر کا ہاتھ چھوڑ دیا اور تاریکی میں غائب ہوگیا ـ

کسی پرندے کے بازوؤں کی پھڑپھڑاہٹ اور اڑنے کی آواز آئی پھر غائب ہوگئی

اپنے خیمہ میں پہونچکر عمر نے دیکھا کہ وہ دونوں غلام لیمپ جلائے ہوئے بے چینی کے ساتھ اسکا انتظار کر رہے ان کے زرد چہروں سے معلوم ہو رہا تھا کہ انکو عمر کی واپسی میں بھی شک تھا ـ

۱۵

پندرھواں باب

بیت المقدس

سلطان الپ ارسلان کی زندگی ہی میں شام اور فلسطین کا بڑا حصہ مصری فاطمیوں سے لیا جا چکا تھا۔ حجاز مقدس پر بھی سلجوقیوں کا قبضہ تھا اسلئے اب بیت المقدس کو بھی سلجوقی سلطنت میں ملانا بہت ضروری تھا جس پر مصر کے فاطمی خلیفہ کا اب بھی قبضہ تھا۔

بیت المقدس پر سلطان نے خود چڑھائی نہ کی بلکہ اپنی فوج کے بڑے حصہ کو امیر عزیز کی سرکردگی میں روانہ کردیا اور خود حلب میں مقیم رہا کیونکہ دوسری طرف شمال میں بازنطینی مہم بھی جاری تھی اور رومی قلعداروں پر چڑھائی ہو رہی تھی ترکی سواروں کے گروہ کے گروہ ملک شاہ کی فوج میں شامل ہو رہے تھے۔

عمر کا یہاں پڑے پڑے جی اوب گیا تھا اور جس کام کیلئے وہ آیا تھا وہ بھی نہ ہو سکا اس نے طے کرلیا تھا کہ وہ امیر عزیز کے پاس ضرور جائیگا جس نے بیت المقدس پر قبضہ کرلیا تھا اس بہانے سے وہ سفر میں یاسمین کی تلاش بھی کرتا رہیگا اور مسجد اقصیٰ کی زیارت بھی ہو جائیگی اسنے ابھی تک حلب کا کونا کونا یاسمین کی تلاش میں چھان ڈالا تھا لیکن اس شہدی سوداگر کا پتہ نہ چل سکا جس کے ساتھ یاسمین سفر کررہی تھی اسنے سوچا تھا کہ مغربی سڑکوں پر قافلے بہت آتے جاتے رہتے ہیں اسلئے ممکن ہے کہ ابوالقاسم کا پتہ

جل جائے ایک روز تنہائی پاکر اسنے سلطان سے عرض کیا اور بیت المقدس کے سفر کی اجازت مانگی "مسجد اقصیٰ میں میری طرف سے بھی شکرانہ کے نفل پڑھ دینا" سلطان نے کہا "میری تمنا تھی وہاں پہونچکر خود یہ نفل پڑھتا لیکن خدا کو ابھی منظور نہیں ہے" ملک شاہ کا دل قطعی چاہتا تھا کہ عمر اسکے پاس سے اسوقت نہ جائے کیونکہ اس وقت تین ستارے مریخ۔ زحل اور مشتری ایک ہی برج میں تھے ـــ اور ملک شاہ کی پیدائش کے وقت بھی یہی ستارے اسی برج میں تھے سلطان کیلئے یہ نہایت اہم وقت تھا اور اسے قدم قدم پر عمر کے مشوروں کی ضرورت تھی لیکن مسجد اقصیٰ کی زیارت کو وہ منع نہ کرسکا اور اپنے باڈی گارڈ کے خاص رسالے میں سے دس تجربہ کار سپاہی اس کے ساتھ کردئے تاکہ پورے سفر میں وہ اس کے محافظ رہیں۔ اس نے حکم دیدیا تھا کہ بیت المقدس پہونچنے کے بعد دو سپاہی ہر وقت اسکے ساتھ رہیں اور ایک لمحہ بھی اس کو نظروں سے اوجھل نہ ہونے دیں۔

گمنام اور پرپیچ صحرائی راستوں سے عمر کا سفر جاری رہا۔ اس نے دمشق کے بازاروں اور سراؤں میں یاسمین کو تلاش کیا ـــ پھر وہاں سے کوہ لبنان کی دشوار گذار گھاٹیوں سے گذرنے لگا جن کی چوٹیاں برف سے ڈھکی ہوئی تھیں۔ ایک طرف پہاڑی سلسلہ تھا دوسری طرف سمندر لہریں ماررہا تھا ـــ پہاڑی دروں میں سے کبھی کبھی آبادیاں اور سبزہ زار بھی نظر آجاتے تھے۔

اب وہ بحر روم کے کنارے سفر کررہا تھا یہاں یونانیوں اور رومیوں کا بنایا ہوا پتھر کا بندرگاہ تھا جو اب تقریباً اجڑ چکا تھا۔ اس کے بعد

کوہ کارمت کی چڑھائی شروع ہو گئی۔ میلوں تک سمندر کا خوشنما منظر نظر کے سامنے رہا۔ اس پہاڑ پر گھانس وغیرہ کچھ نہ تھی بلکہ بہت سے حصے بالکل منڈے تھے اسی پہاڑ پر عمر کو بہت سے عیسائی راہب ملے۔

پہاڑ سے اترتے وقت گلیلی کی خوشنما جھیل نظر آنے لگی ۔۔۔ اس کی وادی میں گندھک کے چشمے بھی بہتے تھے اور کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ یہ پوری وادی شیاطین کی آبادی سے پر تھی ۔۔۔ ان شیاطین کے لمبی لمبی داڑھیاں بھی تھیں اور لوگ ان کو یہودیوں کے نام سے پکارتے تھے۔

اب بیت المقدس قریب آتا جا رہا تھا کہ سلطانی فوج کے قیام اور خیموں کے نشانات ملنا شروع ہو گئے تھے اب وہ سانپ کی طرح بل کھاتی ہوئی پہاڑیوں گھاٹی میں سفر کر رہے تھے جن کے دونوں طرف پہاڑی سلسلہ عجیب معلوم ہو رہا تھا۔

عمر جب ملک شاہی کیمپ میں پہونچا تو رات کا وقت تھا اس نے امیر عزیز کے خیمہ میں ہی قیام کیا۔ دن نکلتے ہی وہ شہر دیکھنے کے لئے روانہ ہو گیا ۔۔۔ وہ شہر جو مسلمانوں۔ عیسائیوں اور یہودیوں کے لئے ہر ایک کے لئے مقدس تھا۔

مسجد اقصیٰ پہونچکر اس نے ان مولویوں سے ملاقات کی جو سلطانی فوج کے ساتھ آئے تھے اور اب نماز پڑھاتے تھے ۔۔۔ فاطمی خلیفہ کا خطبہ منسوخ ہو کر اب خطبہ میں عباسی خلیفہ اور سلجوقی سلطان کا نام لیا جاتا تھا ۔۔۔ فاطمی وفاداروں نے اب شہر خالی کر دیا تھا۔

سب سے پہلے وہ صخرہ شریف پر پہونچا یہاں ہاتھ اٹھا کر اس نے دعا کی اور سلام پڑھا۔ یہ ایک بڑی عالیشان پتھر کی چٹان تھی جو پہلے ہوا میں بالکل معلق تھی لیکن اب اس کے نیچے دیواریں بھی بنا دی گئی تھیں اور ایک عالیشان قبہ سلطان عبدالملک ابن مروان نے ۷۳ھ میں بنوایا تھا۔

جب عمر نے فاتحہ ختم کی تو اسی وقت کسی نے اس کے شانے پر پیچھے سے ہاتھ رکھدیا۔ "السلام علیکم" "وعلیکم السلام" اس نے جواب دیا اور مڑکر دیکھا اس کا پرانا دوست حسن بن صباح ایک اجنبی کے ساتھ کھڑا ہوا مسکراتے ہوئے اسے دیکھ رہا تھا اسوقت وہ عربی لباس میں تھا اور اس روانی سے عربی بول رہا تھا جیسے یہ اسکی مادری زبان ہو۔

"خدا کا شکر ہے اپنے دوست سے دوبارہ ملاقات ہو گئی" اسنے کہا "تم کو یہ بھی معلوم ہے کہ یہ معلق چٹان کیا چیز ہے؟"

عمر کے جواب دینے سے پہلے حسن نے کہنا شروع کیا "اس کو تخت رب العالمین کہا جاتا ہے اور یہی پر پائے مبارک صلعم کا نشان ہے جب آپ معراج کو تشریف لے گئے تھے تو ایک قدم اس پر رکھا تھا۔۔۔ قیامت کے دن خدائے تعالیٰ کی عدالت یہیں ہوگی۔۔۔ یہیں میزان ہو گی اور یہیں سے اسرافیل علیہ السلام صور پھونکیں گے۔۔۔ آؤ میرے ساتھ اسکے نیچے چلو" اس نے کہا اور ایک مشعل جلانے لگا وہ اس مقام سے کافی واقف معلوم ہوتا تھا۔ اس کے بعد وہ تینوں صخرہ کے نیچے گئے۔ ہر شخص پر اسوقت ہیبت طاری تھا اور حسن جیسا تجیم تخیم آدمی بھی کانپ رہا تھا ان لوگوں نے

سر مبارک کے نشان کی زیارت کی اور باہر نکل آئے۔

اس کے بعد مصلّے امیر حمزہؓ۔ حضرت داؤدؑ۔ حضرت سلیمانؑ حضرت ابراہیمؑ حضرت یحییٰؑ اور حضرت ذکریاؑ پر حاضری دی۔ جائے عدالت حضرت داؤد دیکھی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے مکان کی زیارت کی جو چار ہزار برس کا تھا اس کے ایک حصہ کو باب توبہ اور دوسرے حصہ کو باب رحمت کہتے ہیں

اب یہ مختصر پارٹی جامع عمرؓ سے گزرتی ہوئی مسجد اقصیٰ کے اندر پہنچ گئی اس مسجد کے متعلق کہا جاتا ہے کہ حضرت سلیمان نے اجنہ سے بنوائی تھی۔ کیونکہ اس میں پتھر کے عالیشان ستون اور پتھر کی بڑی بڑی چٹانیں لگی ہوئی ہیں۔ یہیں حضرت سلیمان علیہ السلام کا خلوت خانہ بھی تھا۔

"اس مقدس مقام پر ترکوں نے خون بہا کر اچھا نہ کیا" حسن نے کہا "عنقریب ان سے یہ شہر لے لیا جائیگا"

"کون لے گا" حسن کے ساتھی نے پوچھا۔

"یہ خدا کو خبر ہے" حسن نے کھوئے ہوئے لہجہ میں جواب دیا لیکن مجھے یقین ہے کہ بیت المقدس ترکوں کے پاس رہ نہیں سکتا"

اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ ترکوں کے دشمنوں سے تمہارا میل ہے" اس اجنبی نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا" یا سلطانی فوج تمہارے اختیار میں ہے۔"

حسن نے کوئی جواب نہیں دیا۔۔ اس کا ساتھی بہت موٹا تازہ ادھیڑ عمر کا تھا اس کی آنکھیں سرخ اور چمکدار تھیں۔ وہ بہت کم بولتا تھا

لیکن جب بھی کچھ کہتا سوچ سمجھ کر اور بچے تلے الفاظ میں۔ حسن نے بتایا کہ اسکا دوست حشام بہت بڑا سوداگر تھا

"تو بیت المقدس مسلمانوں کے علاوہ دوسری قوموں کیلئے بھی کافی اہم ہے" عمر نے کہا اب یہ لوگ مسجد سے باہر نکل آئے تھے۔

"بیشک" حسن نے کہا "تم نے مسجد عمر کے پاس عیسائیوں کا گرجا بھی دیکھا ہوگا۔ عیسائیوں کا خیال ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس گرجا میں پیدا ہوئے تھے۔ وہیں حضرت عیسیٰ کو غسل دینے کی جگہ ہے اور ہنڈولہ بھی رکھا ہوا ہے۔ عیسائی اس کا طواف کرتے ہیں اور شوال کے مہینے میں انکا ہجوم ہوتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں یوحنا حواری کی قبر ہے۔ وہ غار بھی یہیں ہے جہاں صلیب پھینکی گئی تھی اور پھر دوبارہ برآمد ہوئی تھی۔

اس کے علاوہ یہودیوں کا بھی یہ متبرک مقام ہے۔ مسجد اقصیٰ کی غربی دیوار تو یہودیوں کے رونے کے لئے مخصوص ہے۔ یہ ہیکل سلیمانی کا حصہ ہے اور ہر جمعہ کی دوپہر سے سنیچر کی شام تک یہودی وہاں جمع ہوکر کچھ پڑھتے ہیں اور روتے ہیں۔ جب انکا کوئی عالم آتا ہے تو رلائی اور بھی شدید ہوجاتی ہے"

بہت دیر تک ادھر ادھر گھومنے کے بعد اب یہ لوگ ایسے پہاڑ پر چڑھ رہے تھے جس پر زیتون کے درختوں کی کثرت تھی ان درختوں کے نیچے بہت سے فقیر اپنے گلوں میں صلیبیں ڈالے ہوئے لیٹے ہوئے ان کے

منڈے ہوئے سر سیاہ پتھروں پر خوب چمک رہے تھے۔

"یہ جبل زیتون ہے اور عیسائیوں کا مقدس مقام ہے" حسن نے کہا "اسی پہاڑ پر وہ گرجا بھی ہے جس میں حضرت عیسیٰ کو مصلوب کیا گیا تھا۔ یہ زیتون کا جنگل حضرت موسیٰ کے زمانہ کا ہے اور یہاں دو ہزار برس پرانے درخت تک ہیں۔"

"واقعی ہوگا" حشام نے کہا، "دیکھئے بعض درختوں کی جڑیں ایسی معلوم ہو رہی ہیں جیسے پتھر کی ہوں"

"اور یہ پہاڑی سلسلہ کہاں تک چلا گیا ہے" عمر نے پوچھا۔

"پچاس میل سے زیادہ ---- اس کے نیچے نیچے بحر لوط[سلہ] لہریں مارتا ہوا چلا گیا ہے۔ اس سمندر کا پانی بالکل کڑوا ہے اسی لئے کوئی سمندری جانور اس میں نہیں ہے۔ اسکا پانی بھی اس قدر بھاری ہے کہ کوئی چیز اس میں ڈوب نہیں سکتی۔ اگر کوئی آدمی اس پر چت ہو کر لیٹ جائے تو میلوں اسی طرح بہتا ہوا چلا جائیگا۔"

اب سورج نے آگ کے گولے کی سی شکل اختیار کر لی تھی اور برابر سرخ ہوتا جا رہا تھا۔ گرمی اور تپش سے ہر شخص کا برا حال تھا۔ اسی پہاڑ سے بوڑھے آدمیوں کی ایک طویل قطار نیچے وادی میں اترتی ہوئی نظر آئی ان میں سے ہر آدمی ایک دوسرے کا کندھا پکڑے ہوئے تھا۔

سلہ DEAD SEA

کچھ لوگ سر اوپر اٹھائے ہوئے تھے اور کچھ لٹکائے ہوئے تھے ۔۔ یہ سب اندھے تھے۔

"وہ دیکھو" حسن نے ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "ہماری حالت بھی بالکل ان لوگوں کی سی ہے جو منہ اٹھا کر زمین پر چلتے ہیں ۔۔ دراصل ہم سب اندھے ہیں ۔۔ ہم جن چیزوں کو متبرک سمجھتے ہیں وہ سوائے پتھروں اور گلی سڑی ہڈیوں کے اور کچھ نہیں ہے ۔۔ دنیا میں زندہ انسان کو جو قدرت حاصل ہے وہ کسی کو نہیں ہے ۔"

"لیکن سب سے بڑی قدرت تو خدا کو حاصل ہے" عمر نے فوراً اعتراض کیا "اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر"

"قطعی نہیں[1] ۔۔ اس کی کوئی صفت ہی نہیں[2] ۔۔ اگر اس میں صفات ہوں تو وہ مخلوق جیسا ہو جائے اور فوراً تشبیہہ لازم آجائے ۔۔"

"اور جو صفات اس کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں ؟"

"وہ اس لئے نہیں کہ اس میں موجود ہیں بلکہ اس لئے کہ اس نے وہ صفات دوسروں کو عطا کی ہیں وہ قادر صرف اتنا ہی ہے کہ اس نے

---

[1] اسمٰعیلی عقائد ۔۔ حسن نے مسلمانوں کے خدا کو یونانی فلسفیوں کے خدا کی طرح مجرد عن المادہ کے درجے تک بڑھا کر معرّیٰ و معطّل سا بنا دیا تھا۔

(شرر ۔ حسن ابن صباح صفحہ ۳۵)

[2] نعوذ باللہ۔

دوسروں کو قدرت عطا کی ہے ۔۔۔ خدا کے ساتھ ہم لفظ وجود تک بھی منسوب نہیں کر سکتے۔ نہ ہم اسے موجود کہہ سکتے ہیں اور نہ غیر موجود۔"

"نعوذ باللہ" عمر نے کہا اس کے سارے جسم میں اس وقت جھرجھری سی آگئی تھی اس بحث کو ختم کرنے کے لئے وہ آفتاب کی طرف دیکھنے لگا حسّام اپنی داڑھی پر انگلیاں پھیر رہا تھا لیکن وہ بھی خاموش تھا زمین اس وقت آگ اگل رہی تھی لیکن حسن پر مسلسل بکواس کا عالم طاری تھا۔

"میرا خدا انسانی سمجھ سے بالاتر ہے" گذشتہ مذہبوں میں جو کچھ بھی رہا ہو لیکن میں کافی مطالعہ اور چھان بین کر کے اس نتیجہ پر پہونچا ہوں کہ ابتدائے عالم سے اب تک سات[1] ناموس الٰہی یعنی پیغمبر ظاہر ہوئے ہیں ہر پیغمبر نے گذشتہ پیغمبر کے مذہب میں ترمیم و تنسیخ کی ۔۔۔ ان ساتوں پیغمبروں کے ساتھ ایک خاموش پیغمبر بھی ہمیشہ رہا ہے جس کا فرض یہ تھا کہ بغیر کسی ترمیم و تنسیخ اور تغیر و تبدیل کے اپنے ساتھ والے پیغمبر کے دین کو مضبوط کرے۔

وہ سات ناموس الٰہی یہ تھے آدمؑ۔ نوحؑ۔ ابراہیمؑ۔ موسیٰؑ۔ مسیحؑ۔ محمد (صلعم) اور اسمٰعیل بن جعفر صادق اور ان کے ساتھ والے خاموش پیغمبر تھے شیثؑ سامؑ۔ اسمٰعیلؑ۔ ہارونؑ۔ شمعونؑ۔ علیؑ ابن ابی طالب (کرم اللہ وجہہ) اور محمد بن اسمٰعیل ابن جعفر صادق ۔۔۔ ہر خاموش پیغمبر نے ترویج دین کیلئے

---

[1] یہ باطنی عقائد تھے ان کا مذہب شیعان علی یا شافعیوں اور اثناعشریوں سے کوئی تعلق نہیں رکھتا تھا۔

بارہ داعی ہمیشہ مقرر کئے

"کیا یہی داعی بارہ امام تھے" عمر سے نہ رہا گیا تو اس نے پوچھا۔

"نہیں ـــ یہ تو اماموں کے نقیب ہوتے ہیں ـــ اماموں کے لئے بارہ کی قید نہیں ہے۔ اماموں کا سلسلہ بھی سات سات کا ہی ہمیشہ رہا ہے سات امام ختم ہونے کے بعد دوسرے سات ہوئے، پھر تیسرے سات۔ پہلے سات اماموں کا تکملہ اسمٰعیل نے کیا ہے یہ سب امام ظاہر تھے پھر مخفی امام شروع ہوئے جن میں محمد مکتوم۔ جعفر صادق اور حبیب شامل ہیں اس کے بعد پھر امامین ظاہر کا سلسلہ شروع ہوا جن میں سب سے پہلے امام خاندان فاطمی کے بانی عبیداللہ مہدی تھے۔ دوسرے ابوالقاسم محمد القایم باللہ تھے۔ تیسرے اسمٰعیل منصور تھے۔ پانچویں نزار عزیز اسی طرح یہ سلسلہ المستنصر باللہ تک رہا ـــ اور الحمد اللہ المستنصر سے یہ سلسلہ مجھ تک قائم ہے اور اسی طرح قیامت تک قائم رہے گا"

عمر خاموش کھڑا ہوا اس لایعنی بکواس کو سنتا رہا

"میں نے یہ ساری تفصیلات اس لئے بتائی ہیں کہ مجھے تم سے انسیت ہے" حسن نے سلسلہ کلام جاری رکھا" میں چاہتا ہوں کہ تم دین کے صحیح راستہ پر چلو ـــ اس کے علاوہ اگر تم مجھ سے مل جاؤ تو میں دنیا کو تہ و بالا کر سکتا ہوں"

"میں تمہاری باتوں پر غور کرونگا" عمر نے کہا" اس قسم کے معاملات کو اچھی طرح سوچنے سمجھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔"

اب آفتاب بھی غروب ہو گیا تھا حسن کو خاموش دیکھکر حشام نے اطمینان کی سانس لی۔ اسی وقت ان لوگوں نے اپنے پیچھے قدموں کی آواز سنی۔ شاہی باڈی گارڈ کے سپاہی جو عمر کے ساتھ آئے تھے تقاضہ کیلئے آرہے تھے کہ اب شام ہو گئی تھی اور کیمپ میں واپس ہونے کا وقت ہو گیا تھا۔

عمر نے کیمپ میں پہونچکر غسل کے بعد کھانا کھایا۔ وہ آج تھک بہت گیا تھا اسلئے بجائے کتاب لکھنے کے سونے کا ارادہ کر رہا تھا کہ اسکے خیمہ میں حشام داخل ہوا اس کے پیچھے پیچھے ایک غلام تھا جس کے سر پر ایک گٹھری تھی۔

"یہ حقیر سا تحفہ ہماری ملاقات کی یادگار کا ہے" حشام نے کہا۔
"ایک کپڑے کا سوداگر کپڑے کے علاوہ کیا تحفہ دے سکتا ہے"
"حسن کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے" عمر نے پوچھا۔
حشام اپنی داڑھی پر ہاتھ پھیرنے لگا "مجھے تو وہ پاگل معلوم ہوتا ہے" اس نے جواب دیا "حالانکہ اس سے ملنے والا ہر شخص اس کی عقل کی تعریف کرتا ہے۔ خدا ان لوگوں پر رحم فرمائے اور حسن کو راہ راست پر لادے۔ میں نے کارواں سرائے میں کچھ سنا تھا اسی سلسلہ میں اس وقت میں حاضر ہوا ہوں"

"کیا سنا تھا؟"

"یہ معلوم ہوا ہے کئی مہینے ہوئے یہاں سے مشہد کا سوداگر ابوالقاسم

مع اپنی نئی بیوی کے گذر اتھا جس کو وہ نیشاپور سے لایا تھا ——" وہ عمر کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

"پھر وہ کس طرف گیا؟"

"وہ تھوڑے دن حلب میں رہا پھر شمال کی طرف چلا گیا —— یہ کئی مہینہ کی بات ہے"

"آپ نے مجھے بڑی خوشخبری سنائی ہے" عمر نے ممنون نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا "میرے لائق کوئی خدمت؟"

"میرا تو کوئی کام نہیں ہے" حشام نے ہچکچاتے ہوئے کہا "لیکن حسن کا خیال رکھئے گا —— وہ آپ کے مکتب کا ساتھی اور دوست ہے —— ممکن ہے کہ کسی وقت اس کو آپ کی مہربانیوں کی ضرورت ہو"

جب حشام چلا گیا تو عمر نے اٹھ کر صندوق سے وہ خط نکالا جو آج دوپہر کو نیشاپور سے آیا تھا اور امیر عزیز نے بتایا تھا کہ اس نے وہ خط عمر کے صندوق میں ڈال دیا تھا۔ اس نے خط کھول کر دیکھا وہ نظام الملک، کا تھا۔ وزیر اعظم نے لکھا تھا:۔

—— تم اپنے سفر میں باطنی لوگوں سے ہوشیار رہنا۔ یہ ایک نیا فرقہ ہے جس کے مبلغ واعظوں، درویشوں اور تاجروں کے بھیس میں تمام اسلامی ممالک میں پھیل رہے ہیں —— ان کے کافرانہ عقائد بہت ہی خطرناک ہیں۔ یہ لوگ قرآنی مذہب میں مختلف قسم کے شبہات وشکوک پیدا کر کے قرآن کو ناقابل عمل سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ اسمٰعیل بن جعفر صادق کو بھی

بھی مانتے ہیں اور محمد مکتوم بن اسمٰعیل کو بھی اور ان دونوں کو آنحضرت صلعم کا ہم رتبہ خیال کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک اماموں کی تعداد سات سات کے حساب سے چلتی ہے اور بانی دولت عبیدیہ کو ساتواں امام سمجھتے ہیں۔ ان لوگوں کے اس عقیدہ سے اسمٰعیلی شیعوں کی سلطنت عبیدیہ کو بھی بہت تقویت حاصل ہو رہی ہے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ احکام شرعی فلسفہ اور عقل کے تابع ہیں یعنی فلسفہ ہی شرع پر حاکم ہے۔ یہ لوگ علم جفر پر بہت زور دیتے ہیں اور اس فن کو رمز ربانی تصور کرتے ہیں۔ حرکات و افعال انسان کے باہمی اتحاد کا سبق اپنے پیروؤں کو دیتے ہیں ان کے نزدیک جرأت ہر امر میں اور ہر کام میں ضروری ہے۔ یہ لوگ اپنے حصول مقصد کیلئے ہمیشہ پوشیدہ کارروائیوں اور نہاں در نہاں سازشوں سے کام لیتے ہیں۔ آجکل ان سازشوں کا خراسان اور خاص طور پر نیشاپور میں بہت زور ہو رہا ہے۔ خدا کرے جلد سے جلد اپنے کیفر کردار کو پہونچیں۔

میں نے تم کو صرف اس لئے لکھا تھا کہ ہوشیار کر دوں کہ ان کی چکنی چپڑی باتوں میں ہرگز نہ آنا اور نہ ہمدردی یا پرانے ساتھی ہونے کے خیالوں پر غور کرنا۔ فقط نظام الملک۔

عمر نے اس خط کو دوبارہ غور سے پڑھا اور پھر تہہ کر کے لفافہ میں رکھ دیا۔ اس میں شبہ نہیں کہ نظام کی خفیہ بہت زبردست تھی اس نے وہ باتیں لکھ دی تھیں جو نہایت پوشیدہ تھیں لیکن وہ حفظ ما تقدم کے طور پر انکا توڑ ابھی سے کرنا چاہتا تھا۔

۱۶

سولھواں باب

حلب میں

اپنی گدڑیوں میں لپٹے ہوئے وہ جامع مسجد کے حوض کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے۔۔۔ یہ چھ فقیر تھے جو ہر آنے اور جانے والے کے سامنے ہاتھ پھیلا کر بھیک مانگ رہے تھے ان فقیروں میں ایک کوزہ پشت بھی تھا جو ایک بوسیدہ کمبل اوڑھے ہوئے تھا۔ برقع پوش عورتیں آپس میں باتیں کرتی ہوئی وہاں سے گذر رہی تھیں۔ لڑکیوں کے ساتھ ان کے بھائی یا کنیزیں ہوتیں۔۔۔ کئی عرب دوسری طرف سے آ رہے تھے۔

"بابا غریب پر رحم کرو۔۔۔" کوزہ پشت نے سوال کیا "اللہ کے نام پر ایک درم۔۔۔ بابا اللہ کے نام پر" ان میں سے عرب نے ایک درم اپنی جیب سے نکال کر اس کے ہاتھ پر رکھا اور آگے بڑھ گیا۔

"یاہو۔۔۔ یاحق۔۔۔ اللہ کے نام پر غریبوں کو۔۔۔ کھانا کھلا دو۔" کئی فقیروں کے ملی جلی آوازیں آ رہی تھیں۔ ایک راستہ چلتے ہوئے عرب نے کچھ دینے کا ارادہ کیا تو ایک ملا نے منع کیا "ان ہٹے کٹے لوگوں کو دینے سے کیا فائدہ" اس نے کہا "اس سے تو بہتر یہی ہے کہ کسی مدرسہ یا مسجد میں دیدو۔۔۔" دونوں آگے بڑھ گئے ایک عورت ان فقیروں کے پاس

آکر رک گئی، اور اس نے اپنی گود سے کچھ روٹیاں اور کباب نکالکر سب فقیروں کو تقسیم کئے۔

اسی وقت عمر بھی وہاں سے گذرا، وہ ایک عربی النسل مشکی گھوڑے پر سوار تھا اور اسوقت سلطان کے پاس سے آرہا تھا۔

"اوہ ـــ خواجہ ـــ خواجہ" کوزہ پشت اسکو دیکھتے ہی اسکی طرف بھاگتا ہوا دوڑا۔ جس وقت اس نے عمر کے رکاب کو پکڑا تو اسکی انگلیاں کانپ رہی تھیں "خدا کے لیے ایک منٹ کیلئے رک جایئے ـــ تین برس ہوئے میں نے آپ کو دیکھا تھا سرکار ـــ اب یاد آیا آپ کو؟ سلطان العالم کی شہادت کے موقع پر نیشاپور کے چشمہ پر"

عمر کو فوراً یاد آگیا کہ وہ بختیار تھا شاہی مسخرہ ـــ سلطان الپ ارسلان کا منہ چڑھا خادم "اوہ بختیار ـــ یہ تم ہو!" عمر نے آنکھیں حیرت سے پھیلاکر کہا "یہ کیا حالت بنا رکھی ہے تم نے! وہ تمہارا سفید خچر کیا ہوا؟"

"مقدر پر کس کا زور ہے آقا" بختیار نے کہا "اب میں ان فقیروں کے ساتھ رہ کر اپنی زندگی کے دن گذار رہا ہوں ہر حالت میں شکر ہے خدا کا" میں آپ کے پاس پہلے بھی حاضر ہوا تھا" بختیار نے دوبارہ کہا۔ لیکن آپ نہ مل سکے ـــ وہ پیغام اور نشانی میں نے دوسرے آدمی کو سپرد کر دی تھی اور اس کو تاکید کر دی تھی کہ آپ کو دے دی جائے اسکو کئی مہینے ہو گئے۔

"کیسی خبر ـــ اور کیسی نشانی ؟"

"ایک جوشن تھا چاندی کا جس میں فیروزے جڑے ہوئے تھے اسکے ساتھ ہی یہ پیغام تھا کہ ابوالقایم سوداگر اپنی بیوی کو حلب کی طرف لئے جارہا ہے"

"مجھے کچھ نہیں معلوم ـــــ" عمر نے بےچین ہوکر تعجب سے پوچھا "وہ جوشن اور پیغام تم نے کس کو دیا تھا؟ خواجہ میمون کو یا ملازموں کو؟"

بختیار نے سر کو جنبش دی "وہ ایک موٹا تازہ آدمی تھا ـــ میرے زمانہ میں تو وہ تھا نہیں بعد کو شاید کسی سرکاری عہدہ پر ہوگیا تھا ـــــ میں نے اکثر آپ کے ساتھ ہی اس کو دیکھا تھا ـــــ وہ اکثر گہرے نیلے رنگ کا عمامہ باندھتا تھا"

"اوہ ـــــ اب سمجھ گیا میں ـــــ وہ مردود تکش تھا ـــــ اور مجھ سے اس نے جھوٹ بولا تھا ـــــ جھوٹا کمبخت"

"اب میں مہینوں سے آپ کا انتظار کررہا تھا" بختیار نے کہا "کئی برس کے بعد اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آئی تھی ـــــ میں اسکو آپکے یہاں لیجاتا لیکن مصیبت یہ تھی کہ نوجوان اور خوبصورت لڑکی کو میں نیشاپور تک کیسے لیجاتا ـــــ اس کے علاوہ ہمارے پاس ایک کوڑی بھی نہیں تھی ـــــ اسے یقین تھا کہ آپ ضرور آئیں گے ـــــ کیا آپ اپنی یاسمین کو بھول گئے؟

عمر نے بختیار کا دبلا پتلا بازو مضبوطی سے پکڑ لیا "کیا وہ یہاں ہے ـــــ اب بھی ـــــ جلدی بتاؤ" اس کے لہجہ میں بے یقینی تھی ـ اور شدت

جذبات سے اسکا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔

"میں اس کے لئے بھیک مانگتا ہوں" بختیار نے روٹی کا ٹکڑہ عمر کو دکھایا" ہر شام وہ مجھ سے پوچھتی ہے کہ آپ آئے یا نہیں"

"مجھے اس کے پاس لے چلو"

عمر کے گھوڑے کی لگام پکڑے ہوئے بختیار اس کو ایک گلی میں لے گیا وہ روٹی کے ٹکڑے کو اب بھی مضبوطی سے تھامے ہوئے تھا" اسکو بیماریوں نے بالکل گھلا دیا ہے" بختیار نے ایک دروازہ پر رکتے ہوئے کہا" آپ ایک منٹ یہاں ٹھہریں۔ میں اس کو اطلاع کر دوں"

عمر گھوڑے سے اتر کر اس کی پشت سے سر ٹکا کر نامعلوم کیا سوچنے لگا اس کی یاسمین —— جان و دل سے پیاری یاسمین یہیں اور اس کمرہ میں موجود تھی یہ سوچکر اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا —— جب بختیار واپس آیا تو وہ اپنی آنکھیں پونچھ رہا تھا۔

"عجیب تماشہ ہے" بختیار بڑبڑانے لگا" آپ کے لئے وہ برسوں سے بیقرار رہی تھی لیکن اب آپ کے آنے کی خبر سن کر رونے لگی۔ اس کے پاس پہننے کے لئے کوئی ثابت لباس تک نہیں ہے"

تاریک سیڑھیوں پر چڑھتا ہوا عمر اوپر پہونچ گیا۔ دو تین گز کی یہ چھت تھی جس پر چھپر پڑا ہوا تھا اس چھپر پر دو تین گیلے کپڑے سوکھنے کے لئے پڑے ہوئے تھے اور اس کے نیچے یاسمین لیٹی ہوئی تھی —— عمر صرف اسکی آنکھوں کو ہی دیکھ سکا کیونکہ پورے جسم پر اس نے ایک بوسیدہ ٹاٹ

اوڑھ رکھا تھا۔ ایک ہی جوڑا تھا جو چھپر پر سوکھ رہا تھا۔

"افسوس کہ میرے پاس کوئی کمبل تک نہیں ہے جو میں تمہارے نیچے بچھا دوں —" شدت جذبات سے یاسمین کے حلق سے پورے الفاظ نہیں نکل رہے تھے۔ کئی سکنڈ تک ساکت رہنے کے بعد وہ رونے لگی۔

جب ذرا ہوش و حواس درست ہوئے تو عمر نے اسکی طرف دیکھا — اب وہ پہلی والی یاسمین نہیں تھی اسکا چہرہ بالکل زرد ہو گیا تھا رخساروں میں گڈھے پڑ گئے تھے — اس کے بالوں کی خوشبو اور آنکھوں کی سیاہی صرف یہی دو چیزیں ایسی تھیں جن سے پرانی یادیں وابستہ ہو سکتی تھیں۔ عمر سکتہ کے عالم میں بیٹھا ہوا اس کا چہرہ تک رہا تھا

"میں نے تمہاری یاد میں نا معلوم کتنی راتیں تارے گن گن کر گذاری ہیں" وہ بولی "کیونکہ یہ وہی تارے تھے جو تمہاری رصد گاہ سے نظر آتے تھے لیکن میں مجبور تھی یہ ستارے بھی میرا پیغام تم تک نہیں پہونچا سکتے تھے اب تو میں بہت سے ستاروں کے نام تک بھول گئی ہوں" یاسمین سانس لینے کے لئے ایک لمحہ کے واسطے رکی "بختیار سے یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ تم نے سلطانی دربار میں بڑا مرتبہ حاصل کر لیا ہے — اوہ — تمہاری عبا کا کام کتنا عمدہ ہے!"

"میں آج ہی تمہارے لئے ریشمی کپڑے کے تھان لاؤں گا اور کارچوبی سلیپر بھی۔"

"اور اخروٹ بھی —" یاسمین نے مسکراتے ہوئے کہا اور

عمر کی سواری کے خوبصورت جوتوں کو بہ اشتیاق نظروں سے دیکھنے لگی کاش کہ میں پہلے کی طرح تندرست ہوتی ـــ میری خوبصورتی نو گئی ہوتی۔"

"میرے لئے تو تم پہلے سے بھی زیادہ حسین ہو گئی ہو ـــ میرے دل و جان کی ملکہ ـــ کاش کہ بجائے تمہارے یہ بیماری مجھ کو ـــ"

یاسمین نے اپنی پتلی انگلیاں عمر کے ہونٹوں پہ رکھ دیں اور اسوقت تک رکھے رہی جبتک عمر نے انکو چوم نہ لیا

"میری طرف دیکھو ـــ سچ بتانا تمہاری شادی ہو گئی یا نہیں" یاسمین نے سنجیدگی سے پوچھا۔

عمر نے سر کو جنبش دی "نہ ہوئی ہے ـــ اور نہ آئندہ کبھی ہوگی"

یاسمین کے مکمل چہرہ پہ رونق آگئی "میری شادی زبردستی کر دی گئی تھی" اس نے کہنا شروع کیا "مجھے فرار ہونے کا بھی موقعہ نہ مل سکا ـــ جب بھی ابوالقایم مجھے آغوش میں لیتا میں بیہوش ہو جاتی ـــ کئی بار میں نے بھاگنے کی کوشش کی لیکن ہر بار پکڑی گئی ـــ اس کمبخت نے مجھے مارا ـــ پھر تو ہر وقت مارتا رہتا تھا ـــ مجھے بخار آگیا اسی حالت میں سفر جاری رہا ـــ بعض وقت تو مجھے یہ بھی معلوم نہ ہوتا تھا کہ میں کہاں تھی اور اب کہاں ہوں ـــ ایک کوہستانی سرائے میں مجھے بختیار نظر آگیا اس غریب نے میرے اوپر ترس کھایا اور یہ وعدہ کر لیا کہ وہ میرا پیغام اور جوشن تم تک پہونچا دیگا ـــ اس کے کئی مہینے کے بعد میرا خاوند مجھ سے خفا ہو گیا اسکو خیال تھا کہ میں کسی اور سے محبت کرتی ہوں

۔۔۔ اس نے گواہوں کے سامنے مجھے طلاق دی اور چلا گیا ۔۔۔ اسوقت میں شدید بیمار تھی وہ بے ایمان مجھ سے جان چھڑا کر بھاگ گیا پھر تین مہینے تک ادھر ادھر سڑکوں پر پھرتی رہی آخرکار یہ بختیار دوبارہ مل گیا اب تین مہینے سے یہ میرے لئے بھیک مانگ کر کھانے کا بندوبست کرتا ہے اور میں چوبیس گھنٹے تمہاری یاد میں اس چھت پر پڑی رہتی ہوں" کمزوری کی وجہ سے یاسمین کی سانس پھول گئی تھی۔

"اب فکر نہ کرو ۔۔۔ میں تو آہی گیا ہوں"

"لیکن اب تو میں ایک ایسی عورت ہوں کہ جسکا نہ کوئی والی ہے نہ وارث ۔۔۔ برادری والے بھی اب مجھے اپنے گھر میں گھسنے نہ دیں گے"

"اوہ!" عمر ہنسنے لگا" اب پھر تم کسی کی بیوی بننے والی ہو ۔۔۔ صرف ایک گھنٹہ بعد"

"مجھ سے شادی کرنے پر کون تیار ہوگا جس کے پاس نہ تندرستی ہے اور نہ مال و زر"

"کوئی تو اللہ کا بندہ ہوگا" عمر نے کہا اور نیچے اتر کر سڑک پر آگیا جہاں بختیار اس کے گھوڑے کے پاس کھڑا ہوا تھا۔

"آج شام کو میں یاسمین سے نکاح کر رہا ہوں" اس نے بختیار سے کہا" تم حلوائی اور نانبائی کے یہاں چلے جاؤ اور وہاں سے کچھ مٹھائیاں اور کھانے کے خوان لے آؤ ۔۔۔ لو یہ پچاس دینار ہیں ۔۔۔ اسکے علاوہ شربت کا سامان برتن ۔ دریاں ۔ قالین اور دوسری چیزیں بھی لے لینا۔

اپنے ملنے جلنے والوں کو کھانے پر مدعو کر دینا ـــــ چند ناچنے اور گانے والوں کی بھی خبر کر دینا ـــــ روشنی کا انتظام بھی تم کو ہی کرنا ہے ـــــ تم اپنے لئے کپڑے اور جوتا بھی خرید لینا یاسمین کے لئے زیورات اور کپڑے میں خود لیتا آؤں گا ـــــ۔

بوڑھے مسخرہ نے سارا کام نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیا۔ سارے مہمانوں کو عزت کے ساتھ بٹھایا گیا اس مکان کے سامنے والے میدان میں شامیانہ لگا دئے گئے تھے اور سینکڑوں قندیلوں سے وہ جگہ بقعۂ نور بنی ہوئی تھی۔

عمر یاسمین کے تصور میں محو بیٹھا تھا اس کے برابر ہی میں وہ بھی دلہن بنی ہوئی برقع اوڑھے بیٹھی تھی جب قاضی نے خطبہ پڑھا اسوقت عمر چونکا اس نے دیکھا کہ قاضی کے سامنے کھجوریں سینی میں رکھی ہوئی تھیں اور وہ عمر کی طرف مخاطب تھا۔

ـــــ علقمہ ابن سلیمان کی لڑکی یاسمین کو بالعوض سو دینار سرخ مہر معجل تم قبول کرتے ہو؟"

"جی ہاں ـــــ میں نے قبول کیا۔

"اور جہیز ـــــ میرا مطلب ہے کوئی رقم یا جائداد؟"

قاضی کے پیچھے بیٹھا ہوا منشی ایک رجسٹر میں اندراج کر رہا تھا۔

"رقم ـــــ جائداد؟" عمر مسکرانے لگا "رات کے مانند سیاہ بال۔ چیتے کی سی کمر ـــــ محبت کرنے والا دل اس کے علاوہ کیا چاہئے ـــــ

جلدی کیجیے۔"

"اوہ ۔۔۔ لکھ لو کوئی چیز محسوس باللمس سے نہیں ہے" قاضی نے منشی کو تذبذب میں دیکھ کر کہا۔ "اور آپ محترمہ کو کیا دے رہے ہیں؟"

"ہر چیز ۔۔۔ جو کچھ بھی میرے پاس ہے۔"

"معاف کیجیے جناب ۔۔۔ شادی کی شرائط میں معین چیزیں لکھی جاتی ہیں ۔۔۔ قانون کی نظر میں "ہر چیز" کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ ہمیں ہر شے کی فہرست علٰحدہ علٰحدہ اور واضح طور پر بنانا ہوگی ۔۔۔ کتنی زمین ہے کہاں کہاں واقع ہے ۔۔۔ اس پر کون کون سی عمارتیں بنی ہوئی ہیں۔ انکی اندازاً آمدنی اور قیمت کتنی ہے ۔۔۔ پھر منقولہ چیزوں کی فہرست تیار کی جائیگی ۔۔۔ کپڑوں کے تھان ۔۔۔ مشک کے نافے ۔۔۔ اونٹوں کی تعداد ۔۔۔ کتنے غلام اور کنیزیں ان سب کی قیمت کا اندازہ اور ۔۔۔"

"خدا کے لئے آج تو ان باتوں کو رہنے دیجئے" اس نے اشرفیوں کی ایک سینی قاضی صاحب کو نذر کرتے ہوئے کہا "کل آپ منشی جی کو بھیج دیجئے گا میں ساری تفصیلات لکھا دوں گا۔"

اسی وقت بختیار کھانے کے خوان اٹھالایا اور سارے مہمان کھانے میں مشغول ہو گئے۔ کھانے کے بعد شربت سے سب کی تواضع کی گئی۔

"اچھا قاضی صاحب اب نکاح تو ہو چکا ۔۔۔ اب یہاں ناچ رنگ ہوگا ۔۔۔ بہت سے آدمی تماشہ دیکھنے کے لئے بیٹھے ہیں کہ آج خیمہ دوز کے لڑکے نے دلہن پائی ہے" فرط مسرت سے عمر پر اس وقت

ہذیانی کیفیت سی طاری تھی

آدھی رات کے وقت اس نے یاسمین کو گود میں اٹھا کر پالکی میں سوار کیا یہ پالکی اس نے عمر عزیز سے مانگ لی تھی اور خود گھوڑے پر سوار ہو کر کیمپ میں آگیا۔

وہ رات، پلک جھپکاتے گذر گئی وہ یاسمین کے برابر لیٹا ہوا اسکے ریشمی بالوں میں انگلیاں ڈال کر کھیلتا رہا۔۔۔ آفتاب کی کرنیں اس خیمہ میں آتے ہوئے شرما رہی تھیں۔۔۔ یاسمین کا سفید و نازک ہاتھ اس کے سر کے نیچے تھا اور ریگستانی پھولوں کی بھینی بھینی مہک باہر سے آرہی تھی۔

"مجھے ڈر لگ رہا ہے کہ کوئی مجھے تم سے چھین نہ لے" یاسمین نے اپنا چہرہ عمر کی طرف کرتے ہوئے کہا اس کی آنکھوں میں اس وقت سرخ ڈورے پڑے ہوئے تھے۔

"نہیں۔۔۔ ہم دونوں نیشاپور چلیں گے ۔۔۔۔ اپنی رصدگاہ میں۔ میں آج ہی سلطان سے جانے کی اجازت لے لونگا۔"

"کیا تم واقعی ایسا کر سکو گے!" یاسمین کی نگاہوں سے کوئی انجانا خوف ظاہر ہو رہا تھا۔۔۔ "اوہ یہ تو میں بھول ہی گئی تھی کہ تم مستقبل کا حال جان لیتے ہو۔۔۔ افسوس۔۔۔ تم نے کتنے زیورات اور بیش قیمت کپڑے خرید لئے۔۔۔ شاید برسوں تک مجھے کوئی چیز خریدنے کی ضرورت نہ ہوگی۔"

"تم تو میری زندگی ہو۔" عمر نے اسے آغوش میں لیتے ہوئے کہا "تین سال سے میری روح تمہارے لئے بیقرار تھی۔"

اب کافی دن نکل آیا تھا اور آنے والے دن کی ٹھنڈی ہوا میں کچھ گرمی آ چلی تھی۔

"خدا کا شکر ہے مصیبت کے دن ختم ہو گئے اور اب ـــــ" عمر نے کہا لیکن یاسمین کی آنکھوں میں آنسو دیکھکر فوراً ہی رک گیا

"جو کچھ بھی ہوا بہت دیر میں ہوا" یاسمین نے ٹھنڈی سانس لیکر کہا "اب مجھ میں کیا باقی رہ گیا ہے" اس کے لہجہ سے انتہائی مایوسی کا اظہار ہو رہا تھا۔

"کیا؟" عمر نے سر اٹھا کر کہا "میری روح ایسی باتیں نہ کرو ـــــ آج سے ہماری نئی زندگی شروع ہو رہی ہے ـــــ یہ صبح لمبی ہے اسکے بعد شائد ایسی صبح کبھی نہ آئے ـــــ ہنسو اور خوب قہقہے لگاؤ آج ایسی باتیں کرنا اور رونا بد شگونی ہے"

"میں ہنس تو رہی ہوں" یاسمین نے اپنی سسکی کو ضبط کر کے مصنوعی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"وہ دیکھو ـــــ سلطانی خیمہ کے محافظوں کا دستہ بھی بدل رہا ہے اب ہمیں فوراً تیاری کرنا چاہئے تاکہ سلطان سے اجازت ملتے ہی یہاں سے روانہ ہو جائیں"

سترھواں باب

سفر در سفر

سلطان سے اجازت ملتے ہی عمر نے نیشاپور جانے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اس نے یاسمین کے لئے ایک میانہ بھی حاصل کر لیا تھا جو دو گھوڑوں پر کسا جا سکتا تھا اس کے غلام خرجیوں میں سامان بار کرنے لگے اس نے بختیار کے لئے ایک سفید خچر بھی خرید لیا تھا۔

"اب تم کو دوبارہ بھیک مانگنے کی ضرورت نہ پڑے گی بختیار" عمر نے کہا، "تم اپنی ساری زندگی اطمینان کے ساتھ میرے یہاں گذار سکتے ہو"

بختیار اسکی طرف سنجیدگی سے دیکھنے لگا "لیکن میں آپ سے ایک بھیک اب بھی مانگتا ہوں" اس نے کہا "اس سفر کو فی الحال ملتوی کر دیجئے — یاسمین ابھی تندرست نہیں ہوئی ہے — وہ ابھی تک انتہائی کمزور ہے اسے مکمل آرام کی ضرورت ہے"

"تم تو بیوقوف ہو" عمر نے ہنستے ہوئے کہا "جو سکون اور آرام اسکو اپنے گھر میں مل سکتا ہے یہاں نہیں مل سکتا"

"ہاں میں بیوقوف ہوں — لیکن جو آدمی مصائب اور تکالیف سے گزر چکا ہو وہی دوسروں کی تکلیف کا اندازہ کر سکتا ہے — اب

جو آپ چاہیں کریں میں نے اپنا فرض ادا کر دیا۔"

دوسرے دن راستہ میں ٹھنڈ بڑھ گئی تو بختیار اور زیادہ جھنجلایا "آپکی باتوں میں جو آجائے وہ سب سے بڑا بیوقوف ہے" اس نے عمر سے کہا "اب آپ نے اپنی ضد کا نتیجہ دیکھ لیا ۔۔۔ کیا ایک بیمار اتنی ٹھنڈ کو برداشت کر سکتا ہے۔"

اسی رات یاسمین کو شدید جاڑے کے ساتھ بخار آگیا۔ جب بھی غفلت سے وہ ہوشیار ہوتی عمر کے اضطراب اور بے چینی کو دیکھ کر مسکرانے لگتی۔

دوسری رات انکا قیام فرات کے کنارہ پر ہوا۔ آج کوئی ناؤ نہ مل سکی جس سے دریا کو عبور کیا جاتا۔ ناؤ والوں نے صبح کا وعدہ کیا تھا۔ یاسمین کئی کئی کمبلوں میں دبی لیٹی تھی اس کے رخسار انار کی مانند سرخ ہو رہے تھے اور بھاڑ کے چنوں کی طرح تپ رہے تھے۔ جب عمر خیمہ کے اندر آتا تو اس کی نگاہیں برابر اسکا تعاقب کرتی رہتیں۔

"میں بھی کتنی بدنصیب ہوں" وہ زیر لب بڑبڑا رہی تھی "میں تو آرام سے بستر پر لیٹی ہوں اور وہ میری خدمت کر رہے ہیں ۔۔۔ میری شادی کی چیزیں تو مجھے ایک بار پھر دکھا دو"

اسکا دل بہلانے کیلئے عمر نے کارچوبی شال ۔۔۔ قیمتی کپڑے اور زیورات نکالکر اس کے سرہانے رکھ دیئے ۔۔۔ نیم مدہوشی کے عالم میں وہ ان پر ہاتھ پھیرنے لگی ۔۔۔ عمر نے ایک جڑاؤ ٹیکا اسکو دکھایا جس کے

درمیان میں ایک پیسے کے برابر بے داغ اور شوخ رنگ کا نیلم لگا ہوا تھا

"بہت خوبصورت ہے" اس نے ٹیکے کو ماتھے پر لگاتے ہوئے کہا "کل میں اپنے بال سنوار کر اس کو لگاؤں گی اور —" اسی وقت وہ بے ہوش ہو گئی یہ دورہ اتنا شدید تھا کہ اسکا چہرہ ہلدی کی طرح زرد پڑ گیا تھا عمر نے گھبرا کر بختیار کو آواز دی جس نے آتے ہی یاسمین کی نبض کو دیکھا اور دیر تک اس کے چہرہ کو غور سے دیکھتا رہا۔

"طاعون" وہ بڑبڑایا۔

"نہیں — طاعون نہیں ہو سکتا" عمر نے ہذیانی لہجہ میں کہا "بس صرف تیز بخار ہے — انشاء اللہ صبح تک اتر جائیگا"

"خدا کرے ایسا ہی ہو — اب دعا کیجیے اس جنگل میں اس کے علاوہ اور کیا بھی کیا جا سکتا ہے"

سب سے پہلے تو خیمہ میں آگ جلا دی گئی تاکہ ٹھنڈ کچھ تو کم ہو گرمی پا کر اب یاسمین نے بھی کروٹ لے لی تھی ماحول سے بے خبر عمر اس پر جھکا ہوا تھا اور ایک کونے میں بیٹھا ہوا بختیار یٰسین شریف کی تلاوت کر رہا تھا۔ آدھی رات کے بعد خیمہ کی آگ بھی مدھم ہونے لگی اور خیمہ کی دیواروں پر اس کا عکس بھی ہلکا ہو گیا۔

بختیار نے عمر کی آواز سنی "بختیار ذرا لیمپ تو روشن کر دو — یہ کچھ کہہ رہی ہے اور مجھے پکڑنے کی کوشش کر رہی ہے — خدا کا شکر ہے کہ بخار بھی بالکل اتر گیا ہے —"

بختیار نے جلدی سے لیمپ روشن کیا۔۔۔ یاسمین ابھی تک بیہوش پڑی ہوئی تھی اس کی آنکھیں بالکل بند تھیں اسکے ہونٹ ہل رہے تھے اور ایک ہاتھ عمر کی طرف بڑھا ہوا تھا۔۔۔ بختیار نے کان لگا کر سنا۔ یاسمین کی سانس بند تھی اور ہونٹ ہلنے کا شبہ بھی اب دور ہو گیا تھا۔۔ اس نے لیمپ کو تو زمین پر رکھ دیا اور عمر کے کندھے پر دونوں ہاتھ رکھ دیئے ۔۔۔ لیمپ بھڑک کر خاموش ہو چکا تھا۔

قافلہ کے سارے آدمی عمر کے خیمہ کے باہر جمع ہو گئے اسی وقت ریگستان سے ایک شدید آندھی اٹھی جس نے سارے ماحول کو گرد و غبار میں ڈھانپ لیا۔ تیز جھکڑ چلتے رہے اور ہر شخص اپنا چہرہ ہاتھوں سے چھپائے بیٹھا رہا جب آندھی کا زور کم ہوا تو افق مشرق سے سورج کا سرخ گولا چمک رہا تھا۔ بختیار بھی خیمہ سے باہر آکر قافلے والوں کے پاس بیٹھ گیا۔

" وہ ابھی تک خاموش ہیں " اس نے کہا " لیکن وہ ابھی تک اسکی آنکھوں کو گلاب سے دھو رہے ہیں "

" کیا انہیں خبر نہیں ہے کہ وہ طاعون سے مر چکی ہے "

" ہے اس کے عروسی کپڑے اور زیورات پہنا کر انھوں نے خود سفید چادر اس پر ڈالی ہے "

" پھر تو یہی تھا ان کے دل کی بھڑاس نکل جاتی وہ دل بھر کر رو لیتے "

" وہ ہرگز ایسا نہ کریں گے ۔۔۔ وہ ابھی تک زمین پر پڑے ہوئے ہیں

— بالکل ریگستانی پھول کی مانند جو بارش کے بعد کھلتا ہے — افوہ"

اس کے بعد وہ لوگ قبر کھودنے کیلئے چلے گئے صرف دو چار آدمی بختیار کے پاس رہ گئے۔

"خدا رحم کرے" ایک غلام بولا "کہیں خواجہ کے دماغ پر اثر نہ ہوجائے"

"جاؤ بھی یار — دنیا میں ایک سے ایک حسین لڑکی موجود ہے" دوسرے غلام نے کہا "بغداد میں تو سو دینار میں تو ایسی لونڈی مل جائیگی کہ —"

"ملعون — خبیث —" بختیار نے گرج کر کہا "تو سمجھتا کیا ہے۔ تو محبت کو کیا سمجھ سکتا ہے تیرے دماغ کی نالی میں تو بدکاری کے کیڑے رینگ رہے ہیں" وہ فوراً ہی خیمہ میں چلا گیا تھوڑی دیر کے اس نے کئی غلاموں سے میانہ منگالیا جس کو پہاڑ تک لیجانا تھا جہاں قبر تیار ہوئی تھی۔

"آقا — اب روانگی کا وقت ہے" بختیار نے کہا "اب اجازت دیجئے"

دو گھنٹے کے بعد جب عمر خیمہ سے باہر نکلا تو اس کے عمامے کا ایک سرا منھ سے لپٹا ہوا تھا — ایک لمحہ تک وہ صحرائی بگولوں اور دریا کے بھورے پانی کو دیکھتا رہا اور پھر ان آدمیوں کو دیکھنے لگا جو یاسمین کو دفن کر کے واپس آرہے تھے۔

"اس خیمہ میں آگ لگادو" اس نے چیخ کر کہا "اور تم سب لوگ

چلے جاؤ ۔۔۔ یہ سارا سامان بھی اپنے ساتھ لیتے جاؤ ۔۔۔ خدا کیلئے اپنی منحوس صورتوں کو جلد دفعان کرو۔"

"آقا ۔۔۔" بختیار نے احتجاج کرنا چاہا

"تم بھی اپنا منھ کالا کرو ۔۔۔ دیکھ نہیں رہے ہو کہ یہاں طاعون پھیلا ہوا ہے"

ناؤ کنارے پر آلگی اور پورا قافلہ اس میں سوار ہوکر دیکھتے ہی دیکھتے نظروں سے اوجھل ہوگیا عمر جلتے ہوئے خیمے کے دھویں کو دیکھنے لگا ۔۔۔ ابھی جہاں پر پچاسوں آدمی موجود تھے اب وہاں کسی ایک تنفس کا بھی پتہ نہ تھا جہاں تک نظر جاتی تھی چٹیل میدان ہی نظر آرہا تھا۔ قافلہ والوں نے کوئی چیز بھی وہاں باقی نہ چھوڑی تھی ۔۔۔ خیمہ کی آگ اب اسکے دل کو جلا رہی تھی ۔۔۔ وہ اسی کھوئے ہوئے عالم میں دریا کی طرف بڑھنے لگا

"آقا ۔۔۔ آقا" بختیار نے ایک جھاڑی کے اندر سے سر نکالکر کہا "وہ دریا ہے آقا ۔۔۔ اور طغیانی کی وجہ سے اسوقت بہت خطرناک ہورہا ہے"

فرات کے پانی کی تیز و تند موجیں اسوقت عمر کے قدموں سے آکر ٹکرا رہی تھیں۔ تیزی کے ساتھ بختیار اپنی کمین گاہ سے نکلا اور عمر کا بازو پکڑکر کھینچتا ہوا دریا سے دور لے گیا۔ وہ دونوں ایک جگہ بیٹھ کر پانی کے اتار چڑھاؤ اور تیزی کو دیکھنے لگے۔

۱۸
اٹھارھواں باب

المجسطی کا راز

خواجہ میمون اور مظفر اسفزاری اپنے چھ ماتحتوں کے ساتھ عمر کے سامنے مؤدب بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ لوگ تین سال سے رصدگاہ میں کام کر رہے تھے۔ ان دونوں ہیئت دانوں کے سامنے کچھ کاغذات پھیلے ہوئے تھے جن پر مختلف اشکال اور فہرستیں بنی ہوئی تھیں یہ انکی تحقیقات اور مشاہدات کے نتائج تھے۔۔۔ میمون اپنی خشک آواز میں ان نتائج کی وضاحت کرتا جا رہا تھا عمر ایک گاؤ تکیہ سے پشت لگائے بیٹھا تھا وہ آج ہی طویل سفر کے بعد واپس آیا تھا عمر کے پیچھے خستہ حال مسخرہ بختیار بیٹھا ہوا اونگھ رہا تھا۔۔۔ بختیار کو دیکھ دیکھ کر میمون کو غصہ آ رہا تھا کیونکہ علماء ہیئت کے درمیان ایک مسخرہ کی موجودگی تعجب خیز تھی۔

ساری روئداد سننے کے بعد میمون خاموش ہو کر عمر کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

"طلوع آفتاب اور ہمارے قائم کئے ہوئے وقت میں ایک سال کے اندر تین گھنٹہ نو منٹ کا فرق ہو جاتا ہے" آخر کار میمون نے کہا۔

"تین گھنٹہ اور نو منٹ!" عمر نے متعجب ہو کر دہرایا۔

میمون نے نظریں جھکا لیں۔ اس ایک سال میں خواجہ میمون نے جان توڑ کر کوشش کی تھی کہ طلوع آفتاب کا صحیح وقت معلوم کر لیا جائے تاکہ کامیابی کا سہرا اسی کے سر رہے۔

"ایک ہتھوڑا لا کر اس گھڑی کو چکنا چور کر دو" عمر نے کہا "ایسی گھڑی بیکار ہے جس میں اتنا فرق ہو"

"عالی جاہ — گھڑی بالکل صحیح ہے" مظفر نے کہا "میں نے خود اسکا مشاہدہ کیا تھا — آفتاب سے زیادہ سے زیادہ یہ سترہ منٹ کا فرق دیتی ہے — ممکن ہے کہ اس سے بھی کم —

"اوہ — تو گھڑی تو ویسی ہی ہے جیسا میں نے اسکو چھوڑا تھا" عمر نے کہا "پھر کیا بات ہے؟"

"جی ہاں — گھڑی تو صحیح ہے" میمون نے تسلیم کیا۔

"اس کے باوجود بھی تم تین سال میں معلوم نہ کر سکے کہ تین گھنٹہ نو منٹ کا فرق کیوں آ رہا ہے؟"

"ہمارا مقدر —"

"بس تم تو بچوں کو پڑھانے کے لائق ہو — تم تو مدرسہ جا کر اپنا کام کرو" عمر کو غصہ آ گیا۔

اس پھٹکار کو سنتے ہی سارے آدمی انفرادی طور پر وہاں سے کھسک گئے صرف میمون وہاں رہ گیا۔

"آقا — تین گھنٹہ نو منٹ تو معمولی بات ہے" ہچکچا کر بولا۔

"اتنا وقت تو ہم تربوز کھانے میں صرف کر دیتے ہیں"

"تب تو تمہارا درجہ بھی ہیئت میں میمون سے بڑھ گیا ہے" عمر نے مسکراتے ہوئے کہا اب اس کا موڈ بدل گیا تھا اس نے ایک گہری سانس لیکر ان کاغذوں میں سے ایک کو اٹھالیا۔

عمر نے وہ کاغذ رکھ کر دوسرا اٹھالیا اور غور سے اسے پڑھنے لگا "کیا آپ قسم کھا سکتے ہیں کہ یہ مشاہدات صحیح ہیں جبکہ مظفر کا بیان ہے کہ گھڑی بالکل صحیح ہے ۔۔۔ یا تو گھڑی غلط ہے یا تمہاری یہ فہرست"

"گھڑی تو صحیح ہے" میمون نے آہستہ سے کہا "ممکن ہے کہ مشاہدہ کرنے میں مجھ سے ہی کوئی غلطی ہو گئی ہو"

مشاہدہ کیا ہے یا المجسطی کی نقل کی ہے؟ عمر نے تیکھی نظروں سے میمون کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

میمون نے کوئی جواب نہ دیا عمر سمجھ گیا کہ یہ صرف نقل ہی تھی "نقل کیلئے بھی عقل کی ضرورت ہوتی" عمر نے کہا "آپ نے نیشاپور کے عرض البلد کا خیال نہ رکھا حالانکہ یہ مشاہدات تو بطلیموس نے اسکندریہ میں کئے تھے"

"اس پر میں نے غور نہیں کیا تھا ۔ آپ خود ہی ملاحظہ فرمالیں۔ گذشتہ ماہ کے مشاہدات کی فہرست بھی موجود ہے"

ایک کاغذ اٹھا کر عمر نے کچھ حساب لگایا اور پھر اسکو میمون کی فہرست سے ملانے لگا "سیاروں میں کوئی فرق نہیں ہے" اس نے سر کو جنبش دی

"گھڑی پر اعتماد ہے ۔۔۔ اس کے باوجود تین گھنٹہ کا فرق ۔۔۔ اچھا المجسطی تو لائیے۔"

جب المجسطی کے اوراق اس کے سامنے پھیلا دیے گئے تو اس نے میمون کے مشاہدات کا پہلا ورق اٹھا لیا اور سر جھکا کر اس پر مشغول ہو گیا ۔۔۔ بختیار نے خود کو کمبلوں میں چھپا لیا اور خراٹے لینے لگا لیکن میمون خاموشی سے بیٹھا ہوا انتظار کرتا رہا جب لیمپ بھڑکنے لگا تو اس نے اٹھ کر تیل ڈال دیا ۔۔۔ اب دو تہائی رات گذر چکی تھی۔

"تعجب ہے یہ کیسے ہو سکتا ہے" عمر بڑبڑایا اور پھر دوسرا کاغذ اٹھا لیا۔ جب صبح کی روشنی روشندان سے اندر آنے لگی اور لیمپ کی روشنی مدھم پڑ گئی تو عمر نے سر اٹھایا شاید وہ کسی نتیجہ پر پہونچ چکا تھا۔۔۔

"آپ کے حساب میں کوئی غلطی نہیں ہے لیکن پھر بھی فرق آ رہا تھا۔"

میمون نے سر کو جنبش دی "پھر فرق کیوں آ رہا ہے"

"غلطی اس میں ہے ۔۔۔ المجسطی میں"

میمون کا منھ حیرت کی وجہ سے کھل گیا۔۔۔ "اوہ ۔۔۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں ؟ المجسطی میں غلطی ! اتنا زمانہ گذر گیا لیکن آج تک تو۔"

"جی ہاں ۔۔۔ سینکڑوں برس سے مستقل غلطی چلی آ رہی ہے"

"لیکن کس طرح ۔۔۔ اور آج تک کسی کو پتہ نہ چلا!"

"اگر ہمیں غلطی کی وجہ معلوم ہو جائے تو اس کی تصحیح آسانی کے ساتھ ہو سکتی ہے" عمر نے مسکراتے ہوئے کہا اس کی تھکی ہوئی آنکھوں میں

سوچ بچار تھا" لیکن معلوم کیسے ہو اسکندریہ تو سینکڑوں سال ویران رہ چکی ہے۔"

بوڑھے میمون کے چہرہ پر اسوقت گہری مسرت کے آثار تھے۔ اگر بطلیموس کی المجسطی میں کوئی غلطی ثابت ہو جائے تو وہ اس زمانہ کی سب سے بڑی کامیابی ہوتی۔

"اسکا تو مطلب یہ ہوا کہ ابتک ہمارے سامنے مشاہدات بیکار ہوئے" میمون بولا" ہماری تمام تحقیقات کا دارومدار ہی المجسطی پر تھا" اگر کمرہ کا سارا سامان ناچنے لگتا جب بھی شاید اس کو اتنا تعجب نہوتا جتنا اسوقت تھا۔

"وہ غلطی معمولی ضرور ہے لیکن مستقل قسم کی ہے" عمر نے کہا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ غلطی نہ ہو لیکن یہ بات صرف اسی صورت میں معلوم ہوسکتی ہے اگر ہم ایک راز معلوم کرسکیں"

میمون نے سر کو جنبش دی" خدا میں بڑی طاقت ہے — اگر وہ چاہے تو —"

"کاش کہ ہم وہ راز معلوم کر پاتے"، عمر نے کہا پھر یکایک چونک پڑا "اچھا یہ تو بتائیے کہ المجسطی کا عرض اور طول البلد صحیح ہے؟"

"قطعی — ورنہ ہم تیس نسلوں سے اسے استعمال نہ کرتے"

"لیکن بطلیموس کو اپنے چار سیاروں کا علم تو ہو گا وہ انکو اپنی جدولوں میں استعمال کرسکتا تھا لیکن جدول میں انکا ذکر نہیں ہے —

اور یہی وجہ ہماری ناکامی کی ہے" اس نے المجسطی کو دوبارہ دیکھنا شروع کیا "ہم اس کنجی سے اس راز کو حل کر سکتے ہیں"

"انشاء اللہ"

"کیا آپ نے یہ جدولیں نیشاپور کے ارض البلد سے ملائی تھیں" عمر نے پوچھا۔

"نہیں ــــ کیونکہ چاند ستارے جس طرح نیشاپور سے نظر آتے ہیں اسی طرح دوسری جگہ سے بھی نظر آ سکتے حالانکہ انکا زاویہ بدل سکتا ہے"

"ممکن ہے کہ اس مقام سے نظر نہ آتے ہو جہاں المجسطی تیار کی گئی"

"کیا بطلیموس کی رصدگاہ اسکندریہ میں نہیں تھی؟"

"ہاں تھی ــــ اور یہی ہماری غلطی ہے ــــ"

"وہ کیا؟" میمون نے بےچینی سے پوچھا۔

"یہ جدولیں اسکندریہ میں ہرگز تیار نہیں ہوئی ہیں ــــ اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ یہ دوسرے مقام پر تیار کی گئی ہیں اور بطلیموس نے صرف انکو استعمال کیا جیسے ہم کرتے ہیں ــــ بطلیموس کو معلوم ہوگا کہ یہ جدولیں کس ہیئت داں نے بنائی تھیں اور اسی وجہ سے اس کے مشاہدات صحیح ہوتے تھے ــــ بعد کو ساری جدولیں بطلیموس کے نام سے ہی منسوب کر دی گئیں"

خواجہ میمون کی آنکھیں فرط مسرت سے چمکنے لگیں۔ اسکو یہ معلوم

ہو رہا تھا کہ عمر اپنی پراسرار قوت سے فوصدی کے پرانے رازوں کو کھولتا جا رہا تھا۔ نظام الملک نے اس سے پہلے ہی کہدیا تھا کہ عمر ایک عجیب و غریب پراسرار قوت کا مالک تھا۔

"لیکن یہ ہم کس طرح معلوم کرسکتے ہیں کہ ان جدولوں کو کس نے اور کہاں بنایا تھا" میمون نے ٹھنڈی سانس لیکر کہا "ہمارے پاس یہ معلوم کرنے کے کون سے ذرائع ہیں۔ ممکن ہے کہ وہ بابل یا ہندوستان کا کوئی ہیئت داں ہو ۔۔۔ یا کوئی یونانی ہو ۔۔۔ کون جان سکتا ہے؟"

"چند روز کے اندر ہی میں مشاہدات کی جگہ آپ کو بتادونگا" عمر نے جھکے ہوئے لہجہ میں کہا "لیکن اسوقت تو مجھے شدید نیند آرہی ہے" رصدگاہ کے مینار سے اترکر وہ اپنے کمرہ میں پہونچ گیا۔

اس ایک ہفتہ میں ارتفاع شمسی کے ستون کے سائے اور آبی گھڑی سے آفتاب کے طلوع اور غروب کے اوقات کے علاوہ رصدگاہ میں کوئی اندراج نہ ہوا لیکن عمر کا انتھک کام جاری رہا۔ کام کی زیادتی سے اس کے ماتحت بھی تھک کر چور ہوگئے۔ اس عرصہ میں عمر نے یونانی ہیئت دانوں کی مکمل فہرست تیار کرالی تھی۔ مختلف اشکال اور جدولوں سے اوراق کے اوراق سیاہ ہوگئے عمر نے زیادہ تر کام خفیہ طور سے خاموشی کے ساتھ کیا۔ صرف میمون نے اس کے ساتھ کام کیا۔ عمر جو کوئی جدول تیار یا اشکال کھینچتا میمون کو جانچنے کے لئے دیدیتا۔ میمون کے خیال سے وہ بالکل انجانی چیز کیلئے کام کر رہا تھا اسے عمر کی کامیابی کی امید بالکل بھی نہ تھی

عمر اسوقت اس غلطی کا تناسب معلوم کر رہا تھا اور اگر تناسب معلوم ہو تا تو اس نامعلوم رصدگاہ سے اسکندریہ کا فاصلہ بھی معلوم ہو سکتا تھا رصدگاہ نامعلوم اسکندریہ کے شمال میں تھی یا جنوب — سارا کام اندازہ پر ہو رہا تھا آخر کار یہ معلوم ہوا کہ عرض البلد میں پانچ درجہ کا تفاوت تھا

"اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ یہ رصدگاہ اسکندریہ سے پانچ درجہ شمال کی طرف تھی" عمر نے کاغذات کو سنبھالتے ہوئے کہا۔

"لیکن جنوب کی طرف بھی تو ہو سکتی ہے ؟"

"آپ کا اعتراض صحیح ہے — لیکن نقشہ پر نظر ڈالئے — جنوب کی طرف صرف ریگستان اور پہاڑ ہی تھے"

"نیشاپور بھی تو اسی سمت میں آتا ہے شمال کی طرف —" میمون نے کہا "اس کے علاوہ حلب، بلخ اور دوسرے بہت سے شہر"

یہ قطعی بات تھی کہ وہ مقام ہندوستان میں نہیں تھا کیوں کہ ہندوستان نیشاپور کے مشرق میں تھا لیکن سب سے بڑی دشواری یہ تھی کہ وہ لوگ مشرق بعید کے بہت سے قدیم شہروں کے نام بھی نہیں جانتے تھے۔ عمر کو یقین تھا کہ یہ جگہ حلب کے مشرق میں کہیں ہو گی۔

ایک شام جب یہ دونوں اپنے کام میں منہمک تھے تو دروازہ پر کسی شخص کے سلام کرنے کی آواز سنائی دی "السلام علیکم — کہیئے آپ صاحبان کی محنت کا نتیجہ کیا رہا ؟"

عمر نے سر اٹھا کر دیکھا اس کے سامنے تکش کھڑا ہوا مسکرا رہا تھا۔

اس کے سر پر نیلے رنگ کا مخصوص عمامہ تھا۔

"لوگ آپ کی تحقیقات سے بہت دلچسپی لے رہے ہیں" تکش نے کہا" بازاروں۔ کارواں سراؤں اور سڑکوں پر آپ کی رصدگاہ کے متعلق ہر وقت ذکر ہوتا رہتا ہے"

عمر نے قلم میز پر رکھا اور کھڑا ہو گیا " سڑکوں کا نام لیکر تم نے حلب کی سڑک کی یاد دلا دی"

" میں تو آپکا خادم ہوں " تکش نے کہا" آپ کا دوست ــــــ میرے لائق کوئی خدمت ؟ "

" میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ تم نے وہ جوشن کا کیا کیا جس پر فیروزے جڑے ہوئے تھے ؟ "

کوتوال بہت ہوشیار آدمی تھا اسکو فوراً ہی وہ جوشن یاد آگیا جو اس نے چشمہ میں پھینکا تھا۔ ایک لمحہ تک اس کی عقل چکرا گئی کہ کیا جواب دے لیکن جلد ہی اس نے اپنی حالت پر قابو پالیا

" کیا خواجہ مجھ سے مذاق کر رہے ہیں ؟ " اس نے مسکراتے ہوئے کہا" فیروزے جڑے ہوئے تو ہزاروں جوشن بازاروں میں ہونگے "

" جس شخص نے تم کو وہ جوشن لاکر دیا تھا وہ اسوقت اسی کمرہ میں موجود ہے ــــــ اور وہ پیغام بھی تم نے مجھ سے چھپایا جو اس جوشن کے ساتھ تم کو ملا تھا ــــــ افسوس ــــــ اسکی موت سے میری روح بوجھل ہے اس سے کبھی چھٹکارہ نہیں ہو سکتا " غصہ کی وجہ سے عمر کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا

گردن کی رگیں ابھر آئی تھیں اور سارا جسم تھر تھر کانپ رہا تھا۔

وہ تکش کی طرف آہستہ آہستہ بڑھ رہا تھا۔ اس کی نظروں کو دیکھکر کوتوال کانپ گیا۔

"اب تم مجھ سے کہو گے کہ نیشاپور میں ہزاروں لڑکیاں ہیں ـــــ لیکن تم کو معلوم ہے، کہ میں نے صرف ایک بار محبت کی تھی ـــــ یہ جانتے ہوئے بھی تم نے مجھے دھوکہ دیا"

"ننانوے ناموں کی قسم مجھ کو کچھ نہیں معلوم" تکش نے آہستہ سے کہا "میں نے تمہاری محبوبہ کے ساتھ کبھی کوئی برائی نہیں کی ـــــ اوہ ـــــ خواجہ میمون ـــــ میمون ـــــ مدد" اس کے منہ سے گھگھیائی آواز نکلی

عمر نے اسکا گلا پکڑ لیا تھا اور بُری طرح اسے جھنجوڑ رہا تھا۔ تکش ایسے جانور کی طرح پھڑک رہا تھا جو قصائی کی چھری کے نیچے ہو ـــــ عمر کی انگلیاں فولاد کی مانند اسکی جلد میں گڑی ہوئی تھیں اور اسکا دم گھٹا جا رہا تھا ـــــ تکش نے اپنی کمر سے پیش قبض نکال لیا۔ میمون تیزی سے آگے بڑھا لیکن وہ پیش قبض عمر کے لباس کو پھاڑتا ہوا ہڈی تک پہنچ گیا تھا۔ وہ فوراً ہی ڈھیر ہو گیا

تمام ملازمین فوراً دوڑ پڑے اور عمر کو اٹھا کر ایک کوچ پر لٹا دیا گیا۔ اسکا زخم تو گہرا تھا لیکن کوئی خطرہ نہیں تھا کیونکہ شانے پر لگا تھا شاہی طبیب کو بلانے کیلئے ایک آدمی بھیجا گیا کئی غلام خواجہ میمون کو پنکھا جھل رہے تھے کیونکہ وہ بھی بیہوش ہو گیا تھا ـــــ ایک کونے میں تکش کھڑا ہوا کانپ رہا تھا۔

۱۹

انیسواں باب

ملک شاہی تاریخ

خواجہ میمون نے کئی روز تک محنت کی۔ جدولیں تیار کیں نقشے بنائے لیکن بغیر عمر کی شرکت کے وہ سب بیکار ثابت ہوئے۔ اسی لیئے اس نے رصد گاہ جانا بھی ترک کر دیا تھا طبیب نے سخت ممانعت کر دی تھی کہ عمر حرکت نہ کرے بلکہ مکمل آرام کیلئے ہر وقت لیٹا رہے۔ اسے ۹ صفر ۱۰ ابری سے معلوم ہوا کہ کئی راتوں سے اس نے رصد گاہ کی بالائی منزل پر روشنی دیکھی تھی۔ میمون کو تعجب ہوا کیونکہ دوسرے ماتحتوں کو وہاں جانے کی ممانعت تھی پھر کون ہو سکتا تھا آخر ایک رات کو میمون وہاں پہونچ گیا عمر ایک میز پر جھکا ہوا المجسطی کو پڑھ رہا تھا اس کے شانے پر پٹی بندھی ہوئی تھی اور کمزوری کی وجہ سے چہرہ زرد پڑ گیا تھا

"آخر وہ مقام مل ہی گیا" عمر نے میمون کو دیکھتے ہی کہا "وہ ایشلئے کوچک میں مغرب کی طرف ہے"

میمون کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا "لیکن مغرب میں تو سمندر ہے؟"

"ہاں" عمر نے سر کو جنبش دی "وہ سمندر کے کنارہ پر تھا یا ممکن ہے کہ سمندر میں ہو" عمر اس وقت بہت سے مقامات کی فہرست کا مطالعہ کر رہا تھا اس کے ہاتھ میں قلم تھا اور ہر شہر پر غور کرنے کے بعد اسے

کاٹ دیتا تھا آخر ایک جگہ پہونچکر اس کا قلم رک گیا۔

"جزیرہ رادا!"[1] وہ بڑبڑایا "اوہ ... تو یہی وہ جگہ تھی ... یہاں سے ہزاروں چاند ستارے نظر آ سکتے تھے!"

بوڑھے میمون کے ہونٹ بغیر آواز کے ہل رہے تھے اور وقت نو سو سال پرانے راد پر سے پردہ اٹھا رہا تھا۔

"اب ہمیں ان جدولوں سے شہر راد کے عرض البلد کو معلوم کرنا ہے" ... عمر نے کہا "عیسیٰ علیہ السلام سے ۱۴۳ سال پہلے"

پھر تین روز متواتر اس نے میمون کے ساتھ محنت کی ... کم سوئے ... کم کھایا اور زیادہ وقت رصدگاہ میں ہی گذرا۔ "خدا کا شکر ہے کہ اب ہمارے پاس صحیح جدولیں ہیں" عمر نے کہا "جس طرح جزیرہ راد کی جدولوں کو بطلیموس نے استعمال کیا تھا اسی طرح ہم بھی ان کو کام میں لا سکتے ہیں"

"لیکن ہم کو انتہائی رازداری سے کام لینا ہوگا" عمر نے دوبارہ کہا "اگر علماء صاحبان کو معلوم ہوگیا کہ ہم نے یونانیوں کی جدولوں کو استعمال کیا ہے تو وقت سے پہلے طوفان آجائیگا ... جبتک ہمارا کام ختم نہ ہوجائے اور ہم اس کو سلطان کے سامنے پیش نہ کر دیں ان واقعات کا علم رصدگاہ کے باہر لوگوں کو نہ ہونا چاہئے"

---

[1] Hipparches of Rhodes

"بالکل آپ نے صحیح فرمایا خواجہ" میمون نے کہا "کئی بار ایسا ہو چکا ہے کہ رصدگاہ کے نیچے کھڑے ہو کر دگروں نے ہم کو گالیاں دیں بلکہ ایک بار تو ایک گروہ نے آکر پتھر بھی برسائے...... اس وقت آپ حلب میں تھے۔ ابھی ہم کو ان باتوں کو پوشیدہ رکھنا ہی مناسب ہوگا"

اس طرح ان لوگوں کو کام کرتے ہوئے پورا ایک سال گذر گیا۔ جب رصدگاہ کے ہیئت دانوں نے ان نئی جدولوں کا مقابلہ کیا تو میمون اور اسفزاری بہت خوش ہوئے۔ "اب انکی آبی گھڑی اور طلوع آفتاب کے وقت میں صرف ایک گھنٹہ کا فرق رہ گیا ہے"

عمر نے اب نوروز کا صحیح وقت بھی معلوم کر لیا تھا۔ اس نئی تحقیقات کے نتیجہ میں نوروز وہ نقطہ تھا جب آفتاب برج حمل میں داخل ہوا اس سے پہلے نوروز اس وقت ہوتا تھا جب آفتاب نصف برج حوت میں پہنچتا تھا اس طرح آفتاب اپنا سالانہ دور ۳۶۵ دن ۵ گھنٹہ اور ۴۹ دقیقہ میں طے کرتا ہے۔ ان کو معلوم تھا قدیم مصر کے ہیئت دانوں نے بارہ مہینہ کی جنتری بنائی تھی جسکا ہر مہینہ ۳۰ دن کا ہوتا تھا۔ باقی پانچ دن وہ سال کے آخر میں ملا کر ۳۶۵ دن پورے کر لیتے تھے۔

"اگر ہم ۴۹ دقیقہ کو بھی ان دنوں میں شامل کر دیں تو کیسا رہیگا" اسفزاری نے کہا "اس طرح ہر چوتھے سال ہم کو رومیوں کی طرح ہم کو ایک دن کا اضافہ کرنا ہوگا"

"اگر ہمیں ایسا کرنا ہوتا تو رومیوں کے سال کو ہی کیوں نہ اختیار کر لیتے"

عمر نے کہا "اس کے علاوہ ہمیں ایک ایسی جنتری بنانا ہے جو سینکڑوں سال تک رہے اس لئے ہم کو ابھی اور چھان بین کرنا ہوگی۔"

دوسرے سال انھوں نے پھر مشاہدات کیئے اور پہلے سال کے نتائج سے انکو ملایا۔ اب یہ خبر یں نیشاپور بھی پہنچ رہی تھیں اور لوگ عمر کے خلاف پروپیگنڈا کر رہے تھے ان کے نزدیک ان آلات اور رصدگاہ کا استعمال قطعی ملحدانہ تھا۔ لیکن ان باتوں کا عمر پر کوئی اثر نہ ہوا اور وہ اپنے کام میں مصروف رہا

خواجہ میمون کو معلوم تھا کہ آجکل عمر ایک نئے حساب میں منہمک رہتا تھا جسکا اندازہ ابھی تک بوڑھا ہیئت داں خود بھی نہ کر سکا تھا اسے یہ تو پتہ چل گیا تھا کہ عمر جزیرہ راد کے علماء کی تصانیف کا مطالعہ آجکل کر رہا تھا

"میرا تو دماغ کام نہیں کرتا" اسفزاری نے میمون سے کہا "نامعلوم خواجہ عمر آجکل کس چکر میں ہیں۔"

"وہ دائرہ صفر[1] کے استعمال پر غور کر رہے ہیں"

"صفر!"

"ہاں — یونانی زیرو — انکا خیال ہے کہ صفر کے بعد بھی لاتعداد اعداد ہو سکتے ہیں"

"بالکل بیکار بات ہے — ایسی لایعنی باتوں پر اپنا وقت خراب

---

[1] صفر کا استعمال اور اسکی اہمیت سب سے پہلے عمر نے ہی معلوم کی تھی۔ اس سے پہلے یورپ والے صفر کو نہیں جانتے تھے صرف یونانی حکماء نے اس پر کچھ روشنی ڈالی تھی۔

کرنے سے کیا فائدہ" اسفزاری بولا۔

"لیکن خواجہ عمر کا دعویٰ ہے کہ وہ اعداد ان کو معلوم ہو چکے ہیں۔۔۔ ان کا کہنا ہے کہ جس طرح کوئی بھی عدد اپنے سے بڑے یا برابر والے عدد سے گھٹایا جا سکتا ہے بالکل اسی طرح بڑے اعداد اپنے سے چھوٹے عدد میں سے گھٹائے جا سکتے ہیں۔۔۔ ایسے اعداد کو اعداد منفی کہتے ہیں اور جو بڑے عدد ہوتے ہیں انکو اعداد مثبت کہتے ہیں مثال کے طور پر اگر ہم ۶ میں سے ۴ کو گھٹایا جائے تو جواب ۲ ہوگا لیکن ان کے نزدیک ۲ میں سے ۴ کو بھی گھٹایا جا سکتا ہے اور اسکا جواب نفی ۲ ہوگا۔"

اب وہ سال بھی ختم ہونے پر آ گیا تھا اور آخری اندراجات کر لیئے گئے۔ عمر اور میمون نے مل کر اپنے مشاہدات کا آخری نتیجہ بھی نکال لیا۔۔۔ ان لوگوں نے آفتاب کے دائرہ عظمیٰ کی اتنی صحیح پیمائش کی تھی کہ ان سے پہلے یونان اور مصر تک میں نہ ہوئی تھی۔ گھنٹوں کا صحیح تعین تو سب سے پہلے بطلیموس نے کیا تھا لیکن عمر خیام کی تحقیق[1] سے منٹوں کا صحیح تعین ہوا اور نتیجہ میں پورے ایک سال کے وقت کا تعین ۳۶۵ دن ۵ گھنٹہ اور ۴۹ منٹ ہوا۔

"اب ہم مہینوں کی تقسیم کس طرح کریں گے؟" میمون نے پوچھا۔

---

[1] موجودہ تحقیقات اور ملک شاہی رصدگاہ کی تحقیقات میں چند سکنڈوں کا فرق ہے آجکل جو وقت مانا گیا ہے وہ ۳۶۵ دن ۵ گھنٹہ اور ۴۸ منٹ اور ۴۹ سکنڈ ہے

"ہمارا ہر مہینہ تیس (۳۰) دن کا ہوگا کل ۳۶۰ دن ہوئے؟"

"اور باقی ۵ دن؟" میمون نے پوچھا۔

"وہ ہر سال کے آخر میں بڑھا دیے جائیں گے ۔۔۔ اب ۵ گھنٹے ۴۹ منٹ رہ گئے ان میں ۱۱ منٹ کا اضافہ اگر کر لیا جائے تو چار سال میں ایک دن اضافہ ہو جائیگا اور یہ کبیس کا دن ہوگا۔"

"ٹھیک ہے ۔۔۔ اس حساب سے تو شمسی اور قمری سال کا فرق پورے ۳۳ سال میں نکل جائے گا۔"

"بیشک" عمر نے کہا "اس طرح سال کے آغاز کا دن بھی ہمارے یہاں اٹل ہو جائیگا جس وقت بھی آفتاب دوپہر سے پہلے برج حمل میں گئے وہی ہمارے سال کا آغاز ہوگا اور ہمارے پہلے مہینہ فروردین[1] کی پہلی تاریخ

---

[1] خیام کے مہینے اس طرح تھے:۔

فروردین	اردی بہشت	خورداد	تیر	امرداد	شہریور	مہر	آبان
۳۰	۳۰	۳۰	۳۰	۳۰	۳۰	۳۰	۳۰

آذر	دی	بہمن	اسفندیار
۳۰	۳۰	۳۰	۳۰

اکبر کے زمانہ میں حکیم فتح اللہ شیرازی نے یہ جدت کی کہ آخر میں ۵ دن بڑھانے کے بجائے ان دنوں کو بھی مہینوں پر تقسیم کر دیا۔ صرف ایک دن کا فرق ہر چار سال کے بعد رہ گیا اس تاریخ کا نام تاریخ الٰہی قرار پایا۔

فروردین	اردی بہشت	خورداد	تیر	امرداد	شہریور	مہر	آبان	آذر
۳۱	۳۱	۳۲	۳۱	۳۱	۳۱	۳۰	۳۰	۲۹

دی	بہمن	اسفندیار
۲۹	۳۰	۳۰

(باقی صفحہ ۱۸۸ پر)

ہو گی — اس حساب سے سال کی طرح مہینے بھی حقیقی ہو جائیں گے اور شمسی سال کا ہر نقص بھی پورا ہو جائیگا۔

عمر اور میمون نے ایک جنتری نظام الملک کے سامنے پیش کرنے کیلئے تیار کی کیونکہ وزیر اعظم کو انکی تحقیقات کے نتائج معلوم کرنے کا بے چینی سے انتظار تھا۔ عمر، میمون اور اسفزاری نے درباری لباس پہنے اور اسکو لے کر نظام الملک کی خدمت میں پہونچ گئے۔

نظام الملک بہت خوش ہوا اس نے جنتری پر شنگرف۔ لاجرد اور

(بقیہ صفحہ ۱۸۷) بھی تاریخ حیدرآباد میں اس فرق کے ساتھ جاری رہی کہ آذر میں ایکدن اور بڑھا کر ۳۰ کر دیا گیا لیکن چھ گھنٹہ کے اضافہ کی کوئی شکل اسمیں بھی نہ کی گئی اور اس طرح ۱۲۰ برس میں ایک مہینہ کا تغیر لازمی تھا اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ حیدرآبادی دفاتر میں ہر ۱۲۰ برس کے بعد گریگورین سال ایک مہینہ کا فرق ہو جاتا تھا دوسرا فرق یہ تھا حیدرآباد میں سال بجائے فروردین کے آبان سے شروع ہوتا تھا اور ۱۸۸۵ء سے آذر سے شروع ہونے لگا۔ مہینوں کے دنوں میں بھی ترمیم کر دی گئی اور خورداد کے ۳۲ دنوں میں سے ایک دن نکال کر آذر میں بڑھا دیا گیا جو پہلے ۲۹ دن کا تھا۔ موجودہ صورت یہ ہے :-

آذر	دی	بہمن	اسفندیار	فروردین	اردی بہشت	خورداد	تیر	امرداد	شہریور	مہر	آبان
۳۰	۲۹	۳۰	۳۰	۳۱	۳۱	۳۱	۳۱	۳۱	۳۱	۳۰	۳۰

یہ سنہ خیامی ضرور ہے لیکن اتنی تبدیلیاں ہو گئی ہیں کہ اب اسکی وہ صورت نہیں رہی ہے۔

سونے کے ورقوں سے نقاشی کرائی اس کی جلد پر بیش بہا جواہرات جڑوائے اور انہیں جواہرات سے سیاروں کی اشکال بنوا کر ملک شاہ کے حضور میں خود یجا کر پیش کی۔

"سلطان العالم کے حضور میں یہ خادم ایک تحفہ لایا ہے" اس نے آداب بجالا کر کہا "خدا کا شکر ہے کہ آپ کے خادموں نے ایک نئی جنتری تیار کرلی ہے ــــ اور ایک نیا سنہ جاری کرنے کیلئے ایک نئی تقویم مرتب کی ہے ــــ اس نئے سنہ نے موجودہ اور رائج سنوں کے سارے نقائص دور کر دیئے ہیں ــــ عالی جاہ یہ ایک نایاب تحفہ ہے جس کی وجہ سے آپ کا عہد قیامت تک لوگوں کے دلوں پر نقش ہو جائیگا اور آپ کا نام ہزاروں سال تک باقی رہے گا"

ملک شاہ نے نظام الملک سے جنتری لی اور اس کو دلچسپی کے ساتھ دیکھنے لگا۔

"ہم تمہاری کارکردگی سے بہت خوش ہوئے" سلطان نے کہا "رصدگاہ میں جن لوگوں نے کام کیا ہے ان کو خلعت کے علاوہ پچاس پچاس توڑے اشرفیوں کے دیئے جائیں اور ہمارے منجم کو دو سو توڑے اور پہاڑی والا گھر کوچک مع ان آرائشوں کے جو اسمیں موجود ہیں"

نظام الملک نے سینہ پر ہاتھ رکھ کر سر کو خم کیا "اگر عالی جاہ کا حکم ہو تو آج ہی سارے قلمرو میں اس نئی تقویم کو جاری کرنے کے احکامات جاری کر دیئے جائیں ــــ کیونکہ آج ہی نوروز کا دن ہے اور آفتاب برج حمل میں

آ نے والا ہے"

"بالکل ..... اور ہمارے قصر کے سامنے ہی جشن کا انتظام بھی کیا جائیگا"

ملک شاہ مع اراکین سلطنت کے اپنے قصر کے برج میں بیٹھا ہوا آفتاب کے سرخ گولے کو دیکھ رہا تھا جو اب غروب ہونے والا تھا۔ نیشاپور کی سڑکیں اسوقت بھری ہوئی چل رہی تھیں کھوے سے کھوا چھل رہا تھا۔ بازار سجے ہوئے تھے اور عورتیں اپنے بچوں کو لئے دوکانوں پر ٹوٹی پڑ رہی تھیں مکانوں کی چھتوں پر لوگوں نے قالینوں کا فرش کر رکھا تھا۔ روشنی کا کافی انتظام تھا کیونکہ آج تہوار کی رات تھی ..... نوروز کا دن اور فروردین کی پہلی تاریخ۔

خلعت میں بیش قیمت عبا کو پہنے ہوئے عمر بھی سلطان کے برابر کھڑا تھا یہ سب لوگ اسوقت سورج کے غروب ہونے کا نظارہ دیکھ رہے تھے۔ مطلع بالکل صاف تھا سوائے ان چند بادلوں کے جو سورج کے اوپر تھے اور شفق کی روشنی سے بالکل سرخ ہو گئے تھے۔

نئے سال کے آغاز میں اب چند منٹ کی دیر تھی۔ ہر شخص دم بخود اور ساکت تھا سوائے چند نفوس کے جو زیر لب بڑبڑا رہے تھے۔

آفتاب کا آخری کنارہ بھی نظروں سے پوشیدہ ہو گیا اور اب آسمان بالکل خالی تھا زمین پر تاریکی نے قبضہ جمانا شروع کر دیا تھا۔ سڑکوں پر لوگ دف بجا بجا کر گا رہے تھے اور بچوں کے شور و غل سے کان پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی ..... عمر قصر کے دمدمہ پر آ کر نیچے دیکھنے لگا ..... آبی گھڑی سے بوندیں گر کر اب ایک نئے وقت کو ظاہر کر رہی تھیں!

"آج بارش ہونے کا تو امکان نہیں ہے؟" سلطان نے عمر سے پوچھا

"میں ستاروں کا مطالعہ کرکے جواب دے سکتا ہوں" عمر نے جواب دیا

"اگر عالی جاہ رخصت کی اجازت مرحمت فرمائیں"

اجازت ملتے ہی وہ رصدگاہ کو روانہ ہوگیا اور اپنے کمرہ میں پہونچ کر مطالعہ میں معروف ہوگیا۔ قصر سے چھٹکارہ پاکر وہ اسوقت بہت خوش معلوم ہو رہا تھا۔ بختیار بھی اسے تلاش کرتا ہوا وہاں پہونچ گیا ___ اسے تعجب تھا کہ جب پورا نیشاپور اس وقت جشن میں منہمک تھا تو یہ الگ تھلگ کیوں بیٹھا تھا ___ شاہی خلعت اب بھی اس کے جسم پر تھی اور ایک لیمپ روشن تھا

"سلطان العالم نے بارش کے متعلق دریافت فرمایا ہے؟" بختیار نے کہا۔

"ہوا کس طرف کی ہے؟"

"پُروائی ہے" بختیار نے جواب دیا۔

"تو سلطان سے کہدینا کہ ایک گھنٹے کے بعد ہی زبردست بارش آنے کا امکان ہے"

"لیکن ___" بختیار کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں "لیکن آقا ___ آسمان تو بالکل صاف ہے"

"ہاں ___ لیکن تم یہی جاکر کہدو جو میں نے بتایا ہے ___" اسکے لہجہ میں تیقن تھا "رعد و برق کے ساتھ زبردست طوفان آئے گا اور ممکن ہے کہ ژالہ باری بھی ہو"

"میں جا رہا ہوں ۔۔۔" بختیار نے آہستہ سے کہا وہ ابھی تک ہچکچا رہا تھا "کیا آپ اس وقت وہاں تشریف نہ لے جائیں گے؟ محفل جمی ہوئی ہے اور رقص ہو رہا ہے"

"نہیں ۔۔۔" عمر نے افسردگی کے ساتھ کہا "میرے نصیب میں خوشی نہیں ہے ۔۔۔ تم تو مجھے جانتے ہو ۔۔۔"

بختیار کو معلوم تھا کہ تنہائی اور سکون میں عمر ہمیشہ غمگین اور اداس ہو جاتا تھا۔ اسے یاسمین کا غم گھن کی طرح لگا ہوا تھا اس بوڑھے مسخرہ کو کیا خبر تھی کہ آجکل عمر پر دوسری ہی دھن سوار تھی۔

"آؤ بختیار میں تمھیں ایک تماشہ دکھاؤں" عمر نے کہا اور اسکا ہاتھ پکڑ کر رصدگاہ کی چھت پر پہونچ گیا۔

"تمھیں کیا نظر آ رہا ہے بختیار؟" عمر نے آسمان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"ستارے ۔ صاف آسمان پر روشن ستارے۔"

"کیا یہ گردش کر رہے ہیں؟"

بختیار غور سے ستاروں کو دیکھنے لگا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ وہ بینائی کمزور ہونے کی وجہ سے اچھی طرح سے ستاروں کو دیکھ نہیں سکتا تھا پھر بھی عمر کے کہنے پر دیر تک دیکھنے لگا۔

"جی ہاں ۔۔۔ یہ گردش کر رہے ہیں ۔۔۔ میں نے سینکڑوں بار پہلے بھی انکو دیکھا ہے۔"

"اور ہماری زمین ؟"

"یہ گیند کی مانند گول ہے ۔۔۔ لیکن اپنی جگہ پر قائم ہے ۔۔۔ خواجہ بیرونی نے مجھے یہی بتایا تھا"

ایک لمحہ تک عمر نامعلوم کس خیال میں کھویا رہا۔ نیچے دریا پر رات کے پرندے اڑ رہے تھے ایک الو چیختا ہوا اس کے سر پر سے گذر رہا تھا اور برفیلی ہوا اس کے چہرہ پر لگ رہی تھی۔

"ایک سال تواتر میں نے تحقیق کی ہے" عمر نے آخرکار کہا "اور اب مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ ۔۔۔ دیکھو ۔۔۔ بختیار۔ غور سے دیکھو ۔۔۔ یہ روشنی کے بے شمار نقطے ۔۔۔ ہمیشہ چمکنے والے ننھے ننھے ستارے اپنی جگہ پر قائم ہیں ۔۔۔ لاکھوں برس سے اسی جگہ پر ہیں جہاں تھے ۔۔۔ دیکھا تم نے ۔۔۔ ہماری زمین ۔۔۔ جس پر ہم کھڑے ہیں ۔۔۔ یہ گول گیند گردش کرتی ہے۔ دن و رات میں ایک چکر پورا کر لیتی ہے"

یکایک بختیار نے اپنا سر اوپر اٹھایا اور خوف سے کانپنے لگا "آقا ۔۔۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے ۔۔۔"

"ڈرنے کی کیا بات ہے ؟"

"آپ کی بات پتھر کی لکیر ہوتی ہے آقا" اس نے کھوکھلی آواز میں جواب دیا "مجھے تو اب یہ مینار بھی گھومتا ہوا معلوم ہو رہا ہے" اس کا سارا جسم تھر تھر کانپ رہا تھا اور اس نے چھجے کی منڈیر کو اس طرح پکڑ رکھا تھا جیسے سچ مچ گرنے والا ہو "اگر زمین گھومتی ہے تو ہم لوگ بھی اوندھے ہو جائیں گے۔

یہ دیکھئے یہ مینار اب گرنے ہی والا ہے اب گرا ۔۔۔ بچاؤ ۔۔۔ بچاؤ ۔۔۔ گرا ۔۔۔ مرا ۔۔۔ بچاؤ" اس کی گھگھی بندھ گئی تھی۔

"او بیوقوف کی اولاد" عمر جھنجلا کر چیخ پڑا۔ "کیا پاگل ہو گئے ہو ۔۔۔ گر نہیں سکتے ۔۔۔ زمین ہزاروں سال سے گردش کر رہی ہے اور ہم محفوظ ہیں ۔۔۔ تم نے چاند، سورج کو گردش کرتے ہوئے دیکھا ہے؟ ۔۔۔ بالکل اسی طرح ہماری زمین بھی دوسرے سیاروں کے ساتھ گردش کرتی ہے۔"

بختیار نے دونوں ہاتھوں سے سر کو پکڑ لیا اور وہیں اکڑوں بیٹھ گیا اسے یقین ہو گیا تھا اسکا آقا پاگل ہو گیا تھا ۔۔۔ وہ آقا جس سے وہ انتہائی محبت کرتا تھا۔

"اچھا اب میں جاؤں؟" اس نے عمر کی طرف خوفزدہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا اور بغیر جواب کا انتظار کئے ہوئے سیڑھیاں پھلانگتا ہوا تاریکی میں غائب ہو گیا۔

ایک گھنٹہ بعد تیز موسلادھار بارش شروع ہو گئی آندھی کے جھکڑوں کے ساتھ بڑے بڑے اولے بھی تھے ذرا سی دیر میں جل تھل ہو گیا۔

۲۰

بیسواں باب

قصر کوچک کے مہمان

لیلیٰ کو تعجب تھا کہ عمر ابھی تک اس سے متاثر نہیں ہوا تھا۔ یہ ایک عرب لونڈی تھی اور نظام الملک نے نئی جنتری کے انعام میں عمر کو دی تھی۔ اسکا رنگ ایرانیوں کی مانند صاف نہیں تھا لیکن حبشیوں کی طرح بالکل سیاہ بھی نہ تھا۔ اسکی صورت بھی کافی دلکش تھی موتی کی مانند صاف شفاف دانت۔ چھوٹا دہانہ۔ پتلے پتلے گلابی ہونٹ۔ بڑی بڑی نرگسی آنکھیں۔ وہ اسوقت زرد ریشمی پاجامہ پہنے ہوئے تھی جو اوپر سے نیچے تک ڈھیلا اور پاؤں کے گٹوں پر خوشنما چنٹ کے ساتھ بندھا ہوا تھا۔ اس کے گلے میں دیبا کا سرخ کرتا اور سر پر نیلی اطلس کا خمار تھا چھوٹی چھوٹی پچاسوں چوٹیاں خمار کے نیچے سے نکل کر ایک شانے سے دوسرے شانے تک ساری پشت پر بکھری چلی گئی تھیں۔

نیشاپور سے دو منزل پرے یہ قصر کوچک جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے چھوٹا سا قصر تھا اور بہت پرفضا مقام پر واقع تھا۔ قصر کی چھت پر کھڑے ہو کر دور دور کے مناظر نظر آتے تھے۔ قصر کے گرداگرد ایک خوبصورت باغ اور پھولوں کا چمن بھی لگا ہوا تھا جس میں زیتون۔ کھجور اور انجیر کے درخت تھے

لیلیٰ کو اس قصر میں آئے ہوئے ابھی دو ہفتے ہی ہوئے تھے لیکن اس نے اس مختصر سے عرصہ میں ہی قصر کی کافی سیر کر لی تھی۔ اس میں صرف ایک بوڑھی ملازمہ زلیخا رہتی تھی جو عمر کے باورچی خانہ کی مہتمم تھی۔

"کیا خواجہ کے حرم میں عورتیں نہیں ہیں؟" ایک دن اس نے زلیخا سے پوچھا۔

"نہیں ــــ خواجہ کے نہ تو بیوی ہے اور نہ ان کے پاس کنیزیں ہیں" بوڑھی زلیخا نے کہا "میں نے سنا ہے کہ انکی شادی ہوئی تھی لیکن بیگم راستہ میں ہی طاعون سے مر گئیں"

لیلیٰ کو قصر کوچک بہت پسند آیا تھا اور وہ چاہتی تھی کہ اپنی ساری زندگی اسی میں رہ کر عمر کی خدمت کرتے ہوئے گذار دے۔ زلیخا نے اسے بتایا تھا کہ خواجہ کو عورتوں سے بیزاری تھی لیکن اس کے باوجود وہ اپنے مستقبل سے مایوس نہ تھی۔

قصر کوچک کے پائیں باغ میں ایک چشمہ بھی تھا جو برابر والی پہاڑی سے نکلا تھا اور صنوبر کے درختوں کے نیچے سے ہوتا ہوا باغ سے نکل گیا تھا باغ کے ایک کونے میں سنگ سرخ کی ایک دو منزلہ سہ دری بھی بنی ہوئی تھی جو برسات کے موسم کیلئے تعمیر کی گئی تھی لیلیٰ کو اجازت تھی کہ وہ سہ دری پر جاکر باغ کی سیر کرے وہ اس سہ دری پر بیٹھ کر بہتے ہوئے چشمہ کی اٹھکیلیاں دیکھتی اپنے ہاتھوں میں مہندی لگاتی اور جب دل چاہتا بربط بجاکر گانے لگتی۔ اس کے نزدیک قصر کوچک کی زندگی انتہائی دل آویز تھی۔

"ہمارے محلوں میں سے یہ سب سے چھوٹا محل ہے" زلیخا نے فخریہ لہجہ میں کہا "میرے آقا کا ایک محل مرو میں ہے۔ دوسرا حلب میں ہے۔۔۔ اس کے علاوہ ان کے پاس ایک عالیشان عمارت رصدگاہ کی بھی ہے اس رصدگاہ میں لمبی لمبی داڑھیوں والے عالم لوگ خواجہ کی ماتحتی میں کتابیں لکھتے ہیں"

"کتابیں لکھتے ہیں!"

"ہاں۔۔۔ ہمارے آقا کیلئے کتابیں لکھنا اتنا ہی معمولی کام ہے جیسے ہمارے لئے روٹی پکانا۔ ایک بار انھوں نے سلطان کیلئے جبر و مقابلہ کی بھی ایک کتاب لکھی تھی"

"کیا! یہ جبر و مقابلہ کیا چیز ہوتا ہے؟"

"اس میں جادو کے ہندسوں کے ساتھ کام کیا جاتا ہے۔۔۔" زلیخا نے جواب دیا "ہمارے آقا اتنے عقلمند ہیں کہ انکی مرضی کے بغیر سلطان کوئی کام نہیں کرتے۔۔۔ انکا دربار میں اتنا ہی اختیار ہے جتنا تمہارے گذشتہ آقا خواجہ نظام الملک کا۔۔۔ شاہی دربار میں انکی کرسی شہزادوں اور وزیراعظم کے بعد ہوتی ہے اور۔۔۔" بوڑھی زلیخا بہت زیادہ باتونی تھی

اسی طرح دن گذرتے رہے۔ کھانے کے بعد یہ دونوں بیٹھ جاتیں اور گھنٹوں باتیں کرتیں۔۔۔ یہ حقیقت ہے کہ لیلیٰ آج تک زلیخا کی طبیعت کو سمجھ نہ سکی تھی گھڑی میں تولہ گھڑی میں ماشہ اسی طرح دوسرے ایرانی ملازمین بھی تھے جو اس قصر میں کام کرتے تھے یہ لوگ بہت زیادہ سست اور کاہل تھے

کام سے زیادہ سوتے تھے اور سونے سے زیادہ باتیں کرتے تھے۔ ایک کوزہ پشت بھی اپنے سفید خچر پر روزانہ نیشاپور سے آتا تھا اور دربان سے گھل مل کر باتیں کرتا تھا۔ اس باغ میں دس بارہ مالی تھے لیکن ان پر نگرانی کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ یہ لوگ بجائے کام کے دن بھر باتیں کرتے رہتے تھے انکی باتوں کا موضوع زیادہ تر گھریلو جھگڑے ہوتے تھے یا باغ کے معاملات ــــ لیلیٰ ان لوگوں کی باتیں سنتی رہتی اور لطف لیتی رہتی۔

"او حارث ــــ پچھلی بارش سے سوسن کی کیاریاں کنکریوں سے بھری ہوئی ہیں ــــ اب اس کی صفائی کب ہوگی؟" مالی سعید نے دوسرے مالی سے پوچھا۔

"تم بھی بچوں کی سی باتیں کرتے ہو سعید" حارث نے جواب دیا "کیاری کھودنے کا صحیح وقت وہ ہوتا ہے جبکہ چاند منزل زبانا میں داخل ہوتا ہے درخت لگانے۔ زمین کھودنے۔ کنوئیں میں اترنے اور زمین کے نیچے کام کرنے کا بھی سب سے بہتر وقت ہوتا ہے اس کے علاوہ سوسن کی کیاری کھودنے کا میرا کام نہیں بلکہ مروان کا ہے اور وہ آج بیمار ہے۔

"اگر کیاری نہ کھدی تو خواجہ خفا ہوں گے ــــ اس وقت تم کیا جواب دو گے؟"

"خیر ــــ جلدی کیا ہے دو چار روز میں کیاریاں صاف کر دونگا"

ان لوگوں کی باتیں سن کر لیلیٰ کو تعجب ہوتا ہر شخص اپنا کام دوسروں پر ٹالتا تھا اور مجموعی طور سے سب کے سب لاپرواہ اور کام چور تھے ــــ

ایک بات اس نے ضرور محسوس کی کہ خواجہ عمر کا ادنی نوکر تک اپنا کام ستاروں کی چال کے ساتھ شگون لے کر کرتا تھا۔

تیسرے روز جب حارث کیاری صاف کرنے بیٹھا تو گھنٹوں تک مردان کے لڑکے کا انتظار کرتا رہا کہ وہ آکر کھرپی درست کر دے تو کام شروع ہو پچھلے جاڑوں میں اس کھرپی کا دستہ نکل گیا۔

دیکھو محسن ۔۔ سنو دری کے راستے میں جگہ جگہ گڈھے پڑ گئے ہیں ان کو بھرنا ضروری ہے" ایک دوسرے مالی نے کہا "ممکن ہے کہ خواجہ کا پاؤں کسی گڈھے میں پڑ جائے اور پھر سب کی شامت آجائے "

"لیکن میں ان گڈھوں کو کس طرح بھر سکتا ہوں" محسن نے جواب دیا "میں گلاب کے پھول توڑ کر سکھانے کے لئے ڈال رہا ہوں" حالانکہ وہ پھول بالکل بھی نہیں توڑ رہا تھا۔ صرف چند پھول اس نے دودھ والے کی لڑکی کو دینے کے لئے توڑے تھے جسے وہ دل و جان سے چاہتا تھا اور روزانہ اسکو پھول لیجا کر دیتا تھا۔

اگر یہ لوگ صبح کے وقت تھوڑا بہت کام کر لیتے تو شمشاد کے سائے میں اسوقت تک سوتے رہتے جبتک سورج کی روشنی اس درخت کی پھننگیوں سے بھی رخصت نہ ہو جاتی ۔۔ اور جب سو کر اٹھتے تو کاہلی اور سستی سوار ہوتی اس لئے کام کو کل پر ٹال کر اپنے اپنے کوارٹروں کی طرف چلے جاتے یہی انکا روز کا معمول تھا۔

آج بہت دنوں کے بعد انکا نیا آقا خواجہ عمر خیام آیا تھا اسکو دیکھتے ہی

دربان نے پھاٹک کھولدیا اور سارے مالی تھے کہ مروان جو بیماری کا بہانہ کئے ہوئے تھا اپنی اپنی کھرپیاں لیکر کام میں معروف ہو گئے جیسے وہ روزانہ ہی اسی طرح محنت سے کام کرتے ہوں۔ زلیخا بھی سیدھی اُٹھکر باورچی خانہ میں چلی گئی اور کام کرنے لگی لیکن لیلیٰ وہیں بیٹھی رہی۔

خواجہ کے ساتھ اس کے کئی دوست تھے جو یہاں سیر و تفریح کیلئے آئے تھے اس سے پہلے بھی کئی بار یہ لوگ آ چکے تھے اور ہفتوں یہاں رہے تھے اب بھی عمر انکی خاطر مدارات میں لگ گیا۔

جب تک یہ مہمان رہے لیلیٰ باہر نہ نکلی زیادہ تر اپنے کمرہ میں رہی۔ اسی طرح دن گذرتے رہے۔ اگر اسے باہر نکلنے کی کبھی ضرورت ہوتی تو برقع اوڑھ کر نکلتی۔ اسے تعجب تھا کہ عمر نے اسے بالکل فراموش کر رکھا تھا اسکی اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ عمر سے خود بات کرتی وہ سوچتی کہ آخر اس گھر میں اسکی حیثیت ہی کیا تھی ایک معمولی لونڈی۔ کئی بار عمر نے اسکو دیکھا بھی لیکن بات چیت نہ کی — وہ روزانہ صبح کو نئے نئے لباس تبدیل کرتی۔ ابٹن ملتی ہاتھوں میں مہندی لگاتی۔ بالوں میں گلاب کے پھول لگاتی اور عمر کے انتظار میں شام ہو جاتی اور پھر شام سے صبح۔ اسے یقین تھا کہ اگر ایکبار بھی عمر کے سامنے وہ نقاب الٹ کر آجائے تو پھر یہ تغافل باقی نہیں رہ سکتا۔

عورتوں کی مخصوص عادت دوسروں کی باتیں سننے کی ہوتی ہے وہ بھی یہی کرتی بیٹھے باغ میں ہونے والی باتوں کو غور سے سنتی لیکن ان باتوں میں اسکا ذکر کبھی نہ ہوتا — جب سارے لوگ مغرب کی نماز کے بعد کھانے کی

پیر پر کر بیٹھے تو وہ جھروکہ میں اگر بیٹھ جاتی اور ان لوگوں کی گفتگو سے لطف اندوز ہوتی۔ اس کے کان بہت تیز تھے اسکو بہت سے مہمانوں کے نام بھی معلوم ہو گئے اور انکی مخصوص عادتیں بھی۔

ان مہمانوں میں بغداد کا سوداگر حسام بھی تھا اسکی زیادہ تر باتیں تجارتی ہوتی تھیں کانوں سے فیروزے نکالنا۔ ہاتھی دانت۔ ریشمی کپڑا۔ زیتون کا تیل۔ ہزاروں لاکھوں دینار کی لوٹ پلیٹ۔ لیلی کو معلوم ہو گیا تھا وہ عمر کا شریک تھا اور عمر کے روپیہ سے تجارت کرتا تھا اور کافی منافع ہوتا تھا۔

ان لوگوں میں ایک شاعر بھی تھا اسکا نام معزی تھا وہ عمر کی تعریف میں قصیدے لکھ کر سناتا تھا۔ ان مہمانوں میں ایک شخص سب سے زیادہ سنجیدہ اور خاموش طبیعت کا تھا لوگ اسکو امام غزالی[1] کے نام سے پکارتے تھے اور

---

[1] حجۃ الاسلام ابو حامد محمد غزالی عمر کے ہمعصر لیکن ان سے عمر میں چھوٹے تھے ملک شاہ کے دربار سے دونوں کا واسطہ تھا۔ دونوں کے مسلک علیحدہ علیحدہ ہونے کے باوجود آپس میں گہرے مراسم تھے اور چوٹیں بھی چلتی رہتی تھیں کیونکہ عمر تو یونانی فلسفہ کا طرفدار ابو علی سینا کا معتقد تھا اور امام غزالی یونانی فلسفہ کے انتہائی مخالف تھے انھوں اسے تہافت الفلاسفہ لکھکر ابو علی سینا کی صریحاً تکفیر کی ہے۔ رنج المرسوم میں، عالی رومی نے کسی کتاب کے حوالہ سے لکھا ہے کہ "امام غزالی باصرار عمر خیام کے شاگرد ہوئے اور بارہ برس اس کی خدمت میں حاضر رہے" لیکن امام نے اپنے احوال میں نہ تو خود اس واقعہ کو لکھا ہے اور نہ دوسرے تذکرہ نگاروں نے اسلئے یہ بیان مشکوک ہو سکتا ہے۔

ہر شخص انکا احترام کرتا تھا اکثر خواجہ عمر اور امام غزالی تنہائی کے مقام پر باغ میں آکر بیٹھ جاتے اور گھنٹوں باتیں کرتے رہتے ـــ لیکن یہ گفتگو لیلیٰ کی سمجھ سے بالاتر ہوتی تھی۔ آج بھی وہ سہ دری کے جھروکہ میں بیٹھی ہوئی ان دونوں کی گفتگو سن رہی تھی۔

"آپ تو یونانی فلسفہ کے بہت طرفدار ہیں" امام غزالی نے کہا یہ بتلایئے کہ جب فلک کے تمام اجزاء مساوی ہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ فلک کے دو جزو (جنوبی اور شمالی) قطبیت کے لئے متعین ہوئے ہیں ـــ دوسرے اجزاء متعین کیوں نہ ہوئے حالانکہ آپ کے فلسفہ کے مطابق معلول بلا علت ہونا محال ہے ـــ تمام اجزائے فلکی اجزاء ہونے کی حیثیت سے برابر ہیں انکی ترجیح کی کیا وجہ ہے؟"

عمر خیام نے حرکت کی حقیقت اور اسکی اقسام پر اتنی طویل تقریر کی کہ ظہر کا وقت ہوگیا لیکن امام غزالی مطمئن نہ ہو سکے۔

"اِذَا جَاءَ الحَقُّ وَزَھَقَ البَاطِلُ" امام نے ظہر کی اذان سنتے ہی کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ لیکن اتنا ضرور کہونگا کہ تم نے میرے سوال کا جواب ابھی تک نہیں دیا ـــ اس میں تمہارے علم کا قصور نہیں ہے بلکہ تمہارا اجل ہے۔

ظہر کی نماز کے بعد یہ دونوں پھر اپنی جگہ پر آکر بیٹھ گئے اور اب دوسرے مہمان بھی انکی گفتگو میں شریک ہوگئے تھے۔

"میں بہت دنوں سے اس پر غور کر رہا ہوں کہ خدا نے یہ دنیا اور خصوصاً انسان کو کیوں بنایا اگر نہ بناتا تو کیا ہوتا۔" سوداگر حشام نے امام غزالی کی طرف

دیکھتے ہوئے کہا، لیکن آج تک یہ راز میری سمجھ میں نہ آسکا — کیا آپ اس پر کچھ روشنی ڈال سکتے ہیں؟"

"اسکا جواب ہمارے دوست خواجہ عمر دیں گے" امام نے مسکراتے ہوئے کہا، مجھے دیکھنا ہے کہ انکا یونانی فلسفہ اسکا کیا جواب دیتا ہے؟

"تمام فلسفہ کا نچوڑ ہی یہ تین سوال ہیں۔ کیا یہ ہے؟ اگر ہے تو کیا ہے؟ اور کیوں ہے؟" عمر نے کہنا شروع کیا، ہر شے جو دنیا میں موجود ہے وہ موجودیت[2] اور ماہیت[3] سے کبھی خارج نہیں ہو سکتی البتہ لمیت سے بعض وجود بے نیاز ہو سکتے ہیں اسکی صورت یہ ہے کہ موجود کی دو قسمیں ہیں — واجب الوجود اور ممکن الوجود — علت اور سبب کا سوال ضرور ہے کہ کہیں جا کر رکے اور ایک ایسی علت پر جا کر انتہا ہو جس کی پھر کوئی علت نہ ہو — یہ شان واجب الوجود کی ہے اور ممکن الوجود کے تمام اسباب وعلل بالآخر علۃ العلل یعنی اسی واجب الوجود پر جا کر ختم ہو جاتے ہیں۔ واجب الوجود جس طرح اپنے وجود کی علت سے بے نیاز ہے اسی طرح

---

[1] "رسالہ کون و تکلیف" مصنف خواجہ عمر خیام (بحوالہ "خیام" مرتبہ سید سلیمان ندوی صفحہ ۱۸۴ — تا ۱۸۹)

[2] انیۃ - ماھو - لم ھو

[3] اِنّیت۔

[4] مَاھویت

اس کے اوصاف وصفات اور افعال بھی علل واسباب سے مستغنی ہیں۔
اس لئے یہ سوال ہی بے معنی ہے کہ اس نے کیوں بنایا اور ہست کیا ہے۔
یہ واجب الوجود کے جود وکرم کی صفت کا نتیجہ ہے کہ یہ دنیا ہست ہے
اور ہم موجود ہیں اس کے علاوہ ہم کچھ نہیں جان سکتے۔ ع

عجز ادراک ست عاجز ماندن از ادراک او

"اگر اس کے جود وکرم کے نتیجہ میں یہ دنیا ہست ہے تو انسانوں کو عبادت بجا لانے سے کیا فائدہ؟" حشام نے دوسرا سوال کیا "آخر ان اوامر کو بجا لانے اور ان نواہی سے بچنے میں کیا فائدہ ہے؟"

"سب سے بڑا فائدہ تو یہ ہے کہ نفس انسانی کا شہوات نفسانی سے احتراز کرکے قوت عقلیہ کو پرورش پانے کا موقع ملتا ہے" عمر نے جواب دیا "دوسرا فائدہ یہ ہے کہ نفس کو امور الٰہیہ اور امور سعادۃ آخرت میں غور ونظر کا عادی بنایا جاتا ہے کہ اس دار ناپائدار کے طلسمات سے نکل کر جناب حق اور ملکوت ربانی کی طرف توجہ اور التفات پیدا ہو تیسرا فائدہ یہ ہے کہ اس عالم میں امن وامان۔ نظم واطمینان اور عدل وانصاف اور باہمی اجتماعی تعاون وشارکت پیدا ہوتی ہے اور نظام عالم حکمت ربانی کے مطابق قائم رہتا ہے"[1]

"بالکل صحیح ہے" امام غزالی نے کہا، ہمارے لئے بہتر یہی ہے کہ

---

[1] "رسالہ کون وتکلیف" (بحوالہ خیام" مرتبہ سید سلیمان ندوی صفحہ ۱۹۰-۱۹۱)

ہم اپنے خالق کے ذکر و فکر سے ایک لمحہ کیلئے بھی غافل نہ ہوں ـــ کیوں اور کیا کی گنجائش یہاں نہیں ہے :"

"بیشک ــ اور یہی ہمارا ایمان ہے" عمر نے جواب دیا۔[1]

---

[1] یورپ والوں نے عکیم خیام کو فلسفی خیام بنانے کی کافی کوشش کی ہے۔ کسی نے اسے رند میخوار سمجھا اور اسکی شراب معرفت کو بھی بھٹی والی شراب خیال کیا۔ کسی نے کہا کہ وہ خدا کا منکر تھا اور تناسخ کا قایل تھا لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ رند لاابالی نہ تھا شراب پیتا نہ تھا بلکہ شراب بولتا تھا ـــ اب یہ اسکی بدقسمتی تھی کہ لوگوں نے اسے بادہ پرست سمجھا اور شراب معرفت ـ مئے محبت اور بادہ وطن نہ سمجھا حالانکہ حافظ شیرازی سے لیکر جامی تک سارا کلام اسی شراب معرفت سے بھرا ہوا ہے۔ اسلامی شاعری میں شراب کی آمیزش بنی امیہ کے دربار سے ہو چکی تھی ہارون رشید کے دور میں یہ رنگ اور تیز ہو گیا بقول غالب ؎

ہر چند ہو مشاہدہ حق کی گفتگو بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر ـــ حقیقت یہ ہے کہ عمر خیام مسلمان تھا خدا اور رسول کا قائل تھا وہ نماز پابندی سے پڑھتا تھا اور حج بھی کر چکا تھا۔ اپنے رسالہ کون میں اس نے بعثت رسول کی ضرورت پر مفصل بحث کی ہے معرفت الٰہی کی دعا بھی اسنے بار بار مانگی ہے جزا و سزا بہشت اور دوزخ کے متعلق اسکے وہی خیالات تھے جو اس زمانہ کے دوسرے حکمائے اسلام کے تھے ـــ یہ ضرور ہے کہ خیام کا تصوف مذہبی نہیں بلکہ حکیمانہ تھا اسمیں انبیا کے حالات نہیں بلکہ حکما کا تذکرہ تھا وہ یونانی فلسفہ سے زیادہ متاثر تھا لیکن مذہبی عقائد کے علاوہ (خیام مصنفہ سلیمان ندوی)

۲۱

اکیسواں باب

لیلیٰ

عمر اپنے قصر کے پائیں باغ میں ٹہل رہا تھا سارے مہمانوں کے جانے کے بعد یہ جگہ اب ویران سی ہو گئی تھی اس کا ارادہ تھا کہ کل ہی اپنی رصدگاہ کو چلا جائے کیونکہ خالی پڑے پڑے اس کی طبیعت اکتا گئی تھی۔ ابھی تک لیلیٰ سے اسکی بات چیت نہیں ہوئی تھی اس وقت ہمت کر کے وہ اسکے سامنے جا کھڑی ہوئی کیونکہ اسے شبہ تھا کہ باغ میں چھپا ہوا کوئی شخص عمر کی جاسوسی کر رہا تھا اور یہ بات عمر کو بتانا ضروری تھا۔ لیلیٰ ایسی لڑکی تھی جس کی ساری عمر ریگستانی قبائل میں گذری تھی اس کے نزدیک جاسوس کا سر اسی طرح کچلنے کا لائق تھا جس طرح سانپ کو مارا جاتا ہے۔

"یا سیدی میں نے ایک شخص کو دبے پاؤں آپ کی طرف آتے ہوئے دیکھا تھا پھر وہ گلاب کے تختہ میں خود کو چھپانے کی کوشش کرنے لگا۔ شاید وہ آپ کی جاسوسی کر رہا تھا"

"کیا وہ مردان مالی تھا؟"

"شاید وہی ہو"

عمر کو بہت دنوں سے مردان پر شبہ تھا کہ وہ کسی کی طرف سے مقرر کیا ہوا

جاسوس تھا لیکن وہ اسواسطے خاموش تھا کہ اگر وہ مردان کو نکال دیتا ہے تو ممکن ہے کہ کوئی دوسرا شخص مقرر کر دیا جائے جو مردان سے بھی زیادہ خطرناک ہو۔

عمر خاموش ہو کر سوچنے لگا۔ لیلیٰ کو تعجب تھا کہ خواجہ کو معلوم ہوتے ہوئے بھی کہ جاسوس کون ہے اور اس نے ابھی تک اس کا کوئی تدارک نہیں کیا ہے — وہ یہاں اسوقت آ کر خود ہی شرما گئی تھی۔

"کیا آپ اس وقت رباب سنیں گے سیدی" لیلیٰ نے عمر کو متفکر دیکھ کر پوچھا۔

"نہیں — اب بہت دیر ہو گئی ہے تم جا کر آرام کرو لیلیٰ"

لیلیٰ اپنی کوٹھری میں آ گئی لیکن آزردہ اور کشیدہ خاطر — اس کی سمجھ میں ابھی تک یہ نہ آ سکا تھا کہ اسکا آقا کس قماش کا ہے — شاید اس کے پاس دل ہی نہیں ہے اور اگر ہے تو پتھر کی مانند سخت — عمر نے اس کو آرام کرنے کے لئے کہا تھا جیسے وہ کوئی ننھی سی لڑکی ہو — یا کوئی ایسا گھوڑا ہو جسے اصطبل میں باندھ دیا گیا ہو اور بغیر کسی کام کے روزانہ دانہ گھاس مل جاتا ہو۔

عمر بہت دیر تک چشمہ کے کنارے بیٹھا ہوا اپنے خیالوں میں کھویا رہا — یاسمین نے گلاب کا پھول توڑ کر اسے دیا تھا جس پر اس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ بہت سے گلاب کے پھول اسے بھیجے گا لیکن وہ وعدہ آج تک پورا نہ ہوا اس کے تصور کی کتاب کا دوسرا ورق الٹا —

یاسمین ابوالقاسم کے پاس دلہن بنی بیٹھی تھی۔ وہ رو رہی تھی چیخ رہی تھی۔ چلا رہی تھی اور پھر حلب کی سڑکوں پر گھسیٹتی ہوئی پکار رہی تھی ابوالقاسم اسے کوڑوں سے مار رہا تھا ـــ پھر اسے یاسمین کے ساتھ گذری ہوئی رات یاد آگئی ـــ صرف ایک رات ـــ اور پھر دوسری اور پھر تیسری راتیں جس میں وہ بخار میں جل رہی تھی ـــ اب اس کے سامنے یاسمین کا جنازہ رکھا ہوا تھا ـــ برف کے مانند ٹھنڈا جسم اور برف کی طرح سفید کفن ـــ کافور اور گلاب کی ملی جلی خوشبوئیں ـــ گلاب کے تختے سے خوشبو کا ایک جھونکا آیا وہ اس طرح چونک کر ہوشیار ہو گیا جیسے یاسمین وہیں موجود ہو لیکن وہ تو اس وقت قصر کوچک میں بیٹھا تھا یاسمین کہاں؟ اس وقت دوپہر ڈھل چکی تھی۔

بے خیالی میں اس نے ہاتھ سے اشارہ کیا جیسے دیکھتے ہی ایک ملازم دوڑتا ہوا آیا اور اس کے قریب آکر مؤدب ہو کر کھڑا ہو گیا عمر نے اسے بلایا نہیں تھا لیکن عمر کے ہاتھ ہلنے سے وہ سمجھا کہ عمر نے اسی کو بلایا تھا۔ ممکن ہے کہ کہیں دور کھڑا ہوا عمر کی حرکات و سکنات کا مطالعہ کر رہا ہو۔

مروان کو دیکھ کر عمر کا موڈ پھر خراب ہو گیا اسے یاد آگیا کہ یہی وہ شخص ہے جس کی نگرانی کرنے کے لئے مقرر کیا گیا ہے۔

"میں نے تمہیں کب بلایا تھا مروان" عمر نے اپنے لہجہ میں مصنوعی نرمی پیدا کرتے ہوئے پوچھا۔

مروان کے پاس اس کا کیا جواب تھا وہ اپنی غلطی محسوس کر کے خود ہی

کھسک گیا اسی وقت اسحاق دربان وہاں آگیا۔

"حضور ایک خط ہے جو بہت ضروری ہے اور رے ہے ___"

"نہیں میں اسوقت کوئی خط وط نہیں دیکھونگا" عمر نے جھنجلا کر کہا "مجھے آج مکمل سکون کی ضرورت ہے ___ آج رات کا کھانا بھی میں نہیں کھاؤں گا ___ بس اب تم جاؤ اسحاق ___ ہاں اور دیکھتے رہنا کہ کوئی یہاں نہ آنے پائے۔"

"لیکن سرکار یہ خط تو بہت ___"

"بکو مت ___ اگر باغ میں کوئی گیدڑ تک آگیا تو تمہاری خیر نہیں ہے"

"سرکار یہ خط ___"

"اوخدا!" عمر چیخ پڑا "کن جانوروں سے پالا پڑا ہے" لیکن یہ بات سننے سے پہلے ہی اسحاق نو دو گیارہ ہو چکا تھا۔

عمر کو اس وقت امام غزالی پر رشک آرہا تھا جن کو ماننے والے سینکڑوں شاگرد تھے لیکن اس کا کوئی شاگرد بھی ایسا نہیں تھا جو اس کے خیالات سے متفق ہوتا "غزالی اپنے وقت کا بہت بڑا مجدد ہوگا" عمر سوچنے لگا "لیکن میں کچھ بھی نہ بن سکا"

عمر چونک پڑا ___ جھٹ پٹے کے مدھم دھندلکے میں بربط کے ہلکے ہلکے نغمے پھوٹ رہے تھے اور اس کے ساتھ ہی گانے کی سریلی آواز آرہی تھی ___ یہ ایک عربی گیت تھا اور ایسے لوگوں سے متعلق تھا جو جنگ سے واپس آتے ہوئے ریگستان میں سفر کر رہے ہوں ___ انکے

اونٹ مال غنیمت سے بھرے ہوں اور بے شمار حسین لونڈیاں ان کے ساتھ ہوں
عمر نے فوراً ہی محسوس کر لیا کہ یہ آواز کہیں قریب سے آ رہی تھی۔ وہ اٹھ کر
اس کنج کی طرف بڑھنے لگا، جہاں سے آواز آ رہی تھی۔

"یہ کیا؟" اس نے تیزی سے پوچھا

اس کے سامنے لیلیٰ کھڑی ہوئی تھی اس کے چہرہ پر بہت ہی باریک نقاب پڑا ہوا تھا جس کے پیچھے سے اسکا چہرہ مسکراتا ہوا اچھی طرح سے نظر آ رہا تھا۔

"یہ بو صفا کا ایک گیت ہے" اس نے دلکش لہجہ میں جواب دیا "اگر آپ سننا چاہیں تو اور بھی ہے"

"میرا مطلب یہ تھا کہ تم یہاں کیوں ہو لیلیٰ؟ — میں نے اسحاق کو حکم دیا تھا کہ باغ میں کوئی شخص آنے نہ پائے۔"

"لیکن میں اس حکم سے پہلے ہی یہاں موجود تھی"

"خیر — اب نہ گانا"

لیلیٰ نے بربط زمین پر رکھ دیا اور خود دو زانو ہو کر بیٹھ گئی وہ اس وقت خاموش تھی لیکن صرف زبان سے۔ اس کا ہر ہر عضو چلبلا رہا تھا۔ سب سے پہلے تو اس نے اپنے بالوں کو سنوار کر جوڑا باندھا۔ اور پھر نقاب لوٹ کر اس طرح آسمان کی طرف دیکھنے لگی جیسے ستاروں کے متعلق کسی گہرے خیال میں غرق ہو۔ اس کے جسم سے گلاب کی بھینی بھینی خوشبو آ رہی تھی پھر وہ اپنے بازو بند کو کھولنے لگی جسکی وجہ سے

اسکا بازو شانے تک برہنہ ہو گیا۔۔۔ اسکا رخ عمر کی طرف ہی تھا۔

عمر اپنے خیالات کو دیر تک قائم نہ رکھ سکا اب اسکی نگاہیں لیلی کے بازو پر لگی ہوئی تھیں ۔۔۔ بھرا بھرا بازو۔۔۔ جیسے صندل کی شاخ۔۔۔

وہ اس وقت بازو بند کھولنے میں مصروف تھی جو بہت زیادہ کسا ہوا اور تکلیف دہ معلوم ہو رہا تھا۔۔۔ بازو بند اتنا اوپر بندھا ہوا تھا کہ اس سے گرہ نہیں کھل رہی تھی۔ کئی بار اس نے اپنے دانتوں سے بھی کھولنے کی کوشش کی لیکن کامیابی نہ ہوئی۔۔۔ آخر وہ تھک کر گہری گہری سانسیں لینے لگی۔ وہ اسوقت ایسے بچہ کی طرح معلوم ہو رہی تھی جو مصیبت کے وقت روہانسہ ہو جاتا ہے۔۔۔ عمر نے آگے بڑھکر گرہ کھولنے کی کوشش کی لیکن اس سے بھی نہ کھلی بازو کو مضبوطی سے پکڑ کر اس نے اپنے دانت گرہ سے لگا دئے۔۔۔ اس کے برہنہ شانے کی نمکین جلد اسکے ہونٹوں سے مس ہوئی۔۔۔ یہ معلوم ہو رہا تھا کہ ریشمی ڈوری کے نیچے کوئی بھٹی دہک رہی ہو۔۔۔ اب کافی اندھیرا ہو گیا تھا اس لئے وہ گرہ اچھی طرح سے نظر نہیں آ رہی تھی بہت دیر تک کوشش کرنے کے بعد عمر نے اس گرہ کو دانت سے کتر کر کاٹ دیا۔

لیلی نے اطمینان کی سانس لی اور اپنے بالوں کو دوبارہ ٹھیک کیا جو اس کے ماتھے پر آ گئے تھے لیلی کے جسم کی خوشبو سے عمر کا دماغ مہک گیا حالانکہ ابھی تک اپنی زبان سے لیلی نے ایک لفظ بھی ادا نہیں کیا تھا لیکن عمر کے دل و دماغ پر وہ بری طرح چھائی جا رہی تھی اور وہ اسوقت

ہر چیز فراموش کر چکا تھا ـــ

لیلیٰ اسوقت اکڑوں بیٹھی ہوئی تھی عمر کا ہاتھ گھٹنے سے مس ہوتے ہی اس کے سارے جسم میں بجلی سی کوندگئی اور عمر کی طرف خمار آگیں نظروں سے دیکھنے لگی عمر نے اسکو آغوش میں لینے کے لئے بازو اسکی طرف بڑھائے لیکن وہ مچھلی کی طرح تڑپ کر پھسلتی ہوئی دور جا کھڑی ہوئی۔

"لیلیٰ ـــ لیلیٰ"

لیکن لیلیٰ اب وہ بے زبان لیلیٰ نہیں تھی اب وہ اس کو عمر سے بالکل بھی خوف نہ رہا تھا ـــ جب عمر اس کے پیچھے دوڑا تو وہ ہرنی کی طرح اچھلتی کودتی ہوئی زیتون کی چھاؤں میں چھپ گئی جہاں اتنا اندھیرا تھا کہ کہ آسمان تک نظر نہیں آ رہا تھا۔

عمر تاریکی میں ادھر ادھر ہاتھ چلانے لگا ایک بار اس کا ہاتھ لیلیٰ کے شانے پر پڑا لیکن وہ پھر تڑپ کر نکل گئی وہ ننگے پاؤں تھی اس لئے یہ بھی نہیں معلوم ہو رہا تھا کہ کدھر آئی اور کدھر گئی ـــ دوڑتے دوڑتے عمر کا سانس پھولنے لگا اور وہ تھک کر ایک جگہ بیٹھ گیا۔ اپنے پیچھے قہقہہ کی آواز سن کر وہ اچھل کر پھر اس کی طرف دوڑا لیکن وہ پھر درخت کے تنے کی آڑ میں چھپ گئی اس بار اس نے لیلیٰ کو چھپتے ہوئے دیکھ لیا تھا وہ آہستہ آہستہ اس طرف بڑھنے لگا وہ بھاگنے ہی والی تھی کہ عمر کے آغوش میں پہونچ گئی ایک لمحہ تک وہ نکلنے کے لئے مچلتی رہی لیکن بازو مضبوط تھے اسکے لمبے لمبے ریشم جیسے بال اس کے پورے چہرے پر آ گئے تھے اور خمار اتر کر

گلے میں آگیا تھا — اب اس کے بازو عمر کے گلے میں حمائل تھے اور آنکھیں بند تھیں — آدھے گھنٹہ تک وہ اسی طرح نیم مدہوش لڑکی کو لئے ہوئے کھڑا رہا — اسکو یہ اندازہ ہوگیا تھا کہ یہ عرب لونڈی تھی اس سے بے انتہا محبت کرتی تھی۔

یکایک لیلیٰ اس کے آغوش سے نکلکر اس کے سامنے زمین پر بیٹھ گئی اور آہستہ آہستہ سروں میں ایک گیت گانا شروع کر دیا — وہ اپنے بکھرے ہوئے بالوں اور بھیگے ہوئے لباس کو دیکھ دیکھ کر مسکراتی جا رہی تھی۔ عمر نے اسکا ہاتھ پکڑا اور چشمہ پر لے آیا۔

تاروں کی روشنی میں جب اس نے لمبے لمبے بالوں کو سنوار کر جوڑا بنایا تو عمر کو اس لونڈی کے دبلے پتلے نازک جسم کا عکس محسوس ہوا — اہرام مصر کی مانند اور ابوالہول کی طرح گٹھا ہوا —

وہ رات — چشمہ کا پرسکون پانی — اور گلاب کے پھولوں کی مہک — آج سب کچھ اسی کا تھا وہ سوچنے لگی — شاید وہ عمر سے اچھی طرح واقف نہ تھی۔

"اپنے آقا کے ساتھ مجھے دنیا کی تمام نعمتیں حاصل ہیں" لیلیٰ نے کہا اور چشمے میں دور تک اترتی چلی گئی اب اسکی کمر تک پانی تھا اس کا سارا لباس تربتر ہو رہا تھا اس کے ساتھ ہی عمر بھی پانی میں اتر گیا۔

جب وہ دونوں چشمے سے نکل کر اپنا لباس نچوڑنے لگے تو لیلیٰ اسوقت کچھ اور ہی نظر آرہی تھی۔ اس کا بھیگا ہوا جسم لباس سے اسطرح چپک گیا تھا

کہ وہ ایلورا کے غار کی کوئی تصویر معلوم ہو رہی تھی ــــ اسی وقت وہ چونک کر سن گن لینے لگی۔ بہت آہستہ آہستہ کسی کے قدموں کی آواز آ رہی تھی۔

"کوئی آ رہا ہے" اس نے آہستہ سے کہا اور آواز کی طرف دیکھنے لگی "ان کے ہاتھوں میں ننگی تلواریں بھی ہیں"۔

عمر نے اس طرف دیکھا جدھر لیلیٰ نے اشارہ کیا تھا۔ درختوں کے پیچھے سے اب بہت سی مشعلوں کی روشنیاں بھی نظر آنے لگیں تھیں اور اسکے ساتھ ہی تیز اور شفاف لوہے کی چمک ــــ ان مشعلوں کا رخ اسی طرف تھا۔

"آپ کی تلوار کہاں ہے؟" لیلیٰ نے پوچھا۔

"وہ تو قصر میں ہے"

"تو جلدی کیجئے ــــ وہ لوگ مسلح ہیں ــــ خدا کے لئے جلدی چلئے ــــ"

عمر کو کسی باہری حملہ کا تو اندیشہ نہ تھا وہ اطمینان کے ساتھ کھڑا ہوا آنے والوں کا انتظار کرنے لگا اب درختوں کی آڑ سے نکل کر وہ لوگ سامنے آ گئے تھے۔ چار پانچ مسلح سپاہی اور اسحاق دربان تھا۔ لیلیٰ نے جلدی سے اپنے چہرہ پر نقاب ڈال لیا اور گلاب کی جھاڑی کے پیچھے چھپ گئی۔

اسحاق اسی طرف آ رہا تھا عمر کو دیکھتے ہی اس کے منہ سے اطمینان کی چیخ نکل گئی۔

"یا سیدی ہم نے باغ میں کسی کے دوڑنے کی آوازیں سنی تھیں" اسحاق نے کہا "ہم نے خیال کیا کہ شاید چور گھس آئے ہیں ـــ کیونکہ کسی کے پانی میں گرنے کی آواز بھی آئی تھی ـــ خدا کا شکر ہے آپ محفوظ ہیں"

عمر کو غصہ آ گیا "کیا تم ایک منٹ کیلئے بھی مجھے تنہا نہیں چھوڑ سکتے ـــ جاؤ دفعان ہو جاؤ بے ایمانو ـــ میں خود ہی باغ میں دوڑ رہا تھا اور میں نے ہی چشمہ میں پتھر پھینکا تھا ـــ"

ایک لمحہ تک وہ خاموش کھڑا ہوا سوچتا رہا پھر بولا "اب جاؤ ـــ اور ہمیشہ یہ یاد رکھنا کہ باغ کا یہ حصہ حرم میں شامل ہے ـــ یہاں مردوں کے آنے کی سخت ممانعت ہے"

"اور سرکار مالی؟" اسحاق کے لہجہ میں تعجب تھا "حارث، سعید مروان اور دوسرے مالی؟"

"انکو اصطبل میں مکھیاں مارنے دو ـــ یہ باغ بغیر ان کے ہی ٹھیک ہے"

جب وہ پانچوں چلے گئے تو لیلیٰ بھی گلاب کی جھاڑی سے نکل آئی وہ اسوقت ہنس رہی تھی۔

"آپ کے سب نوکر کام چور اور کاہل ہیں" اس نے کہا "آپ کے پیچھے ہمیشہ گپیں لڑاتے رہتے ہیں اور آپ کے سامنے اتنے مستعد ہو جاتے ہیں جیسے بڑے ہی کام کرنے والے ہوں

۲۲

بائیسواں باب

نامہ بر کبوتر

عمر نے کئی ہفتہ سے ڈاک نہیں دیکھی تھی اور حقیقت یہ ہے کہ وہ ان دنوں لیلیٰ کے علاوہ اور کچھ سوچ ہی نہ سکا تھا۔ اب لیلیٰ بغیر نقاب کے بھی باغ میں جا سکتی تھی کیونکہ کوئی مالی اس طرف نہیں آ سکتا تھا۔ وہ عمر کے معاملات میں کبھی دخل نہیں دیتی تھی اور نہ اس کے خیالات میں کبھی دخل اندازی کرتی ــــ اب قصر کا سارا انتظام اسی کے ہاتھوں میں تھا اور عمر اس پر اعتبار کرتا تھا۔

وہ باورچی خانے میں جا کر صرف عمر کیلئے اپنے ہاتھ سے کھانا تیار کرتی اور پھر اسے خوان میں سجا کر عمر کے سامنے لاتی ــــ ایک بار زلیخا نے ناک بھوں بھی سکیڑی تھی اور اعتراض کیا تھا کہ یہ کام اس کا تھا جو لیلیٰ کر رہی تھی۔

"تمہارے لئے ایسے آدمی بہت ہیں جن کو تم کھانا پکا کر کھلا سکتی ہو" لیلیٰ نے تنک کر جواب دیا "تمہارے بے شمار بچے ــــ لاتعداد رشتہ دار اور ان کے بچے ــــ جو بھی یہاں سے باہر جاتے ہیں ان کی جیبیں کھانے کے سامان ــــ پنیر اور گوشت کے پارچوں سے بھری ہوتی ہیں ــــ

کیا اتنے لوگ تمہارے لئے کافی نہیں ہیں ۔۔۔ میں تو صرف اپنے آقا کیلئے کھانا پکاتی ہوں اس میں تمہارا کیا اجارہ ہے ۔۔۔ تمہاری ہزاروں چوریوں کو میں نے ابتک نظرانداز کیا ہے ۔۔۔ اب تم خود ہی سوچ لو کہ ان دونوں کاموں میں سے کس کو پسند کرتی ہو؟"

اس کے بعد زلیخا نے کبھی کوئی اعتراض نہیں کیا یہ معلوم ہوتا تھا جیسے اسے سانپ سونگھ گیا ہو۔

عمر اس سے بہت خوش تھا کیونکہ وہ اسکا انتہائی خیال رکھتی تھی اسکے کھانے ۔ پینے ۔ کپڑے اور آرام کا دھیان رکھتی ۔ کسی خادم کی مجال نہیں تھی جو عمر کو بے وقت پریشان کرتا یا اس کے معمول میں کوئی فرق آتا۔

لیلیٰ کی خواہش تھی کہ ایک خواجہ سرا بھی کام کاج کرنے کیلئے رکھ لیا جائے اس زمانہ میں بڑے آدمی کے یہاں خواجہ سرا ہونا ضروری تھا اس نے اسحاق سے کہہ رکھا تھا کہ اگر کوئی ڈھنگ کا خواجہ سرا مل جائے تو وہ رکھ لیگی عمر نے خواجہ سرا کے معاملہ کو ہمیشہ ٹالا کیونکہ وہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ ایک عورت نامرد اس کے سر پر ہمیشہ سوار رہے اور اسکی خلوتوں میں مخل ہو۔

آج جب عمر حرم سے باہر نکلا تو اس نے دیکھا کہ برآمدہ میں کوئی اجنبی بیٹھا ہوا تھا ۔۔ یہ ایک دبلا پتلا مخنی سا آدمی تھا جو سرخ اطلس کی ٹوپی اوڑھے ہوئے تھا اور اسی رنگ کی اطلس کی صدری پہنے ہوئے تھا جس پر کامدانی کا کام کیا ہوا تھا۔ عمر کو دیکھتے ہی وہ ٹھٹک کر کھڑا ہو گیا اور جھک کر سلام کیا۔

"کون ہو تم؟" عمر نے متعجب ہو کر پوچھا۔

"اللہ جان کی سلامتی رکھے ـــــ حضور کے قربان جاؤں میرا نام زنبل آغا ہے۔ میں حضور کی خدمت کیلئے حاضر ہوئی ہوں ـــــ مجھے میاں اسحاق نے یہاں بھیجا ہے"

عمر نے آگے بڑھ کر اسحاق کو آواز دی جو پھاٹک پر کھڑا ہوا تھا۔

"میں نے تم سے کب کہا تھا کہ تم حرم کیلئے خواجہ سرا کو رکھ لو؟" عمر نے پوچھا۔

"سرکار ـــــ ہم لوگوں کو تو حرم میں جانے کی ممانعت ہے ـــــ زلیخا بیچاری بوڑھی ہے اسے آنکھوں سے بھی کم دکھتا ہے میں نے سوچا تھا کہ اوپر کی دوڑ بھاگ کیلئے کوئی آدمی ہونا ضروری ہے"

"اچھا اب اسے واپس کردو"

"بہت اچھا سرکار ـــــ باغ بہت بڑا ہے سرکار اور اسکی نگرانی کیلئے بھی تو کسی آدمی کی ضرورت ہے"

"لیکن یہ زنبل آغا یہاں نہیں رہ سکتا"

اسحاق کچھ جز بز سا ہو کر رہ گیا کہ ایک معمولی خواجہ سرا کے سامنے اس پر ڈانٹ پڑ گئی تھی اس نے فوراً ہی بات کا موضوع بدل دیا "بیس روز سے اعلیٰ حضرت نظام الملک کا خط آیا ہوا رکھا ہے لیکن اس کا جواب ابھی تک نہیں گیا" اسحاق نے کہا "حالانکہ میں نے عرض کیا تھا کہ وہ کوئی اہم خط ہے کیونکہ ایک مخصوص قاصد اسکو لایا تھا اور اس کا اصرار تھا

کر جواب فوراً ملنا چاہئیے ـــــ کیا وہ خط لے آؤں سرکار؟"

عمر اس خط کو بالکل ہی بھول گیا تھا۔ جب اس نے لفافہ چاک کر کے خط پڑھا تو سناٹے میں آگیا خط میں لکھا تھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ـــــ خواجہ نظام الملک طوسی وزیر اعظم دولت سلجوقیہ کی طرف سے خواجہ عمر بن ابراہیم خیمہ دوز شاہی منجم کو بعد سلام سنون کے معلوم ہو کہ آپ بلا ایک گھنٹہ کی تاخیر کے سلطان العالم کو یہ یقین دلاتے ہوئے خط لکھئے کہ ابھی نیشا پور سے واپس آنے کیلئے ستارے موافق نہیں ہیں ـــــ میں چاہتا ہوں کہ وہ سمرقند کے محاذ پر مصروف رہیں ورنہ ملک کو نقصان پہونچنے کا احتمال ہے ـــــ انکا ارادہ واپسی کا ہو رہا ہے اور وہ یہ بھی چاہتے ہیں کہ فوج کے بیشتر حصہ کو برطرف کر دیا جائے ـــــ

فقط والسلام نظام الملک

عمر نے خط کو دوبارہ غور سے پڑھا اور پھر اسکو پھاڑ کر دھجی دھجی کر دیا۔ اس قسم کے پیغامات کو احاطہ تحریر میں لانا اور باقی رکھنا انتہائی خطرناک تھا۔ "خیر نظام اپنے معاملات کو خود ہی بہتر سمجھتا ہے ـــــ" عمر سوچنے لگا" وہ چاہتا ہے کہ میں جھوٹی پیشنگوئیاں کروں ـــــ یہ ضرور ہے کہ یہ کام سلطنت کی بھلائی کے لئے ہو رہا ہے اور نظام کی نیت پر شبہ نہیں ہو سکتا لیکن ملک شاہ بھی تو خود مختار بادشاہ ہے جب سے وہ غریب بادشاہ ہوا ہے اسکو ایک دن بھی اپنے محل میں سکون نہ ملا اور برابر لڑائیوں میں مصروف رہا۔ اب اگر وہ امن سے بیٹھنا چاہتا ہے تو میں کیوں

مخالفت کروں"

عمر اگر نیشا پور میں ہوتا تو ممکن ہے کہ اسے اپنی مرضی کے خلاف کام کرنے پر مجبور ہونا پڑتا لیکن اسوقت وہ نظام الملک سے کافی دور تھا۔ اسکے علاوہ وہ امام غزالی سے بھی مل چکا تھا اور انکی صحبت کا اثر اس پر اتنا پڑا تھا کہ وہ اب سیاسی معاملات میں ٹانگ اڑانا نہیں چاہتا تھا امام غزالی کا وہ جملہ ابھی تک اس کے کانوں میں گونج رہا تھا کہ "خدا کے ذکر و فکر میں ہر وقت رہنا ہی دنیا کا سب سے بڑا کام ہے" اس نے ایک کاغذ اٹھا کر جواب لکھ دیا۔ صرف ایک لفظ "نہیں" اس کے نیچے اپنے دستخط کرکے لفافہ کو بند کر دیا۔ "لو اسحاق۔ یہ لفافہ ابھی نیشا پور روانہ کر دو یہ خط نظام الملک کے ہاتھ میں دیا جائے گا۔ کوئی تیز رفتار سوار بھیجنا۔"

"لیکن سرکار" زنبل آغا بیچ میں بول پڑا "وزیر اعظم تو آجکل رے میں ہیں۔ کسی اجتماع میں شرکت کیلئے گئے ہوئے ہیں"

رے نیشا پور کے مغرب میں کافی فاصلہ پر تھا۔ اگر تیز رفتاری سے سفر کیا جائے تو بھی ایک ہفتہ کا راستہ تھا۔ "جہاں بھی ہوں فوراً یہ خط روانہ کر دو" عمر نے کہا۔ "لیکن مروان کو نہ بھیجنا"

جب وہ حرم کی طرف مڑا دروازہ کے قریب ہی ایک چھوٹی سی انگیٹھی میں آگ روشن تھی اور اس کے تین مالی مروان، سعید اور حارث بیٹھے ہوئے اپنے ہاتھ تاپ رہے تھے یہ تینوں اس وقت باتوں میں

مصروف تھے عمر کو دیکھتے ہی کھڑے ہو گئے اور سلام کرنے لگے۔

عمر نے اس انگیٹھی پر نظام کے خط کے پرزے ڈال دیئے اور اسوقت تک کھڑا رہا جبتک وہ بالکل جل کر راکھ نہ ہو گئے اس کے بعد وہ اندر چلا گیا تینوں مالی اس چیز کو بہت دلچسپی سے دیکھ رہے تھے اور جب وہ دوبارہ بیٹھے تو بات چیت کے لئے انہیں نیا موضوع مل چکا تھا۔

یہ خط کوئی خاص اہمیت رکھتا ہو گا" سعید نے کہا "اس پر بہت سی مہریں بھی لگی ہوئی تھیں"۔

"اور مہریں بھی سرخ لاکھ کی تھیں حارث نے کہا" ایسی مہریں تو وزیر اعظم کے خطوں پر لگی ہوتی ہیں"

وہ تینوں پگھلی ہوئی لاکھ کی طرف دیکھنے لگے جواب خاکستر ہو چکی تھی۔ اسی وقت مردان اٹھ کر برآمدہ میں آگیا جہاں زنبل آغا اپنا بستر باندھ رہا تھا۔

"مجھے کچھ سامان کی ضرورت ہے" لیلیٰ نے عمر کو دیکھتے ہی کہا "اگر کوئی شخص نیشاپور جا رہا ہو تو منگا دیجئے۔

"تمہارے لئے کس چیز کی کمی ہے ــــ کیا کیا سامان چاہئے؟"

"ایک تھان دیبا کا ــــ ایک چھٹانک مشک۔ آدھ پاؤ عنبر۔ کوکنار کے بیجوں کا تیل ــــ بس"

"ابھی منگا دونگا" عمر نے کہا اور اپنی جیب سے ایک موباف نکالکر اسکو دکھایا جس پر سونے کے تاروں کا کام کیا ہوا تھا اور موتیوں کی جھالر

کناروں پر لگی ہوئی تھی لیلیٰ اسے دیکھتے ہی فرطِ مسرت سے چیخ پڑی اور پھر بہت دیر تک نئے موباف کو لگانے کے لئے اپنے بالوں کو سنوارتی رہی۔ بار بار اپنے چہرہ کو چاندی کے آئینہ میں دیکھتی جاتی تھی ـــــ آخرکار وہ اسی قالین پر آگئی جس پر عمر بیٹھا تھا وہ اسوقت گہری گہری سانسیں لے رہی تھی اور آنکھیں اتنی خمار آلود تھیں جیسے ابھی نیند سے اٹھی ہو۔

"تم نے وعدہ کیا تھا کہ عنقریب قاضی کو بلاکر تم ـــــ آخر وہ "عنقریب" کب آئیگا؟" اس نے شرماتے ہوئے کہا

عمر ہمیشہ اس بات کو ٹال جاتا تھا ـــــ یہ واقعہ ہے کہ یاسمین کے بعد اس کا دل مردہ ہو چکا تھا اور اس نے شادی نہ کرنے کا عہد کر لیا تھا وہ اپنے اتقا اور پرہیزگاری میں پورے خراساں بلکہ مملکت اسلامیہ میں مشہور تھا ـــــ لیلیٰ نے آکر اسکی افسردگی بڑی حد تک دور کر دی تھی بلکہ کبھی ایسا بھی ہوا کہ اس کے قدم ڈگمگائے لیکن فوراً ہی سنبھل گیا۔ غریب لیلیٰ اسکے التفات چھیڑ اور محبت سے دوسرا مطلب نکالتی تھی حالانکہ اسکی نظر میں ہمیشہ لیلیٰ کی حیثیت یہ رہی کہ وقتی طور پر افسردگی دور ہو جائے ـــــ اس کا ارادہ تھا کہ اگر کوئی اچھا سا نوجوان مل جائے تو وہ لیلیٰ کی شادی بڑی دھوم سے کریگا

دو ہفتہ کے بعد ایک قاصد نے قصر کو چک کے سامنے آکر گھوڑا روکا

یہ قاصد عمر کی طلبی کا پروانہ نظام الملک کی طرف سے لایا تھا۔ وزیراعظم نے اسے رے میں فوراً طلب کیا تھا اور تاکید کر دی تھی کہ روانگی میں ایک منٹ کی تاخیر بھی نہ ہو۔

جب دوسری شام عمر نے لیلیٰ کو خدا حافظ کہا تو عرب لڑکی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ لیلیٰ نے عمر کے ساتھ چلنے کیلئے بہت اصرار کیا لیکن وہ نہ مانا

"اچھا تو خدا حافظ" وہ بڑبڑائی "لیکن بغیر کسی ہتھیار کے اجنبی لوگوں کے ساتھ ادھر ادھر نہ گھومنا"

پھاٹک پر اسحاق نے سلام کیا عمر نے دیکھا کہ اس کے آتے ہی ایک شخص رنگین لباس پہنے ہوئے ایک کونے میں چھپ گیا تھا۔۔۔ اس نے فوراً ہی پہچان لیا کہ وہ زنبل آغا تھا۔

"یہ مردود خواجہ سرا پھر یہاں آگیا" عمر نے کڑک کر پوچھا۔

اسحاق نے مودب ہو کر اپنے ہاتھ باندھ لئے "کل عشاء کی نماز کے بعد مجھے معلوم ہوا تھا کہ سرکار رے کے سفر پر تشریف لے جانے والے ہیں ۔۔۔ خدا معلوم واپسی کب ہو۔۔۔ آخر اس گھر کی حفاظت کی ذمہ داری بھی تو مجھ پر ہوگی ۔۔۔ میں نے اسکو بلا لیا ۔۔۔ وہ حرم کے اندر نگرانی کرے گا اور ۔۔۔"

"اوہ! تو تم نے ہی اسے بلایا ہے" عمر کو غصہ آگیا "اصطبل سے ایک گھوڑا لے کر اسے فوراً نیشا پور روانہ کر دو اور آئندہ خیال رکھنا کہ میرے دروازہ پر یہ دوبارہ قدم نہ رکھنے پائے۔

اس کے بعد وہ دو غلاموں کو ساتھ لیکر رے کی طرف روانہ ہو گیا

جب شام ہوتی تو کسی کارواں سرائے میں ٹھہر جاتا اور صبح ہوتے ہی پھر روانہ ہو جاتا ۔۔۔ تیسرے روز وہ نیشا پور کے قریب پہنچ گیا لیکن وہ

شہر میں داخل نہ ہوا کیونکہ سینکڑوں آدمی اس کو گھیر لیتے اور اسے پنڈ چھڑانا دوبھر ہو جاتا ۔۔۔

اسی طرح سفر جاری رہا اور دن گذرتے گئے ۔۔۔ جب چھٹے دن تین آدمیوں کا یہ مختصر قافلہ ایک سرائے میں رکا تو عمر نے ایک سوار کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا اس کے ہاتھ پر پالتو باز[1] بیٹھا ہوا تھا۔

"یا سیدی میں نے آپ کو سرائے کے دروازہ سے کب پہچان لیا تھا" اس اجنبی نے کہا "مجھے ایک روز پہلے ہی معلوم ہو گیا تھا کہ آپ اس طرف سے گذرنے والے ہیں" اس نے اپنی جیب سے کچھ نکال کر عمر کو دکھایا یہ ایک بہت چھوٹی سی چاندی کی نلکی تھی۔

"کل شام کو میرے باز نے ایک کبوتر شکار کیا تھا" اس اجنبی نے سلسلہ کلام جاری رکھا "میں نے تو اسے ایک مرغابی پر چھوڑا تھا جو دریا کی طرف اڑتا ہوا جا رہا تھا لیکن اس نے کبوتر کو دبوچ لیا۔ یہ کبوتر مغرب کی طرف جا رہا تھا۔ اس کے پاؤں میں بندھی ہوئی نلکی دیکھ کر میں سمجھ گیا کہ وہ ایک پیغام رساں کبوتر تھا اس پیغام کو دیکھ کر ہی مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ آپ اس جگہ تشریف لانے والے ہیں۔

عمر نے نلکی کے اندر سے وہ کاغذ نکال لیا جو دو انچ سے زیادہ

---

[1] یہ شکرے کی نسل کا لیکن اس سے بہت زیادہ طاقتور پرندہ ہوتا ہے اور اڑتے ہی چڑیوں کو شکار کرتا ہے۔

بڑا نہیں تھا اس پر صرف ایک سطر لکھی ہوئی تھی "عمر خیام اسوقت رے کی طرف سفر کر رہا ہے" نہ تو پانے والے کا نام تھا نہ بھیجنے والے کا نام اس طرح کے نیچے ایک نمبر لگا ہوا تھا ۴۹۵۔

"کیا یہ کبوتر مغرب کی طرف جا رہا تھا" عمر نے پوچھا۔

"جی ہاں ــ بالکل تیر کی طرح ڈوبتے ہوئے سورج کی طرف جا رہا تھا ــ میں یہ پرچہ اس لئے لے آیا کہ شاید آپ کے کام کا ہو"

اس پرچہ کو دوبارہ غور سے دیکھ کر عمر سوچنے لگا اسکی روانگی کا علم صرف قھر کوچک میں رہنے والوں کو ہی تھا اور یقیناً ان لوگوں میں سے کسی نے یہ بھیجا تھا لیکن کس نے ؟ کس کو ؟ اور کہاں ؟ یہ وہ سوالات تھے جن کے جواب ملنے کی عمر کو بالکل امید نہ تھی یہ تو طے شدہ بات تھی کہ اس پرچہ سے نظام کو کوئی تعلق نہ تھا۔

نامعلوم کیا سوچ کر اس نے وہ کاغذ تکیئے میں رکھ کر جیب میں رکھ لیا اور باز والے شکاری کا شکریہ ادا کرتے ہوئے دو دینار دیکر رخصت کر دیا۔

یہ اتفاق تھا کہ باز نے اس کبوتر کو مار کر وہ پرچہ حاصل کر لیا تھا جو اسے کبھی نہیں مل سکتا تھا۔

۲۳

تیئیسواں باب

عتاب

نظام الملک اور عمر خیام ایک قالین پر آمنے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ نظام الملک کا تعجب ابھی تک کم نہیں ہوا تھا کیونکہ یہ پہلا موقعہ تھا جو خیمہ دوز کے لڑکے نے اس کے حکم کی تعمیل سے انکار کیا تھا۔

"لیکن کیوں؟" نظام الملک نے یہ جملہ دوبارہ دہرایا "آخر ایسا کیوں ہوا جو تم نے ہماری ترقی میں حارج ہونے کی کوشش کی ---- ہمارے حکم کی تعمیل سے انکار کرنے کی جراوت کی"

دولت سلجوقیہ کے انتظامی معاملات کو انجام دیتے ہوئے نظام الملک کی عمر گذر گئی تھی۔ اسکی صلاحیتوں اور کوششوں سے سلطنت کا رقبہ اتنا وسیع ہو چکا تھا کہ خلفائے متقدمین کے علاوہ بغداد کے کسی دور میں اسکی مثال نہیں ملتی اور اب سلطنت سلجوقیہ کا رقبہ چین سے بیت المقدس تک طول میں اور قسطنطنیہ سے بلاد مغرب تک عرض میں پھیل چکا تھا۔

بادشاہ کی حیثیت ایک عظیم الشان خاندان کے سربراہ کی سی ہوتی ہے نظام نے اپنی انگلی میں مہر شاہی کی انگشتری گھماتے ہوئے کہا اس کو اپنے خاندان کے ہر فرد کا برابر سے خیال رکھنا پڑتا ہے۔ کیا اس موقعہ پر فوج کی

برطرفی مناسب ہے ؟ تم کو معلوم ہے کہ ہماری فوج میں کون کون لوگ ہیں ؟ شمالی ترک ــ غلام ــ ترکمان ــ جارجیا کے لوگ عرب خانہ بدوش خراسانی ــ ایک طرف تو بلاد مشرق کی مہم جاری ہے اس سے فارغ ہو کر ہمیں یہ مصر حاصل کرنا ہے دوسری طرف جنگ ملتوی ہو رہی ہے فوج برطرف ہو رہی ہے کیا تمہارے نزدیک یہ ٹھیک ہے ؟ یہ سات لاکھ فوج ہے جو برطرف ہو رہی ہے یہ لوگ آخر کیا کریں گے ــ ہزاروں جنگجو ہاتھی جو ہندوستان سے لائے گئے ہیں انکا کیا ہوگا ــ تم کو معلوم ہے کہ میں نے شروع ہی میں اتنی بڑی فوج کی مخالفت کی تھی لیکن اسوقت سلطان زمانے اور میرے مخالفین کے بھڑکانے میں آگئے ــ جب میں نے بغداد میں نظامیہ یونیورسٹی قائم کی اور تین کروڑ روپیہ سالانہ کی جاگیر اس کے نام وقف کر دی تو اسوقت مجھ سے سلطان نے کہا تھا "اشاعت تعلیم بیشک ضروری ہے لیکن فوجی ضرورت بھی تو کچھ کم نہیں ہے" میں نے جواب دیا تھا کہ "آپ کی فوج باغیوں کو بغاوت کے بعد زیر کرے گی لیکن میں جو فوج تیار کر رہا ہوں وہ بغاوت سے پہلے ہی بغاوت کے مادہ کو کچل دے گی ــ آپ کی فوج تو فقط دشمنان ارضی کے حملہ کو روک سکتی ہے لیکن میری فوج کے دعا کے تیر قضائے آسمانی کو بدل سکتے ہیں" اور اب وہی سلطان ہیں جو لاکھوں سپاہیوں کو برطرف کر رہے ہیں ــ تم کو معلوم ہے کہ میں تو چراغ سحری ہوں تمہاری عمر بھی چالیس سے گذر چکی ہے اور میں تو تم سے بھی دس بارہ سال بڑا ہوں ــ لیکن مجھے اس عظیم الشان سلطنت کی فکر ہے ہمیں

اسکا زوال شروع نہ ہو جائے اگر ایسا ہوا تو میں سلطان العالم خلد آشیاں کو کیا منہ دکھاؤں گا۔"

"لیکن فوج کشی کا سلسلہ تو قیامت تک بھی بند نہیں ہو سکتا ہے"

عمر نے کہا " اتنی بڑی فوج کو تنخواہیں دینے کیلئے ہمیشہ دوسری فتوحات کی ضرورت ہوگی اور فتوحات کے بڑھنے سے سلطنت کا رقبہ بڑھے اور اس بڑی سلطنت کو قائم رکھنے کے لئے اب سے بھی زیادہ بڑی فوج کی ضرورت ہوگی — پھر انکی تنخواہیں — فتوحات سلطنت — فوج — ان چار الفاظ کا دائرہ ایسا ہے جسکا کوئی اختتام ہی نہیں ہے۔"

نظام الملک نے عمر کو تیکھی نظروں سے دیکھا ابتک وہ یہی سمجھا تھا کہ عمر صرف فلسفی اور منجم ہی تھا اسے یہ توقع نہ تھی کہ عمر کو ملکی معاملات میں بھی اتنی سوجھ بوجھ ہوگی — عمر کے انکار اور ملک شاہ کی واپسی کے ارادے نے نظام الملک کے سارے منصوبوں پر پانی پھیر دیا تھا۔

" یہ خدا کا حکم تھا کہ سلطان کی سلطنت اتنی بڑی ہو اور مفتوحہ ممالک پر ہماری حکومت ہو" نظام نے کہا۔

"لیکن یہ تو خدا کا حکم نہیں ہے کہ میں غلط پیشگوئی کر کے گناہ کا مرتکب ہوں " عمر نے قالین کے نقش و نگار پر نظر رکھتے ہوئے کہا " اور اگر سلطان کو علم ہو جائے تو انکی نظر میں ذلیل ہو جاؤں۔"

نظام مسکرانے لگا نامعلوم اسے کیا یاد آگیا تھا۔

" ہمارے مکتب کا پرانا ساتھی حسن بن صباح میرے پاس آیا تھا

تمہارا جواب آنے سے پہلے اسی کمرہ میں بیٹھا تھا۔" نظام نے کہا "اس کا دعویٰ ہے کہ وہ آنے والے لمحات کے متعلق وقت سے پہلے ہی بتا سکتا ہے ــــ اس کے ثبوت میں اس نے بتایا تھا کہ چار روز کے بعد خیام کا جواب آنے والا ہے جس میں صرف ایک لفظ "نہیں" لکھا ہوگا ــــ اس نے یہ خفیہ بات کس طرح بتا دی؟ ــــ کیا تم نے اس سے ذکر کیا تھا؟"

"نہیں ــــ کئی سال ہوئے وہ مجھے بیت المقدس میں ملا تھا اسکے بعد تو میں نے اسکی صورت بھی نہیں دیکھی ہے خط کا ذکر کرنے کا تو سوال ہی نہیں ہے ــــ اب وہ ایک نئے مذہب کا پیرو ہو گیا ہے ــــ وہی مذہب جس کے متعلق آپ نے مجھے بیت المقدس میں خط بھیج کر متنبہ کیا تھا۔"

"مجھے معلوم ہے اور میں نے انکی گوشمالی کرنے کا کافی بندوبست بھی کرلیا ہے۔" نظام بولا "لیکن تعجب تو یہ ہے کہ چار روز کے بعد تمہارا وہی جواب آیا جو اس نے بتایا تھا۔ قصر کوچک کا راستہ یہاں سے آٹھ روز سے کم کا نہیں ہے پھر اسے چار روز کے اندر اس جگہ کیسے پتہ چل گیا ــــ شاہی ہرکارہ جو منزل پر سواری بدلتا ہے وہ بھی چھ روز سے پہلے یہاں نہیں پہونچ سکتا ہے ــــ یہ تو جب ہی ممکن ہے کہ کوئی شخص یہاں اُڑ کر آیا ہو۔"

اُڑنے کا لفظ سنتے ہی عمر کو وہ ٹلکی یاد آگئی جواب بھی اسکی جیب میں موجود تھی۔ "کوئی بھی نامہ بر کبوتر قصر کوچک سے یہاں تین روز سے بھی پہلے پہونچ سکتا ہے۔" عمر سوچنے لگا۔ "لیکن اسکا مطلب تو یہ ہوا کہ قصر کوچک میں کوئی جاسوس موجود ہے ــــ" عمر کو مردان پر پہلے ہی شبہ تھا کہ وہ کسی کا

جاسوس تھا۔

"ایک نامہ بر کبوتر یہ فاصلہ تین دن میں آسانی کے ساتھ طے کر سکتا ہے" عمر نے کہا۔

"اوہ — بالکل صحیح کہا تم نے" نظام نے خوش ہو کر کہا "حالانکہ میری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی تھی — اچھا تو خدا کا نام لیکر فوراً سلطان کو لکھ دو — ہم ابھی نامہ بر کبوتر کے ذریعہ وہ خط سمرقند بھیج دیں گے — تم کو صرف اتنا لکھنا ہے کہ جنگ ملتوی کرنا اسوقت مناسب نہیں ہے"

"بہتر ہے لیکن ایک شرط کے ساتھ" عمر مسکرا کر بولا "آپ کو یہ بھی اجازت دینا ہوگی کہ میں اس جملہ کا اضافہ کر دوں کہ "وزیر اعظم کی خواہش ہے کہ ابھی جنگ جاری رکھی جائے"؟

"کیا بچوں کی سی باتیں کرتے ہو" نظام نے کھسیا کر کہا۔

"تب تو میں نہ یہ لکھونگا اور نہ وہ — میں کچھ نہ لکھونگا"

نظام اس طرح چونک پڑا جیسے اس کے کانوں میں کسی نے سیسہ پگھلا کر ڈالدیا ہو اس کی آنکھیں سرخ ہو گئیں اور سارا جسم غصہ کی وجہ سے کانپنے لگا "میرے سامنے یہ کہنے کی تمہیں جرأت کیسے ہوئی؟" اسنے گرج کر پوچھا۔

"کیا اس بات کے مفہوم سمجھنے میں آپ کو کوئی شبہ ہے"

ایک لمحہ تک نظام خاموش رہا اور عمر کو گھورتا رہا "میں نے تمہیں — خیمہ دوز کے لڑکے کو شاہی منجم بنا دیا ایک شکستہ حال اور فاقہ مست

طالب علم کو سلطنت کا بڑا آدمی بنا دیا ۔۔۔ جنتری بناتے وقت اور نئے سال کے آغاز کے موقعہ پر تمہارے خلاف نفرت کا ایک طوفان اٹھا تھا لیکن میں نے اسے دبا دیا ۔۔۔ تمہاری جان کی حفاظت کی ۔۔۔ تمہاری خدمت کیلئے لونڈیاں اور غلام دیئے ۔۔۔ اسوقت تمہارے پاس کتنی جائداد ۔۔۔ کتنے محل ہیں۔ یہ سب کس نے دیئے ۔۔۔ اب دولت کی تمہارے پاس کمی نہیں ہے یہ سب کس کی کوششوں کا نتیجہ ہے ؟ لوگ کہتے ہیں کہ تم سچ بولتے ہو لیکن میں نے تمہیں ایک بار جھوٹ بولتے ہوئے بھی سنا ہے ۔۔۔ اب میں تمہیں ایک سچی بات کہنے کیلئے کہہ رہا ہوں تو تمہیں اعتراض کیوں ہے ؟ کیا تم میرے منصوبوں پر پانی پھیرنا چاہتے ہو ؟"

"سچی بات ! ۔۔۔ یہ سچی بات ہے ! میں سمجھتا ہوں کہ سلطان کو جنگ جاری رکھنے پر مجبور کر کے آپ غلطی کر رہے ہیں" عمر نے جرأت کے ساتھ کہا۔ "آپ یہ چاہتے ہیں کہ سلطان تو دور دراز مقامات پر جنگوں میں الجھے رہیں اور آپ وزارت کے پردے میں حکومت کرتے رہیں۔"

نظام نے رومال نکال کر اپنے ہونٹوں کو صاف کیا اسکی انگلیاں اس وقت کانپ رہی تھیں۔ "خدا گواہ ہے کہ میرا مقصد یہ کبھی نہیں رہا ہے ۔۔۔ اس سے تو شاید تم بھی انکار نہ کر سکو کہ اپنی زندگی میں میں نے کبھی کوئی کام نہیں کیا میری نظر کے سامنے ہمیشہ اسلام اور اسلامی حکومت کی ترقی کے منصوبے رہے ہیں۔"

"یہ میں جانتا ہوں" عمر نے سنجیدگی کے ساتھ اپنی غلطی محسوس

کرتے ہوئے کہا۔ "لیکن میرے خیال سے اب سلطان کی واپسی ضروری ہے"

"تو یہ تمہارا آخری فیصلہ ہے؟"

"بالکل...... اٹل فیصلہ"

"تو پھر جاؤ اسی ملعون حشام کے پاس جو تمہارا دوست اور حصہ دار ہے اور پکا باطنی ہے ...... مجھے ان لوگوں سے کوئی واسطہ نہیں رکھنا ہے جو نمک کھانے کے بعد بھی سلطنت سے غداری کریں" نظام نے دروازہ کی طرف ہاتھ اٹھاتے ہوئے درشت لہجہ میں کہا اور پھر بہت دیر تک زیرلب بڑبڑاتا رہا۔ عمر کو خیال تھا کہ جب وہ دروازہ پر پہنچ جائے گا تو شاید نظام الملک اسے دوبارہ بلائے لیکن اس نے ایسا نہ کیا۔ عمر نے دیکھا کہ وہ اسوقت جانماز بچھا کر مکہ معظمہ کی طرف ہاتھ اٹھاتے ہوئے سلطنت کی ترقی کیلئے دعا مانگ رہا تھا۔

"آج آخری دروازہ بھی بند ہو گیا جس کے کھلنے کی اب دوبارہ امید نہیں ہے" عمر نے دل میں سوچا اور تیز قدم اٹھاتا ہوا قصر وزارت سے باہر آگیا وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا مایوسی کے عالم میں سڑک پر چلا جا رہا تھا کہ اپنے شانے پر کسی کے ہاتھ کا بوجھ محسوس کر کے چونک پڑا اور پیچھے مڑ کر دیکھنے لگا۔

"آخر وہ ساعت سعید آہی گئی جسکا مدت سے انتظار تھا" سوداگر حشام نے مسکرا کر کہا۔ "آپ میرے ساتھ آیئے ورنہ میری زندگی بھی خطرہ میں پڑ جائے گی ...... مجھے یقین ہے کہ میری گرفتاری کا وارنٹ

جاری ہو چکا ہوگا۔"

عمر نے دیکھا کہ کافی دور پر بہت سے آدمی اسی طرف چلے آرہے تھے ان کے آگے نیشاپور کے کوتوال تکش کا مخصوص نیلے رنگ کا عمامہ تھا۔

دو تین منٹ کے اندر ہی یہ دونوں ایک تاریک گلی میں کھڑے ہوئے تھے۔

"ہمارا تعاقب شروع ہو چکا ہے" حسام نے کہا "آپ خاموشی کے ساتھ میرے ساتھ چلے آئیے۔"

"لیکن وہ تو تکش ہے میرا دوست" عمر نے کہا۔

"ہاں ـــ اور نظام الملک کا خاص آدمی ہے ـــ کیا آپ نظام کو اب بھی پسند کرتے ہیں؟"

"کیوں؟ ہمارا آپسی جھگڑا ضرور ہوا ہے لیکن میں انکا دشمن نہیں ہوں اور نہ مجھے اس سے ڈرنے کی ضرورت ہے۔"

"ابھی آپ نے ان جھگڑوں کے نتائج نہیں دیکھے ہیں" حسام نے کہا "یہ تو آپ مجھ سے پوچھئے آج ہی میرا کافی سامان لٹ چکا ہے شہر سے باہر گودام پر مشتعل ہجوم نے حملہ کر دیا تھا جتنی کپڑے کی گانٹھیں تھیں لوٹ کر لے گئے اور گودام میں آگ لگا دی۔

اب وہ دونوں ایک ویران کوچے سے گذرتے ہوئے ایک گودام کے سامنے کھڑے ہوئے تھے "یہ دوسرا گودام ہے جس کا بظاہر مالک رے کا ہی ایک باشندہ ہے لیکن اصل مالک بہت بڑا آدمی ہے جس کا نام آپ کو کبھی معلوم ہو ہی جائیگا۔

عمر نے دیکھا کہ اس گودام میں بہت سی گانٹھیں ادھر ادھر رکھی ہوئی تھیں اور ایک خوفناک صورت والا حبشی اسکی نگرانی کر رہا تھا۔

"بعنت" حشام نے پہریدار سے کہا "ہمیں سات گانٹھیں چاہئیں"

بغیر ایک لفظ کہے ہوئے وہ حبشی ان کو گودام کے اندر لے گیا اور پھر وہاں سے یہ لوگ ایسے کمرہ میں پہونچے جو گانٹھوں سے بھرا ہوا تھا۔ اس نے جلدی جلدی دو تین گانٹھوں کو ایک طرف اٹھا کر اس جگہ کی دری ہٹا دی فرش پر ایک جگہ لکڑی کے دو تین تختے رکھے ہوئے تھے جب ان تختوں کو بھی ہٹا دیا گیا تو نیچے اترتا ہوا ایک زینہ نمودار ہو گیا یہ زینہ کسی تہ خانہ کا راستہ معلوم ہوتا تھا "آپ میرا ہاتھ پکڑ لیجیے کیونکہ کافی سیڑھیاں نیچے اترنا ہوں گی" حشام نے کہا اور یہ دونوں اس زمین دوز راستہ میں اتر گئے اب یہ ایک پتلے سے تاریک زینہ سے اترتے ہوئے کسی نامعلوم مقام کی طرف بڑھ رہے تھے۔ چند منٹ تک نیچے اترنے کے بعد یہ ایک چھوٹے سے دروازہ کے پاس پہونچ گئے جس کے کواڑ بند تھے اس کے قریب ہی ایک طاق پر رکھا ہوا لیمپ رکھا ہوا جل رہا تھا۔ حشام نے بغیر کسی جھجک کے وہ دروازہ کھول لیا۔

عمر نے اب ایک ایسے ٹھنڈے کمرہ میں قدم رکھا جو شراب کی خوشبو سے مہک رہا تھا۔ کمرہ میں کئی لیمپ روشن تھے اور قالین کے فرش پر آدھے درجن کے لوگ بیٹھے ہوئے بات چیت کر رہے تھے انکے سامنے شراب کی صراحیاں اور جام رکھے ہوئے تھے ان لوگوں نے پہلے تو

حشام کو سرسری نظر سے دیکھا پھر عمر کی طرف دلچسپی کے ساتھ دیکھنے لگے۔
حشام نے انتہائی جھک کر سلام کیا اور مؤدب ہو کر ایک طرف کو کھڑا ہو گیا
ایک شخص جو کسی درسگاہ کا شیخ معلوم ہو رہا تھا عمر کی پیشوائی کیلئے آگے بڑھا
"ہم بدقسمت لوگوں میں آپ کا آنا مبارک ہو خواجہ عمر" شیخ نے کہا
"ہم میں سے ہر شخص کے سر کیلئے بڑے بڑے انعامات کے اعلان ہو چکے ہیں" دوسرے شخص نے وضاحت کی "ہم لوگ باہر کی دنیا میں ایک گھنٹہ سے زیادہ سانس نہیں لے سکتے کیونکہ حکومت کے مجرم ہیں"
عمر نے ان لوگوں کو حیرت سے دیکھا ان لوگوں میں مختلف شہروں اور مختلف طبقوں کے لوگ شامل تھے ابھی جو شخص بولا تھا وہ اپنے لب ولہجہ کی وجہ سے مصری معلوم ہو رہا تھا۔ ایک شخص انتہائی بوسیدہ کفنی پہنے ہوئے بیٹھا تھا اور اس کے قریب ہی ایک کشکول رکھا ہوا تھا دوسرے لوگ سوداگر معلوم ہو رہے تھے ایک بات میں یہ سب ملتے جلتے معلوم ہو رہے تھے اور وہ تھی ان لوگوں کی غیر معمولی ذہانت اور ذکاوت جو ان کے چہروں سے آشکارا تھی۔
"یا سیدی۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں اپنے ساتھیوں کا تعارف کروں" شیخ نما شخص نے کہا "میں نیشاپور کے ایک مدرسہ کا معلم ہوں — یہ دوسرے صاحب جو آپ سے گفتگو کر چکے ہیں قاہرہ کے رہنے والے ہیں۔ اور اس درویش کو تو آپ نے پہچان لیا ہو گا یہ غریب وہی ہے جو سات مہینہ سے آپ کے قصر میں مروان کے نام سے خدمت کر رہا تھا۔

اور یہ بھاری جسم والے صاحب سمرقند کے سوداگر ہیں اور سمرقندی تجاروں کے سربراہ ہیں ان کے قریب جو دو شخص بیٹھے ہیں یہ اصفہان کے رہنے والے ہیں اور شاہی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں ــــ مختصر یہ ہے کہ ہم سب سات ہیں اور آپ ہی کے انتظار میں یہاں مقیم تھے اگر آپ ہمارے مہمان بننا منظور کر لیں اور ہمارے ساتھ چلنے کی تکلیف گوارہ کریں۔

میں آپ کے ساتھ چلوں! عمر نے کہا "کہاں؟"

"جہاں آپ محفوظ رہ سکتے ہیں ـــ انسانیت کی خدمت کر سکتے ہیں"

عمر نے سبعیوں[1] کے متعلق پہلے سے ہی کافی سن رکھا تھا کہ یہ لوگ خراساں میں ایک نئے مذہب کو فروغ دے رہے ہیں لیکن حسن کے علاوہ کسی کو دیکھا نہیں تھا۔ عمر کو تعجب ہوا کہ ان لوگوں میں کافی بڑے بڑے لوگ بھی شامل ہو چکے تھے۔

"کیا حسن بن صباح کے پاس چلو گے" عمر نے پوچھا "مجھے اس سے تو ملاقات کرنا ہے"

حسن کا نام سنتے ہی ہر شخص نے سر جھکا کر تعظیم دی اور وہ سب کے سب چونک کر عمر کو دیکھنے لگے۔ عمر کا اس طرح نام لینا ان لوگوں کو ناگوار ہوا تھا۔

سب سے پہلے حسام نے عمر کی طرف سے صفائی پیش کی۔ شیخ الجبل

---

[1] باطنیوں یا ملاحدہ کو سبعی کہا جاتا ہے کیونکہ یہ سات پیغمبروں کو مانتے تھے۔

ہمارے دوست عمر خیام کے گہرے اور بے تکلف دوست ہیں اور ایک ہی مدرسہ میں پڑھا ہے۔" اب ان لوگوں کا اضمحلال دور ہو گیا اور وہ عمر کی طرف مرعوب نظروں سے دیکھنے لگے۔

"شیخ الجبل آپ کے منتظر ہیں یا سیدی" حشام نے عمر سے کہا "وہ اس وقت قلعہ الموت میں تشریف فرما ہیں ۔۔۔ ابھی کچھ روز پہلے سیدنا نے نظام الملک سے بھی ملاقات کی تھی۔"

عمر اب رے میں رہنا نہیں چاہتا تھا اور نہ وہ اب نظام الملک کے سامنے دوبارہ جانا چاہتا تھا۔

"کیا آپ لوگ مجھے شیخ الجبل کے پاس لے چلیں گے؟" اس نے پوچھا

حشام نے شیخ کی طرف دیکھا جو خاموشی کے ساتھ یہ گفتگو سن رہا تھا۔

"ہم لوگ بھی وہیں جا رہے ہیں آپ بھی ہمارے ساتھ ہی چلیں" شیخ نے کہا

"ٹھیک ہے" عمر نے مطمئن لہجہ میں کہا "آپ لوگوں کا شکریہ"

"مجھے معلوم ہے کہ آپ قابل اعتماد اور بات کے دھنی ہیں" شیخ نے دوبارہ کہا "ہم لوگ آپ سے ایک وعدہ لیں گے اور وہ یہ کہ آپ کسی دوسرے شخص سے ہمارے متعلق ایک لفظ بھی نہ کہیں گے اور نہ وہ واقعات جو آپ شیخ الجبل تک پہونچنے میں راستہ میں دیکھیں گے۔"

عمر نے سر کو جنبش دی "میں وعدہ کرتا ہوں"

"بہتر ہے" بوڑھے پروفیسر نے کہا "اور یہ بات بھی یاد رکھئے گا کہ ہم لوگ آپ کی حفاظت کی ذمہ داری نہیں لے سکتے۔ آپ کو خود اپنی

حفاظت کرنا ہوگی ـــ اس کے علاوہ آپ کو بھیس بدل کر سفر کرنا پڑیگا کیونکہ یہ تو نا ممکن ہے کہ شاہی منجم بغیر پہچانے ہوئے رے سے باہر نکل جائے ـــ آپ کے ساتھ ہم بھی پھنس جائیں گے ـــ حسّام تم جاکر سلمہ کو بلا لاؤ۔"

جب حسّام چلا گیا تو شیخ نے ایک الماری کھول کر ایک بڑی سی صراحی نکال لی جس میں سرخ رنگ کی شیرازی شراب تھی۔ ایک بلوریں جام بھر کر سب سے پہلے عمر کے سامنے پیش کیا گیا۔

"میں تو اس نعمت سے محروم ہوں" عمر نے شکریہ ادا کرنے کے بعد کہا اور دوسرے لوگ اس شغل میں مصروف ہو گئے۔

ایک گھنٹہ متواتر عمر کو اٹھارہ انیس کی پری جمال سلمہ کے احکامات کی تعمیل کرنا پڑی جس نے عمر کی داڑھی کو کتر بیونت کر کے سرخ رنگ سے آراستہ کر دیا پھر اسکی گردن۔ چہرہ اور ہاتھوں پر اخروٹ کے عرق کا پچارا پھیر دیا جسکی وجہ سے اسکا رنگ بالکل سیاہ ہو گیا۔

"میری بیوی ان تمام چہروں سے واقف ہے جو سڑک سے گذرتے ہیں" حسّام نے کہا "یہ اپنے کام میں اتنی مشاق ہے کہ ایک افریقی سردار کو ہندو فقیر آسانی سے بنا سکتی ہے"

پھر عمر نے سلکی عبا پہن کر چمڑے کے موزے پہن لئے اسکا عمامہ بہت زیادہ وزنی تھا۔

"اب آپ بالکل ترکی سپاہی معلوم ہو رہے ہیں" سلمہ نے کہا "لیکن یہ یاد رکھئے گا کہ آپ کو ترکوں کی طرح دونوں ہاتھوں سے کھانا پڑیگا۔

چوبیسواں باب

قلعہ الموت

عمر کو سب سے زیادہ حیرت ان الفاظ پر ہوئی جو پانچویں روز پوچھتے وقت حسّام نے اس سے کہا "معاف کیجئے گا کسی اجنبی کے لیے سخت ممانعت ہے کہ وہ آگے جانے والی شاہراہ کے متعلق کچھ معلوم کرے۔ بہتر یہ ہے کہ آپ اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ دیں"

یہ لوگ اسوقت کوہسار طالقان کی طرف جانے والی سڑک پر تھے اب علاقہ رود بار کے میدان ختم ہو گئے تھے اور کوہستان کی سخت اور پیچیدہ نشیب و فراز کی ابتدا ہو چکی تھی ان کے سامنے نہر ویریخان موجود تھی جو کوہ ابرز کے دانتوں میں چکر کھا کر دشوار گذار گھاٹیوں میں غائب ہو گئی تھی۔ اب انہیں کوہستان کی برف آلود چوٹیاں بھی افق کے اس پار نظر آنے لگی تھیں۔ عمر کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی گئی۔

"کیا تم بھی سبعی ہو" عمر نے حسّام سے پوچھا "میں نے سب سے پہلے تو تمہیں حسن کے ساتھ ہی دیکھا تھا"

"میں تو شیخ الجبل کا ایک ادنیٰ خادم ہوں" حسّام نے عمر کے قریب آ کر بہت آہستہ سے کہا حالانکہ دوسرے لوگ ان سے کافی فاصلہ پر

چل رہے تھے" ان پہاڑیوں پر شیخ الجبل کا نام نہیں لیا جاتا ہے — بابل، قاہرہ اور فلسطین والا حسن اب یہاں پر سیدنا۔ شیخ الجبل اور داعی الدعاعات کے ناموں سے پکارا جاتا ہے — آیندہ آپ اس کا خیال رکھیں — ان کے پاس بیس ہزار فدائی ہیں جو ان کے احکامات کی تعمیل خراساں میں کرتے ہیں — انکی قوت دنیاوی بادشاہوں سے برتر اور فائق ہے۔"

"پچھلے ہفتہ رے میں تکش نے بہت سر مارا" حسن نے سلسلہ کلام جاری رکھا" اور جب نظام الملک سے ملنے کے بعد شیخ الجبل اس تہہ خانہ میں آ گئے تو اس نے پوری عمارت کا محاصرہ کر لیا — سارا گودام چھان ڈالا کوئی گانٹھ کوئی پیپہ ایسا نہ ہوگا جسے کھول کر نہ دیکھا ہو لیکن وہ جو چاہتا تھا وہ نہ ہوا۔ شہر کے تمام ناکوں پر سختی کے ساتھ پہرہ لگا دیا گیا لیکن کوئی شخص بھی شیخ الجبل کو باہر جاتے ہوئے نہ دیکھ سکا — اور اب وہ ہمارے انتظار میں الموت میں موجود ہیں"

"تم تو الموت میں کئی بار گئے ہو گے" عمر نے پوچھا۔

"نہیں — صرف ایک بار اسکا پھاٹک دیکھا تھا

"کیا گذشتہ ہفتہ شیخ الجبل نے مجھے بلانے کا حکم دیا تھا؟"

"نہیں — ایک سال — بلکہ دو سال ہوئے انھوں نے فرمایا تھا کہ وہ وقت عنقریب آنے والا ہے جب عمر خیام اور نظام الملک میں نزاع ہوگا اور جب یہ واقعہ ہو تو عمر خیام کو میرے پاس لے آنا —

ان کو میرے یہاں ہی پناہ مل سکتی ہے۔"

"اوہ! تو تمہارے شیخ الجبل تو اچھے خاصے جادوگر ہیں!

"نہیں ــــ وہ امام قایم قیامت ہیں ــــ آج تک میں نے جن لوگوں کو دیکھا ہے ان سب میں وہ عقلمند ہیں وہ ایک ایسی پُراسرار باطنی قوت کے مالک ہیں کہ ہر شخص ان کے حکم کی تعمیل بے چون وچرا کرتا ہے ــــ ان کے احکامات کی تعمیل میں ایک لمحہ کی بھی تاخیر نہیں ہوتی ــــ نظام الملک تک ان سے ڈرتا ہے اور انکی باطنی قوتوں سے مرعوب ہے اس نے کچھ وصیتیں ایک کتاب میں لکھی ہیں اور اس کتاب کو سربمہر کر دیا ہے جو نظام الملک کی وفات کے بعد ہی دیکھی جائیں گی ــــ کون جانتا ہے کہ اس کتاب میں کیا لکھا ہے لیکن یہ مجھے یقین ہے کہ ہم لوگوں کے متعلق بھی اس میں بہت کچھ ہوگا

اب عمر کے کان میں لوگوں کے چلنے پھرنے اور باتیں کرنے کی مدھم آوازیں بھی آنے لگی تھیں۔

"رک جاؤ" ایک کڑک دار آواز سنائی دی "کون ہو تم لوگ جو راتوں کو آوارہ گردی کرتے پھر رہے ہو؟" عمر نے قریب ہی کسی دریا کے بہنے کی آواز سنی اور انناس کی میٹھی میٹھی خوشبو۔

"ہم سات مسافر ہیں" عمر کے ایک ساتھی نے جواب دیا۔

"کیا چاہتے ہو" آواز آئی جو غالباً پاسبان کی تھی۔

"آفتاب طلوع ہو چکا ہے اس کی روشنی سے سارا عالم جگمگانے والا ہے" جواب دیا گیا۔

"ٹھیک ہے جاؤ" پاسبان نے خفیہ پاس ورڈ سے مطمئن ہو کر کہا۔
اب پھر چڑھائی چڑھنی ہوگی یہ چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں تھیں جن کی چوٹیاں سخت اور چکنے پتھر کی تھیں ان کے نیچے اب دریا کے زور و شور سے بہنے کی آواز کافی آرہی تھی برفیلی ہوا کے تیز جھونکوں سے عمر کا سارا جسم یخ بستہ ہوگیا۔ آدھے گھنٹہ تک چلنے کے بعد یہ لوگ رک گئے۔
عمر نے کسی بڑے پھاٹک کے کھلنے کی کھڑکھڑاہٹ کی آواز سنی اور کسی نامعلوم شخص نے عمر کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی کھول دی۔ تیز روشنی سے اس کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ اس نے دیکھا کہ آسمان پر اس وقت ستارے جھلملا رہے تھے اور وہ قلعہ الموت کے اندر کھڑا ہوا تھا۔ حسام اور اسکے دوسرے ساتھی غائب ہو چکے تھے اور اس کے سامنے ایک پستہ قد بوڑھا آدمی کھڑا ہوا تھا یہ سرخ عبا پہنے ہوئے تھا اور سر پر سفید عمامہ تھا۔
"آپ کی تشریف آوری پر ہم لوگوں کو بڑی مسرت ہوئی" بوڑھے نے کہا "میں قاہرہ کی رصدگاہ کا منجم ہوں اور رکن الدین میرا نام ہے — اب آپ اپنی آرام گاہ میں تشریف لے چلئے۔"
عمر اس وقت بہت زیادہ تکان محسوس کر رہا تھا اس لئے بغیر کچھ کہے ہوئے اپنے میزبان کے پیچھے پیچھے روانہ ہوگیا کئی پر پیچ راستوں سے گذرتے ہوئے اب یہ لوگ ایک ایسے کمرہ میں پہونچ گئے جو تمام ضروریات کی چیزوں سے آراستہ پیراستہ تھا۔ کمرہ میں ایک طرف ایک مسہری بچھی ہوئی تھی جس کے نرم بستر پر دو کمبل بھی رکھے ہوئے تھے۔

مسہری کے سرہانے میز پہ ایک خوان میں خشک میوے اور پھل رکھے ہوئے تھے۔ ایک صراحی میں صاف و شفاف پانی اور ایک نقرئی گلاس بھی میز پر موجود تھا۔

" یہ لڑکا آپ کی خدمت میں ہر وقت موجود رہے گا " رکن الدین نے ایک سیاہ فام لڑکے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا اور شب بخیر کہکر کمرہ سے باہر چلا گیا۔ عمر نے تھوڑا بہت کھانے کے بعد پانی پیا اور آتشدان میں لکڑیاں ڈال کر اپنے بستر پر دراز ہوگیا۔ اس نے خود کو اچھی طرح کمبل سے لپیٹ لیا کیونکہ پہاڑی ہوا بہت زیادہ یخ بستہ تھی۔ جب اسکی دوبارہ آنکھ کھلی تو آتشدان کی آگ کی سرخی اب نیلاہٹ میں تبدیل ہو چکی تھی اس نے اس سیاہ فام لڑکے پر نظر ڈالی جو دروازہ سے ٹیک لگائے ہوئے فرش پر سو رہا تھا۔ اور اسکی سیاہ رنگت کچھ سفیدی میں بدل گئی تھی شاید اب دن نکل آیا تھا۔

دوسرے روز عمر نے الموت کے قلعہ کو بھی دیکھ لیا اس کی دیواریں پہاڑوں کی قدرتی چٹانوں کو تراش کر بنائی گئی تھیں اور دور سے دیکھنے والے شخص کو یہ گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ ان پہاڑوں کے درمیان کوئی قلعہ بھی ہے۔ صرف وہ عقاب قلعہ کا اندر کا حال دیکھ سکتے تھے جو اس پر منڈلاتے رہتے تھے قلعہ کے پھاٹک کے سامنے ایک گھنے جنگل کا سلسلہ دور تک چلا گیا تھا جس کی وجہ سے وہ پھاٹک بھی پوشیدہ ہوگیا تھا۔ کافی دیر تک ادھر گھومنے کے بعد عمر پھر اپنے کمرہ میں آ گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد رکن الدین بھی کمرہ میں آگیا وہ اسوقت باطنیوں کا مخصوص لباس پہنے ہوئے تھا۔ عمر نے قلعہ میں اور بھی بہت سے آدمی دیکھے تھے لیکن انھوں نے عمر کی طرف کوئی توجہ نہیں کی۔

"قلعہ کے اندر کوئی دارالمطالعہ بھی ہے؟" عمر نے پوچھا۔

"جی ہاں ــــ بہت بڑا ذخیرہ کتابوں کا موجود ہے" رکن الدین نے کہا "ہم لوگ داعی ہیں ہم کو ہر وقت سفر میں رہنا پڑتا ہے اس لئے ہمارے لئے کئی کئی زبانوں کا جاننا ضروری ہے ہم لوگ اسی کتب خانہ میں استفادہ حاصل کرتے ہیں ــــ آپ میرے ساتھ تشریف لائیے میں کتب خانہ دکھا دوں"

کئی پیچدار راستوں اور راہداریوں سے گذرتے ہوئے یہ لوگ ایسے کمرہ میں پہونچ گئے جس میں بے شمار طاق بنے ہوئے تھے ہر طاق میں ایک روغنی لیمپ رکھا ہوا روشن تھا۔ سارا کمرہ بقعہ نور بنا ہوا تھا بہت سے لوگ اونچی اونچی میزوں کے سامنے کھڑے ہوئے مطالعہ میں مصروف تھے عمر کو ان الماریوں کو دیکھ کر حیرت ہوئی جن میں قدیم یونان کی بیش بہا اور نایاب کتابیں چنی ہوئی تھیں۔

"بہت نایاب ذخیرہ آپ نے اکٹھا کر رکھا ہے!" عمر نے کہا

"جی ہاں ــــ یہ ساری کتابیں مصر کی شاہی لائبریری سے لائی گئی ہیں ــــ سکندر اعظم کی جو کتابیں ضائع ہونے سے بچ گئی تھیں ان کو امام قائم قیامت نے بہت کوشش کے ساتھ حاصل کیا ہے ــــ ہمارے پاس

وہ باز نطینی داعی ہیں جو ان کتابوں کا ترجمہ کرتے ہیں۔"

"آپ نے تو ان میں سے بیشتر کتابوں کا مطالعہ کیا ہو گا؟" عمر نے پر اشتیاق لہجہ میں پوچھا

"جی ہاں تقریباً چوتھائی کتب کا مطالعہ تو کر چکا ہوں ــــ میں نے آپ کی ساری تصانیف بھی پڑھی ہیں بہت سی کتابیں میری سمجھ سے بالاتر بھی ہیں لیکن سیدنا نے ان سب کا مطالعہ کیا ہے"

"اچھا! سیدنا کا دائرہ علم بہت وسیع معلوم ہوتا ہے!"

"بیشک ــــ مجھے علم طبعیات کے ساتوں اصولوں منطق۔ ریاضی موسیقی ــــ اقلیدس ــــ ہیئت طب اور روحانیت سے تھوڑی بہت واقفیت حاصل ہے لیکن سیدنا ان علوم کے زبردست عالم ہیں اس کے علاوہ ہر مذہب کے متعلق انکو کافی معلومات حاصل ہیں ــــ انکی روحانی قوت تو اتنی زبردست ہے کہ ناسمجھ لوگ اس کو جادو اور سمجھدار معجزہ خیال کرتے ہیں ــــ اگر ان کی یہ استعداد علمی نہ ہوتی تو ہم لوگ ان کے ہر حکم کی تعمیل آنکھ بند کر کے کیوں کرتے"

اسی طرح عمر نے الموت میں ہفتے گذار دئے اپنا زیادہ تر وقت وہ سکندر کے کتب خانہ میں صرف کرتا اس کے بعد جو وقت ملتا تو باطنیوں کے پاس بیٹھ کر ان سے باتیں کرتا ان کی معلومات سے استفادہ حاصل کرتا ــــ کبھی یہ چین کے علم طبعیات پر گفتگو ہوئی کبھی باز نطینی موسیقی پر ــــ جراحی اور حکمت میں یہ لوگ ید طولیٰ رکھتے تھے اس کے علاوہ دنیا کے

کونے کونے میں جانے کی وجہ سے ان کی معلومات عامہ بھی بہت وسیع تھی
عمر کو بوڑھا رکن الدین بہت پسند آیا تھا اول تو وہ اسکا ہم مذاق تھا
اس کے علاوہ وہ علم ریاضی سے خاص شغف رکھتا تھا۔ اس پستہ قد بوڑھے
نے علم ریاضی میں خود اپنے چند اصولوں کا بھی اضافہ کیا تھا۔

ایک روز شام کو رکن الدین اس کے پاس آیا "سیدنا آپ سے
ملاقات کرنا چاہتے ہیں" اس نے کہا۔

"میں تیار ہوں" عمر نے اس کتاب کو رکھتے ہوئے کہا جس کا وہ
مطالعہ کر رہا تھا دس منٹ کے اندر جانے کے لئے تیار ہو گیا۔

"اب آپ خاموشی سے میرے ساتھ چلے آئیں" رکن الدین نے کہا
"اور راستہ میں بھی کسی سے بات کرنے کی کوشش نہ کریں" کتب خانہ
کے برابر سے نکلتے ہوئے یہ لوگ قلعہ کے مغربی برج پر پہونچ گئے۔ سینکڑوں
سیڑھیاں چڑھنے کے بعد یہ لوگ برج کے اوپر پہونچ گئے اس کے اوپر
دس بارہ گز چوڑی فصیل تھی اس کے اندر ہی اندر بڑھتے ہوئے اب
وہ ایک آہنی دروازہ پر پہنچ گئے تھے رکن الدین نے دروازہ کھولدیا
یہ ایک زینہ تھا جو نیچے اترتا ہوا چلا گیا تھا یہاں پر انتہائی تاریکی تھی۔
رکن الدین کا ہاتھ پکڑے ہوئے عمر نے زینہ کی تمام سیڑھیاں طے کر لیں
ان کے سامنے ایک آڑی چٹان نے سامنے آکر راستہ بند کر دیا تھا جسمیں
ایک سوراخ نظر آیا جس میں سے بیک وقت ایک آدمی بمشکل تمام سمٹ سمٹا کر
نکل سکتا تھا۔ یہ دونوں اس سوراخ میں داخل ہو گئے کئی قدم چلنے کے بعد

وہ سوراخ کشادہ ہوتا چلا گیا تھا۔ عمر نے محسوس کر لیا کہ وہ کوئی قدیم سرنگ تھی جس میں ہوا کی آمد و رفت کا بخوبی انتظام تھا اور جگہ جگہ مشعلیں بھی روشن تھیں

"مجھے تو یہ کوئی قدیم سرنگ معلوم ہوتی ہے" عمر نے پوچھا۔

"آپ وہ پہلے شخص ہیں جس نے یہاں اس قسم کا سوال کیا ہے۔" رکن الدین بولا "جی ہاں ــــ یہ سرنگ اس زمانہ کی ہے جب یہاں آتش پرستی کرتے تھے ــــ اب براہ کرم کوئی مزید سوال نہ کیجئے گا۔"

سرنگ کے اختتام پر پہنچکر عمر نے اطمینان کی سانس لی۔ انکے سامنے ہی ایک سیاہ فام حبشی تاریکی میں کھڑا ہوا تھا اس کے برابر ایک چھوٹا سا چوبی دروازہ تھا رکن الدین نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا جس کے اندر جانے کے لئے عمر کو کافی جھکنا پڑا جب اس نے دوبارہ سر اٹھایا تو خود کو ایک کافی بڑے ہال میں کھڑے ہوئے پایا جس میں کافی لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ رکن الدین نے عمر کا ہاتھ پکڑا اور ایک خالی جگہ پر لیجا کر بٹھایا۔

عمر نے سب سے پہلے جو چیز محسوس کی تھی وہ آگ کے شعلے تھے جو اس ہال کے مغربی کونے سے اٹھ رہے تھے لیکن یہ آگ بھی عجیب و غریب تھی تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد فرش کی درزوں سے شعلے نکل کر بلند ہوتے اور پھر گر جاتے شعلوں کے بلند ہوتے وقت ایک دھیمی دھیمی سنسناہٹ کی آواز بھی سنائی دیتی۔ اس کمرہ میں صرف ان شعلوں کی ہی روشنی تھی جب یہ گر جاتے تو ایک لمحہ کیلئے اندھیرا ہو جاتا ــــ اسی طرح کبھی اندھیرا ہوتا کبھی اجالا ــــ

ہال کی چھت پر لگی ہوئی چھوٹی چھوٹی نقرئی گھنٹیاں ہزاروں کی تعداد میں خود بخود سریلی آواز میں بج رہی تھیں ان کو بجانے والا بظاہر کوئی بھی نظر نہیں آرہا تھا۔ ایک عجیب قسم کی خوشبو تمام کمرہ میں پھیلی ہوئی تھی۔

"یہ سب فدائی ہیں" رکن الدین نے عمر کے کان میں کہا "آج دیدار کی رات ہے۔ ان لوگوں کے سامنے سیدنا اپنا ظہور فرما کر ان لوگوں کے ایمان کو تازہ فرمائیں گے —— اس مجلس میں ہم لوگ یعنی داعی یا رفیق لوگوں کی شرکت ضروری نہیں ہے دل چاہے تو آؤ ورنہ نہیں لیکن ہر فدائی کی شرکت لازمی ہے اگر وہ اس قلعہ میں موجود ہے"

یہ سارے فدائی کم عمر اور نوجوان تھے اس وقت وہ الموت کا مخصوص لباس پہنے ہوئے تھے۔ ہر شخص کی نگاہیں خمار آلود تھیں اور یہ لوگ آتش کے شعلوں کو اس طرح دیکھ رہے تھے جیسے کوئی واقعہ پیش ہونے والا ہو —— کمرہ میں پھیلی ہوئی خوشبو کے اثر سے عمر کا دماغ بھی چکرانے لگا اور وہ ایک عجیب قسم کی مدہوشی سی محسوس کرنے لگا۔

اب ایک حیرت انگیز رقص شروع ہوگیا۔ برہنہ تلواروں کا رقص —— ایک سیاہ فام نیم برہنہ نوجوان جھوم جھوم کر گا رہا تھا اور رقص کر رہا تھا "امامی —— امامی —— یا امامی —— یا امامی —— امامی —— ا —— ما —— می" کمرہ کے سارے حاضرین اس نغمہ کے ساتھ جھوم رہے تھے اور چھت پر لگی ہوئی گھنٹیوں کی آواز بھی تیز ہوگئی تھی اس عجیب و غریب موسیقی کی ہر شخص پر مدہوشی کی سی کیفیت طاری تھی۔ لڑکے کے چاروں طرف

کئی فدائی اپنے ہاتھوں میں برہنہ تلواریں لئے ہوئے گردش کر رہے تھے۔ کبھی کبھی تلواروں کی چمک سے یہ معلوم ہونے لگتا جیسے زور شور کے ساتھ جنگ ہو رہی ہو یا ایک فدائی دوسرے فدائی کو قتل کرنے والا ہو۔

"امامی —— امامی ——" سارا مجمع یک زبان ہو کر گنگنا رہا تھا۔

وہ نوجوان اب بھی تلواروں کے سائے میں ناچ رہا تھا اسی وقت بھڑکتے ہوئے شعلوں کے درمیان زمین پھٹ کر ایک شکل اوپر آگئی —— ایک عجیب وغریب جانور کا مجسمہ —— اس کے پاؤں شیر کی طرح تھے اور سارا جسم بیل کا سا تھا اس پر ایک بڑا سا خوفناک صورت والا انسانی چہرہ لگا ہوا تھا جس پر گھومی ہوئی اور انتہائی گھنی داڑھی تھی —— یہ جانور سنگ مرمر کا تھا لیکن بھڑکتے ہوئے شعلوں کے اتار چڑھاؤ سے اس میں زندگی کے آثار نظر آ رہے تھے۔

"اب یہ جنت کو جانے والا ہے" رکن الدین نے رقاص لڑکے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آہستہ سے کہا "خوش قسمت"

اب وہ سیاہ فام لڑکا خاموش کھڑا ہوا تھا اور بہت سی تلواریں اسکے جسم کو گودر ہی تھیں اسکا سفید لباس خون کی وجہ سے تر بتر ہو گیا تھا —— پھر یکایک اس نے اپنے ہاتھ اوپر اٹھا کر فرش پر بیٹھ گیا اسکی گردن جھکی ہوئی تھی۔ ایک تیز اور دھار دار تلوار اس کے سر کو جسم سے علیحدہ کرتی ہوئی زمین سے جا لگی۔ ایک لمحہ تک جسم میں حرکت رہی۔ بازوؤں نے جنبش کی اور پھر ایک جھٹکے کے ساتھ وہ فرش پر لڑھک کر پھڑکنے لگا۔

اسکا سر دو تین[1] فٹ آگے پڑا ہوا تھا۔ گھنٹیوں کی آواز فوراً بند ہو گئی لیکن وہ پراسرار گیت دھیمے سروں میں اب بھی جاری تھا۔ ایک کھٹکے کی آواز آئی اور سارے فدائی سوائے عمر اور رکن الدین کے سربسجود ہو گئے اسی حالت میں وہ لاش معہ سر کے زمین میں دھنس کر غائب ہو گئی۔

"ہذا امامی ـــ ہذا امامی" تمام فدائی اوندھے پڑے ہوئے چیخ رہے تھے" مرکوز النور اغرقنی فی ابحار انوارک[1] ـــ ہذا امامی ـــ ہذا امامی ـــ

"انا خالق الارواح ـــ انا خالق الاصباح"[2] ایک پُر ہیبت آواز سنائی دی" اور آگ کے شعلوں کے پیچھے ـــ اس سنگی مجسمے کی آڑ میں ایک لامبے قد کی سر سے پاؤں تک سفید انسانی شکل نمودار ہو گئی۔ سر سے پاؤں تک وہ سفید کپڑے میں اس طرح لپٹی ہوئی تھی جیسے مصر کی ممیاں ہوتی ہیں ـــ صرف اسکا چہرہ کھلا ہوا تھا اسے دیکھتے ہی عمر نے پہچان لیا وہ حسن بن صباح تھا!

"اٹھو میرے فدائیو ـــ شمع حقیقت کے پروانو اٹھو اور اپنے دین کی حقیقت کا بین ثبوت اپنی آنکھوں سے دیکھو" حسن کہہ رہا تھا۔ "اب یہ خوش نصیب نوجوان جنت کو جانے والا ہے"

سلہ اے مرکز نور مجھے اپنے نوروں کے سمندر میں غرق کر۔

سلہ۲ میں ہی پیدا کرنے والا روحوں کا میں ہی چاک کرنے والا دامان سحر کا۔

حسن کے قدموں میں وہ مقتول نوجوان پڑا ہوا تھا لوگ مودب ہو کر کھڑے ہو گئے۔ حسن نے اس مردہ جسم کو ٹھوکر ماری "انا خالق الارواح ۔۔۔ اٹھ اے نوجوان اٹھ" حسن نے کہا اور فوراً ہی وہ لڑکا کھڑا ہو گیا جس کا جسم پارہ پارہ ہو چکا تھا۔ اسکا لباس بالکل سفید تھا اور اس پہ خون کا ایک دھبہ تک نہ تھا۔ اس کے دیکھتے ہی سارے مجمع میں ہلچل مچ گئی اور سارے لوگ "ہذا امامی ۔۔۔ ہذا امامی" کہتے ہوئے دوبارہ اوندھے ہو گئے ۔۔۔ اس لڑکے کو ساتھ لیکر حسن آگے قدموں واپس چلا گیا اور اسی وقت وہ سنگی مجسمہ بھی زمین میں دھنس گیا۔ اب چھوٹے چھوٹے لڑکے اپنے کندھوں پر شراب کی صراحیاں رکھے ہوئے وہاں آگئے اور سارے مجمع کو جام تقسیم ہونے لگے۔ ہر شخص اسکا متمنی تھا کہ جام پہلے اسکو ملے ۔۔۔ لیکن عمر کسی اور خیال میں ہی کھویا ہوا تھا ۔۔۔ وہ اس قتل اور آگ کے شعلوں ۔۔۔ مجسمہ کی آڑ اور دوبارہ مقتول کے زندہ ہونے کے متعلق بہت کچھ جان چکا تھا یہ سارا کام اس وقت ہوتا تھا جب سارے حاضرین اوندھے پڑے ہوتے تھے لیکن عمر کھڑا ہوا باریک بین نظروں سے اس شعبدہ بازی کو دیکھتا رہا ممکن ہے کہ حسن نے اس سے پردہ رکھنا مناسب نہ سمجھا ہو۔ رکن الدین نے جب اسکی ران میں چٹکی لی تو وہ چونک پڑا "خواجہ عمر ۔۔۔ آپ کیا غلطی کر رہے ہیں جو اس مقدس شراب کو نہیں پی رہے ہیں اگر کسی فدائی نے دیکھ لیا تو غضب ہی ہو جائیگا"

"نہیں ۔۔۔ میں نہیں پی سکتا ۔۔۔ چاہے اسکا انجام کچھ بھی ہو۔

عمر نے جواب دیا۔

"اوہ ـــــ یہ ہم لوگوں میں کیسے آگیا ـــــ اسکو یہاں کون لایا ہے؟"
کئی شخصوں نے عمر کو دیکھ کر زور سے کہا۔

رکن الدین نے ایک لڑکے سے شراب کا پیالہ لیکر جلدی سے عمر کے ہاتھ میں دیدیا۔ "جلدی پی جاؤ" اس نے آہستہ سے کہا "اور ایک لفظ بھی منھ سے نہ نکالنا ـــــ یہ کالے ناگوں سے بھی زیادہ خطرناک لوگ ہیں" پھر اس نے مجمع کی طرف مخاطب ہو کر کہا "یہ داعیوں کا مہمان ہے ـــــ اور مجھ کو حکم ملا تھا کہ اسکو داعی الداعات کی زیارت کرائی جائے

"اس کا ثبوت؟" ایک نوجوان فدائی نے رکن الدین کو ایک طرف ڈھکیلتے ہوئے کہا اس کے ہاتھ میں کھلا ہوا خنجر تھا۔

"اس کا ذمہ دار میں ہوں" رکن الدین نے عمر اور فدائی کے درمیان آتے ہوئے کہا "یہ امام قائم قیامت کا خصوصی مہمان ہے اور اگر اسکو کوئی نقصان پہونچا تو اس کی ساری ذمہ داری تم لوگوں پر ہوگی"

امام کا نام سنتے ہی سب کو سانپ سونگھ گیا اور وہ سب خاموش ہو کر شراب پینے میں مشغول ہو گئے اس جام کو پینے سے عمر کو چکر آنے لگے تھے اور وہ کئی منٹ تک لڑکھڑاتے کے بعد بیہوش ہو کر فرش پر گر گیا ـــــ کئی غلام ایک کونے میں سے نکل کر عمر کی طرف بڑھے اور اسکو اپنے ہاتھوں پر لئے ہوئے اسی طرف چلے گئے جدھر سے آئے تھے عمر بالکل بیہوش ہو چکا تھا لیکن اس کے تحت الشعور کا احساس

اتنا باقی تھا کہ اس نے محسوس کیا کہ وہ میانے یا ڈولی میں ڈال کر لے جایا جا رہا تھا۔ جب بھی وہ سواری ہلتی تو اس کی ناک میں ایک عجیب دلآویز خوشبو آنے لگی۔ اس نے اپنی آنکھیں کھولنے کی کئی بار کوشش کی۔ لیکن کامیابی نہ ہو سکی ـــــ اس کے لاشعور میں بار بار وقفہ کے ساتھ دو لفظ گونج جاتے تھے" جنت کو ـــــ جنت کو ـــــ جنت کو ـــــ

۲۵

پچیسواں باب

باطنی دعوت

نامعلوم کتنی دیر تک غافل رہنے کے بعد عمر نے آنکھ کھولی اور سر اٹھا کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ اب وہ اپنے جسم کو ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا وہ فوراً ہی اٹھ کھڑا ہوا ایک ایسی وادی میں کھڑا تھا جہاں تا حد نگاہ تک چمن ہی چمن نظر آ رہا تھا۔ مختلف رنگوں کے پھولوں کی کیاریاں سبزہ کا ایک پتلا حاشیہ چھوڑ کر بنائی گئی تھیں۔ ان چمنوں اور پھولوں کے درمیان جابجا نہریں بہہ رہی تھیں اور ان کے پانی میں بید مشک اور گلاب کی مہک نکل رہی تھی۔ ہر چمن کے برابر سے پتلی پتلی نازک سڑکیں نکالی گئی تھیں اور ان پر مختلف رنگ کے سنگریزے بچھائے گئے تھے کوئی سڑک فیروزے کی معلوم ہو رہی تھی کوئی یاقوت کی اور لطف یہ تھا کہ ان سڑکوں کے رنگوں کی مناسبت سے ہی چمن بندی کی گئی تھی۔ یاقوتی سڑک جس چمن سے نکلی تھی اس میں گل عباس۔ گلاب اور جھگے کے پھول ہی تھے اسی طرح نیلم کی سڑک کے دونوں طرف گل داؤدی کھلا ہوا تھا۔ اس مرغزار میں طائر بھی بہشت میں آنے والوں کا خیر مقدم سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوهَا خَالِدِيْنَ کے نغمے کر رہے تھے۔ ان چمنوں میں جابجا سونے اور

چاندی کے تخت بچھے ہوئے تھے ان پر بہشتی لوگ پری جمال حوروں کو اپنے پہلو میں لئے بیٹھے تھے اور جنت کی نعمتوں کا لطف اٹھا رہے تھے۔ غلمان ہاتھ باندھے سامنے کھڑے تھے۔ کسی جگہ شراب کا دور چل رہا تھا کوئی اپنے معشوقوں کے ساتھ قسم قسم کے پھل اور خشک میوے کھا رہا تھا۔ خوشنما طیور ان پھلوں کو توڑ کر لاتے اور ان کی گودوں میں رکھ دیتے۔

عمر نے انتہائی حیرت کے ساتھ ان مناظر کو دیکھا اور آگے بڑھ گیا اب اس کے سامنے مختلف قصر اور عمارتیں تھیں۔ بلکہ یوں کہئے کہ جگمگاتے ہوئے سیماب کے ڈھیر تھے جن پر نگاہ ٹھہرنا دشوار تھی۔ یہ قصر کوئی یاقوت کا تھا کوئی زمرد کا۔ کوئی موتی کا۔ کوئی ہیرے کا۔ یہ معلوم ہوتا تھا پورے قصر ایک ڈال کو ہی تراش کر بنائے گئے تھے۔ انکی چمک دمک سے آنکھیں خیرہ ہوئی جا رہی تھیں۔

اب وہ ایک ایسے مقام پر پہونچ گیا تھا جہاں گنجان اور سایہ دار درخت تھے اور اس کے قریب ہی ایک پتلی سی نہر جاری تھی جس کا صاف شفاف پانی روانی کے ساتھ بہہ رہا تھا اس میں ایک طلاء کار اور مرصع کشتی پڑی ہوئی تھی اس کشتی میں سے کسی پری جمال حور کے گانے کی سریلی آواز آرہی تھی وہ کشتی عمر کی طرف ہی آرہی تھی۔ عمر اس کی طرف دیکھنے لگا

"اوہ — ابراہیم کا لڑکا!"

اس آواز کو سنتے ہی عمر چونک پڑا اور دوڑتا ہوا اس کشتی کے قریب پہونچ گیا جواب کنارہ سے لگی ہوئی تھی اور ایک نازک اندام نازنین

اس پر سوار تھی ریشم کے مانند سنہرے بال اس حسینہ کے گھٹنوں تک آ گئے تھے اور وہ مسکراتی ہوئی عمر کو دیکھ رہی تھی۔

"میں حضور کو آداب بجالاتی ہوں" کشتی میں بیٹھی ہوئی لڑکی نے کہا اور عمر کا ہاتھ پکڑ کر اسے بھی کشتی میں لے لیا۔ عمر نے یہ چہرہ پہلے بھی کبھی دیکھا تھا وہ اپنی یادداشت پر زور دینے لگا۔

"ازابیلا" آخر اسکو یاد ہی آ گیا" بازنطینی لڑکی ازابیلا ــــ رحیم کی لونڈی"

"ازابیلا تم یہاں کہاں؟" عمر نے تعجب سے پوچھا

"مرنے کے بعد مجھے یہ مقام ملا ہے" ازابیلا نے کہا "لیکن تمہارے فراق میں مجھے یہاں بھی چین نہ ملا اور آخر کار خدا نے میری دعا قبول کر لی" ازابیلا نے آگے بڑھ کر اس کے گلے میں باہیں ڈالدیں اور انتہائی گرمجوشی کے ساتھ اس سے لپٹ گئی بہت دیر تک شکوہ شکایت کی باتیں ہوتی رہیں اس کے بعد یہ دونوں کشتی سے اتر کر ایک چمن میں پڑے ہوئے طلائی تختوں پر آ بیٹھے۔ اس تخت کی دونوں جانب دو حوض تھے عمر نے یہ سمجھنے میں دشواری محسوس نہ کی کہ ایک حوض کوثر دوسرا حوض شراب طہور کا تھا ــــ چند حوروں نے سامنے آ کر دلکش لے میں نغمہ چھیڑ دیا اور دو چار کمسن لڑکے سونے کے جام اور صراحیاں لیکر کھڑے ہو گئے ــــ عمر پر اس وقت ایک عجیب بیخودی کا عالم طاری تھا ــــ ازابیلا نے ایک ہاتھ اسکے گلے میں ڈال رکھا تھا اور دوسرے ہاتھ سے شراب طہور کا جام اس کے

سخ سے لگا رہی تھی ۔۔۔ عمر اس جام کو پی گیا ۔۔۔ وہ بے خودی میں اُٹھ کر ازابیلا کی طرف بڑھنے ہی والا تھا کہ بیہوش ہو کر فرش پر گر گیا ۔۔۔

دوسرے روز بہت دیر تک عمر سوتا رہا کسی کے جگانے سے اس کی آنکھ کھلی تو اس نے حسن بن صباح کو اپنے سرہانے بیٹھا ہوا دیکھا حسن نے ہی عمر کو ہوشیار کیا تھا ایک لمحہ تک عمر آنکھ ملتے ہوئے چھت کو دیکھتا رہا اس کی آنکھیں نیند سے بوجھل ہو رہی تھیں اور سر میں گرانی تھی عمر نے یہ محسوس کر لیا کہ وہ اپنے کمرہ ہی میں تھا۔

"رات کو تم مجھ سے ملنے نہیں آسکے" حسن نے کہا "میں تمہارا انتظار دیکھتا رہا"

"میں ایک خواب دیکھ رہا تھا" عمر نے جواب دیا "انتہائی حسین خواب"

"کیا وہ خواب تھا یا حقیقت ؟"

"دونوں ۔۔۔ خواب بھی اور حقیقت بھی"

"تب پھر تم کہاں تھے ؟" حسن نے یہ سوال سینکڑوں ان لوگوں سے پوچھا تھا جو اس حسین خواب کے بعد بیدار ہوتے تھے وہ اس جواب کا انتظار کرنے لگا کہ "جنت میں"

عمر سوچنے لگا "اگر کچھ خامیاں نہ ہوتیں تو وہ جنت کی بہترین نقل تھی"

"نقل تھی" حسن نے سنجیدگی سے کہا اس کے لہجہ یا لفظوں سے خفیف تعجب کا اظہار تک نہ ہوا۔

"اس جنت کی ایک حور کو میں پہلے سے ہی جانتا تھا۔"

"یہ نہیں ہو سکتا ـــــ وہ کون تھی؟"

"یانہ نطیلی ازابیلا ـــــ وہ مجھے ایک کشتی پر ملی تھی۔

"اور؟"

"وہاں کے غلمان بھی مادی دنیا کے انسان تھے ان میں سے کئی کی عمر زیادہ ہونے کی وجہ سے داڑھی نکل آئی تھی جس کو استرے سے مونڈا گیا تھا کیا خدا نے جنت میں داڑھی منڈانے کا سامان دینے کا بھی انتظام کیا ہے ـــــ جنت میں ہمیشہ صبح کا وقت ہوتا ہے لیکن وہاں دنیا کے سے تغیرات موجود تھے آفتاب کے غروب ہونے کا نظارہ بھی دیکھا ستاروں اور چاند کو بھی دیکھا ـــــ آسمان پر چیلوں اور عقابوں کو بھی منڈلاتے دیکھا ـــــ زمردین قصر کا پلاستر ایک جگہ سے اکھڑ گیا تھا اس کے نیچے سرخی اور چونا بھی نظر آیا ـــــ اس کے علاوہ بھی بہت کچھ دیکھا جو آسمانی جنتوں میں نہیں ہوتا ہے۔"

حسن کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ بات کا موضوع بدلنے میں ید طولیٰ رکھتا تھا اس تبدیلی کا اثر مخاطب پر بالکل بھی نہ ہوتا تھا ـــــ حسن اس کی باتیں سن کر مسکرانے لگا تھا اس نے سمجھ لیا تھا کہ عمر پر جنت کا جادو چلنا دشوار تھا۔

"میرے فدائی اس قسم کے سوالات نہیں کرتے" حسن نے کہا "ایک بار جنت کو دیکھنے کے بعد ان کو دوبارہ خواہش ہوتی ہے ـــــ

ہمارے فدائی زیادہ تر نوجوان ہیں جنت کی رنگینیوں میں کھو کر وہ ان باتوں کا خیال نہیں کرتے ہیں ۔۔۔ داعی اور رفیق جو اس قسم کے اعتراضات کی صلاحیت رکھتے ہیں انکو جنت دکھا کر مرعوب کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہوتی ۔"

" آج تک میری سمجھ میں یہ نہیں آیا کہ فدائیوں ۔ داعیوں اور رفیقوں میں فرق کیا ہے ؟" عمر نے پوچھا ۔

" داعی تو وہ لوگ ہیں جو عباسی مشنریوں کی ممالک دور دراز میں پھیلے ہوئے ہیں " حسن نے جواب دیا " یہ لوگ ہمارے عقائد کی تبلیغ کرتے ہیں ۔۔۔ رفیق وہ لوگ ہیں جو مجتہدانہ شان رکھتے ہیں ۔۔۔ یہ لوگ دینی مجلس کے ارکان اور میرے مشیر ہیں ۔۔۔ ان لوگوں میں درسگاہوں کے معلم ہیئت داں ۔۔۔ اور بڑے بڑے مولوی شامل ہیں ۔۔۔ فدائی وہ لوگ ہیں جو خود تو کوئی صلاحیت نہیں رکھتے لیکن ان پر خاص مذہبی اثر ڈالکر ان کی ذہنیتوں کو بدل دیا جاتا ہے ۔۔۔ میری جنت صرف اسی طبقہ پر اثر ڈالنے کیلئے بنائی گئی ہے ۔۔۔ یہی ہماری باضابطہ اور جانباز فوج ہے جو بلا عذر و بلا حجت ہر کام آنکھیں بند کر کے کرتی ہے ۔۔۔ "

عمر نے اپنی پیٹی سے وہ تلکی نکال لی جو رے کے راستہ میں اسے شکاری سے ملی تھی " کیا یہ بھی تمہاری ہی شعبدہ بازی ہے ؟" عمر نے پوچھا تاکہ لوگ یہ سمجھیں کہ تمہیں علم غیب ہے ۔"

" یہ شعبدہ بازی کب ہے ؟" حسن نے کہا " کبھی کبھی میں نامہ بر کبوتر بھی استعمال کرتا ہوں اسی ذریعہ سے المُوت میں بیٹھے بیٹھے مجھے دنیا بھر کی

خبریں مل جاتی ہیں ــــ لیکن یہ راز صرف رفیقوں کو ہی معلوم ہے ورنہ داعی اور فدائی تو سمجھتے ہیں کہ مجھے علم غیب ہے۔ یہ کبوتر الموت کے برابر والے ایک دیہات میں رہتے ہیں اور پھر وہاں سے پیغامات میرے پاس آجاتے ہیں" اس نے آگے بڑھ کر عمر کے کندھے پر دونوں ہاتھ رکھدیے

"تم یہ سمجھتے ہو گے کہ حسن نے اپنے ذاتی مفاد کی وجہ سے یہ گورکھ دھندا پھیلا رکھا ہے ــــ تو سنو میں دنیا کا بدنصیب ترین انسان ہوں ــــ قاہرہ کی سڑکوں پر مہینوں میں آوارہ کتے کی مانند گھومتا پھرا ہوں ــــ میری کمر پر کوڑے برسائے گئے ہیں اور آخرکار اس ظلم وستم سے تنگ آکر میں نے دوسرا راستہ اختیار کرلیا ــــ میری خوش قسمتی تھی کہ میری ملاقات داعی عراق شیخ عبدالملک سے مغرب میں ہوگئی ان کی اجازت پاکر میں امام زمانہ خلیفۃ المستنصر باللہ کی زیارت سے شرف یاب ہوا ــــ آخرکار میں نے اپنی زندگی کی ایک راہ پا ہی لی ــــ سچائی کا جو سب سے بہتر راستہ تھا اختیار کرلیا ــــ حقیقت تو یہ ہے کہ اب مذہب ایسی عورت کے مانند ہے جو بوڑھی ہو چکی ہے ــــ ساری دنیا باطل پرست ہے اور سوکھی ہڈیوں کو چچوڑ رہی ہے عنقریب وہ زمانہ آنے والا ہے جو یہ ہڈیاں بھی نہ رہیں گی ان کی کہانیاں صرف کتابوں کی زینت ہوں گی ــــ سب سے بہتر یہی راستہ ہے کہ سارے معبدوں کو برباد کردو ــــ بادشاہتوں کو ختم کردو ــــ یہ بادشاہ تخت پر بیٹھ کر ایسے اصولوں کی حفاظت کرتے ہیں جن کی بنیاد جھوٹ پر ہے ــــ آخر اس ملک شاہ میں

کون سی خصوصیت ہے۔ عقل و سمجھ میں تم اس سے کہیں زیادہ افضل ہو پھر کیا وجہ ہے کہ ہم عرصہ تک بادشاہت کو برداشت کرتے رہیں۔۔۔۔ ہمیں سارا نظام بدلنا ہے۔۔۔۔ سارے سماج کو درہم برہم کرکے ایک نئے سماج کی داغ بیل ڈالنا ہے۔۔۔۔ صرف یہی ہمارا مطمح نظر ہے اور اسی مہم کو سر کرنے کے لئے ہماری تبلیغ ہوتی ہے۔

ہمیں انسانوں کے دل بدلنا ہیں تاکہ مذہب کے فرسودہ اوہام مٹ جائیں یہ کام دو چار آدمیوں کے کرنے کا نہیں ہے اس کے لئے ہمیں عوام کی ہمدردیاں حاصل کرنا ہیں۔۔۔۔ حقیقت میں ہمارا مذہب یہی ہے یہ امامت کا ڈھونگ تو ہم نے ان پڑھ اور مذہبی جنونیوں کے پھسلانے کے لئے رچا رکھا ہے۔۔۔۔ حسن نے کندھوں کو جنبش دی "تم لوگوں کی بھی کوئی زندگی ہے غلاموں سے بھی بدتر۔۔۔۔ تم اپنا ہی معاملہ لو ایک ذرا سی بات پر نظام نے تم سے آنکھیں پھیر لیں اور تمہاری کتنی توہین کی"۔

عمر مسکرانے لگا "اس بات سے مذہب کا کیا تعلق؟ یہ میرا انفرادی معاملہ تھا"۔

"پھر وہی مذہب۔۔۔۔ ہر معاملہ میں مذہب کی ٹانگ اڑجاتی ہے" حسن بولا "ہمیں مذہب کی بالکل ضرورت نہیں ہے۔۔۔۔ تم تو سمجھ دار آدمی ہو خود ہی سوچو انسان کے علاوہ دنیا میں دوسرے جاندار بھی تو ہیں انکا کیا مذہب ہے؟ ایک مرد کیلئے ایک عورت اسی طرح ضروری ہے جس طرح ایک بیل کیلئے گائے۔۔۔۔ اس کے لئے نکاح اور مذہبی

جھنجھٹوں میں پھنسنے کی کیا ضرورت ہے ۔۔۔ ہمارا مذہب قدرتی ہے ہم فطرت کے اصولوں پر چلتے ہیں باقی سب بکواس ہے"

"کیا آپ لوگ شعبدہ بازی اور جادوگری کا استعمال بھی کرتے ہیں" عمر نے پوچھا۔

"کیوں نہیں ۔۔۔ یہ بھی تو علم ہیں ۔۔۔ اس قسم کا علم میں نے مصر سے حاصل کیا ہے قدیم مصری کتب کا مطالعہ کر کے معلوم کیا ہے ۔۔۔ ہم ہر اس چیز کو اپنا لیتے ہیں جو ہمارے فائدہ کی ہو جائز اور ناجائز کے چکر میں نہیں پھنستے ۔۔۔ خواجہ عمر میں تمہاری صلاحیتوں کا معترف ہوں بابل میں میں نے تمہاری تعریف کی تھی بیت المقدس میں میری خواہش تھی کہ کاش تم میرے رفیقوں میں ہوتے ۔۔۔ جب سے کئی سال گزر چکے ہیں میں نے بہت کچھ حاصل کر لیا ہے لیکن تم وہیں ہو جہاں تھے۔ تمہاری درباری پوزیشن میں کوئی فرق نہیں ہوا! اور اب تو تم نے نظام الملک کی سرپرستی بھی کھو دی ہے"

وہ ایک لمحہ کیلئے رک کر عمر کو دیکھنے لگا "ہم تمہارے لئے ایک نیا راستہ دکھا رہے ہیں مجھے اسی وقت کا انتظار تھا کہ تم ہماری طرف کب آتے ہو ۔۔۔ یہ مجھے تسلیم ہے کہ اس عرصہ میں تمہاری نگرانی کی گئی لیکن بری نیت سے نہیں صرف تمہاری دوستی حاصل کرنے کے لئے ۔۔۔ میں تمہارا مداح ہوں۔ تمہاری تقویم۔ تمہاری تصنیفات۔ تمہاری رصدگاہ کے کارنامے ہر چیز کو قدر کرتا ہوں کیا ملا لوگ بھی تمہاری اس طرح تعریف کر سکتے ہیں ۔۔۔ یہ یاد رکھو جس وقت بھی ملک شاہ کی نظر میں تم سے

پھر گئیں ابی محترم تم کو دربار سے نکال دیا جائے گا ۔۔۔ جبکہ میرا دروازہ تمہارے لئے ہر وقت کھلا رہیگا ۔۔۔ ان باتوں کو اچھی طرح سمجھ لو ان پر غور کر لو ۔۔۔ اب آؤ میں تم کو اپنی ادائی طاقت کا تماشہ دکھاتا ہوں " حسن اٹھ کھڑا ہوا

عمر اس وقت آرام کرنا چاہتا تھا کیونکہ سر کے درد کی وجہ سے اسکا دماغ پھٹا جا رہا تھا لیکن حسن کے تیوروں سے معلوم ہو رہا تھا کہ وہ اسے آسانی سے چھوڑنے والا نہیں تھا آخر کار وہ اس کے پیچھے پیچھے روانہ ہو گیا

قلعہ الموت کی کسی پوشیدہ سرنگ سے نکل کر اب یہ دونوں ایک ایسے درہ میں سے گذر رہے تھے جو چونے کے پہاڑ کو تراش کر بنایا گیا تھا اس درہ کے اختتام پہان کے سامنے کئی غار تھے ۔ ان غاروں کے سامنے ہزاروں مزدور بھٹیوں پر کام کر رہے تھے ان بھٹیوں پر بڑے بڑے کڑھاؤ چڑھے تھے اور شیشہ پگھل رہا تھا بہت سے آدمی اس شیشے کو سانچوں میں بھر رہے تھے بظاہر یہ کوئی شیشہ کا کارخانہ معلوم ہو رہا تھا ۔

" میں ان کاریگروں کو مصر سے لایا ہوں " حسن نے کہا " شیشہ کے ظروف بنانا وہاں کی خاص اور قدیم صنعت ہے ۔۔۔ یہ شیشہ اتنا کمیاب ہے کہ ابتک صرف سلطان کے محلوں میں ہی استعمال ہوتا تھا لیکن ہمارے نمائندوں نے اب اس کے ظروف بازاروں میں فروخت کرنا شروع کر دیے ہیں ۔ مٹی اور سنگ چینی کے برتنوں کے مقابلہ میں ہمارے یہاں کا بنا ہوا شیشہ کا سامان ارزاں اور سبک ہوتا ہے ہمارے ملازمین

تمام خراسان میں پھیلے ہوئے ہیں اور سمرقند سے مختلف سامان لاکر نیشاپور میں فروخت کرتے ہیں اور نیشاپور کی بنی ہوئی اشیاء دوسرے شہروں کو بھیجتے ہیں تم نے سمرقندی بخاروں کے قافلے تو دیکھے ہوں گے وہ سب ہمارے ہی آدمی ہیں۔ ہماری تجارت کا پورا انتظام تمہارے دوست حسّام کے ہاتھوں سے ہوتا ہے۔

اس کے بعد یہ دونوں ایسی عمارتوں کے پاس پہونچے جن پر کانسی کی چادریں پڑی ہوئی ہیں یہ سب بڑے بڑے گودام تھے جن میں باطنیوں کے سامان رسد کا ذخیرہ رہتا تھا کسی گودام میں چاولوں سے بھری ہوئی ہزاروں بوریاں اوپر نیچے چنی ہوئی تھیں کوئی گودام شہد اور شراب کے پیپوں سے بھرا ہوا تھا۔ کپڑا، غلہ، روغن زیتون مصالحہ، خشک میوہ غرضکہ ہر چیز کے بورے اور پیپے بھرے ہوئے تھے۔

"یہاں اتنا سامان ہر وقت رہتا ہے کہ اگر قلعہ الموت کا کبھی محاصرہ ہو تو پانچ سال تک میرے آدمی اطمینان سے اپنی زندگی گذار سکتے ہیں"۔ حسن نے کہا "اس ذخیرہ میں روزانہ کچھ نہ کچھ اضافہ ہی ہوتا رہتا ہے — فدائی — داعی اور رفیق اپنی آمدنی کا پانچواں حصہ ان چیزوں یا نقد کی صورت میں پہونچاتے رہتے ہیں"۔

اب یہ دونوں قلعہ الموت کے مشرقی پہلو کے قریب کھڑے تھے ان کے سامنے چھوٹی چھوٹی چٹانوں کا سلسلہ دور تک چلا گیا تھا حسن ان چٹانوں کو عبور کرتا ہوا ایک اونچے سے ٹیلہ پر پہونچ گیا اس پر غروب ہونے والے

سورج کی زرد دھوپ پڑ رہی تھی اور اس کے دونوں ہاتھ اوپر اٹھے ہوئے تھے
"آؤ۔۔۔ میرے وفاداروں ۔۔۔" حسن نے بلند آواز سے کہا
"تمہارے لئے جنت کے دروازے کھلے ہوئے ہیں اور خدا تمہارے
اوپر رحمتیں نازل کر رہا ہے" وہ جس ٹیلے پر اسوقت کھڑا تھا وہ ایک
ڈائس کی مانند تھا اس کی پشت پر دونوں طرف اس درہ کی دیواریں تھیں
جس میں سے نکل کر یہ ابھی یہاں آیا تھا اس کے سامنے ہزاروں کی تعداد
میں چھوٹی چھوٹی جھونپڑیاں بنی ہوئی تھیں۔ بے شمار آدمی حسن کی آواز سنتے
ہی اس طرف بھاگے چلے آ رہے تھے۔ عمر نے پہچان لیا کہ ان میں وہ
فدائی بھی تھے جن کو گذشتہ روز تلواروں کے رقص میں وہ دیکھ چکا تھا۔۔۔
سامنے والی وادی تھوڑی ہی دیر میں فدائیوں سے بھر گئی تھی وہ لوگ حسن کو
دیکھتے ہی زمین پر اوندھے گر پڑے اور پرجوش نعرے لگانے لگے۔
حسن نے ہاتھ کے اشارے سے سب کو واپس کر دیا۔

حسن نے عمر کا ہاتھ پکڑا اور اس ٹیلے کے نیچے اترنے لگا۔۔۔
راستہ میں تین فدائی سنتری ملے جو اپنے ہتھیاروں کو اتار کر غالباً نماز مغرب
کی تیاری کر رہے تھے ان لوگوں کو حسن کے آنے کی مطلق خبر نہ تھی۔ حسن
نے آگے بڑھ کر ایک سنتری کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا وہ تینوں ایکدم
اچھل کر اپنے امام کا چہرہ دیکھنے لگے ان کی آنکھیں حسن پر لگی ہوئی تھیں
وہ اس کے حکم کے منتظر تھے۔

"تم تینوں کا جنت میں انتظار ہو رہا ہے" حسن نے نرمی سے کہا

"تم سامنے والی چٹان سے چھلانگ لگا کر وہاں پہونچ سکتے ہو۔"

ان آخری الفاظ کو سنتے ہی تینوں سنتری بجلی کی سی سرعت کے ساتھ اس چٹان کی طرف بھاگنے لگے اور ذرا سی دیر میں اس کی چوٹی پر پہونچ گئے۔ اس چوٹی کے نیچے کئی سو فٹ گہری گھاٹی تھی۔۔۔۔ دو سنتری تو فوراً ہی نیچے چھلانگ گئے تیسرا اندائی آنکھیں بند کئے ہوئے پس و پیش میں ڈگمگا رہا تھا

"تم بھی کود جاؤ" حسن نے آواز دے کر کہا اور تیسرا سنتری بھی فوراً ہی نظروں سے غائب ہو گیا۔۔۔۔ یہ تینوں چٹانوں سے فٹ بال کی طرح اچھلتے ہوئے تیزی کے ساتھ گھاٹی میں جا رہے تھے اور آخر کار گھاٹی میں لگے ہوئے درختوں کے جھنڈ میں جا کر غائب ہو گئے۔

"دیکھا تم نے؟" حسن نے کہا اس کی آنکھیں اسوقت چمک رہی تھیں "جو طاقت اور حکمرانی مجھے نصیب ہے کیا کسی بادشاہ کو مل سکتی ہے؟ کیا ملک شاہ کی رعایا اس کے احکامات کی تعمیل اس طرح کر سکتی ہے؟"

"جی ہاں خوب اچھی طرح دیکھا" عمر نے طنز کے ساتھ کہا "تین جانیں بے مقصد ضائع ہو گئیں"

"صرف تجربے کے لئے۔۔۔۔ میرے مقاصد کے سامنے تین کیا تین لاکھ جانوں کی کوئی حیثیت نہیں ہے"

حسن نے ٹھوکر مار کر ان تینوں سنتریوں کے ہتھیار بھی نیچے پھینک دئے "تم نے ابھی دیکھا ہی کیا ہے" اس نے سلسلہ کلام جاری رکھا "میری طاقت

تمہارا یہ تماشہ تھا یہ تو ــــ اب مجھے بتاؤ کہ تم کو میرا ساتھی بننا منظور ہے ؟ تمہارا شمار معزز رفیقوں میں ہوگا اور تمہارا کام ریاضی اور نجوم سے متعلق ہوگا ۔"

"کیا مجھے الموت میں رہنا ہوگا ؟" عمر نے پوچھا ۔

"نہیں ــــ تم دنیا میں ہر جگہ جا سکتے ہو ــــ تمہیں جس چیز کی خواہش ہو مل سکتی ہے ــــ بازنطینی لڑکی اناابیلا ــــ سکندر کی کتابیں اور جو کچھ تم چاہو ــــ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہاری ہر شرط کو پورا کیا جائیگا اور میرا وعدہ کبھی جھوٹا نہیں ہوتا ہے ــــ اس وقت تم جس دولت اور عزت کے مالک ہو میرے پاس رہ کر اس سے زیادہ کہیں تم حاصل کر سکتے ہو ۔"

عمر تاریک وادی کی طرف دیکھنے لگا "اور اگر میں منظور نہ کروں تب ؟"

" تو تم دوبارہ نیشاپور نہیں جا سکتے ــــ کم از کم اس وقت تک جبتک چند مخصوص لمحات نہ گذر جائیں تم اسی طرح یہاں نظربند رہو گے جس طرح تمہارا علم تمہارے دماغ میں محفوظ ہے ــــ تھوڑے عرصہ کے بعد تم کو آزاد کر دیا جائیگا ۔"

ایک لمحہ تک عمر سوچتا رہا ۔ مجھے سوچ بچار کیلئے کم از کم ایک ہفتہ کی مہلت ملنا چاہئے اس کے بعد میں فیصلہ کروں گا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے ۔

" یقیناً "، حسن اسوقت مطمئن معلوم ہو رہا تھا ۔ ایک ہفتہ کے بعد

میں تمہارے جواب کا منتظر رہونگا اسوقت تک الموت کا ہر فرد تمہارے ہر حکم کی تعمیل اسی طرح کرے گا جس طرح میری ہوتی ہے۔"
عمر کو اس کے کمرہ تک پہونچا کر حسن چلا گیا۔

۲۶

چھبیسواں باب

فرار

حسن کے جانے کے بعد عمر نے اس طرح گہری سانس لی جیسے کوئی بھاری بوجھ سر سے ہٹ گیا ہو۔ اس میں شبہ نہیں کہ حسن کی تنظیم انتہائی مستحکم تھی۔ اس کے علاوہ ازابیلا جیسے ساتھی کے ساتھ الموت میں رہنا اتنا برا بھی نہ تھا۔ نظام الملک سے اسکا جھگڑا ہو ہی چکا تھا اور نیشا پور میں جانا اسکے لئے خطرناک تھا ان تمام باتوں کے باوجود اس کا ضمیر گوارہ نہیں کر رہا تھا کہ وہ ایک ایسے شخص کی ملازمت کرے جس کا نہ کوئی دین تھا نہ مذہب جو اسلام کا بدترین مخالف تھا ـــ الموت میں وہ کروہ اپنے کاموں کی تکمیل بھی نہیں کر سکتا تھا جو اپنی رصدگاہ میں نامکمل چھوڑ آیا تھا سب سے بڑا کام ابھی اس تھیوری کا باقی تھا کہ دنیا گردش کرتی ہے اور ستارے اپنی جگہ پر قائم ہیں۔

"کسی شرط پر بھی حسن مجھ کو چھوڑ نہیں سکتا" عمر سوچنے لگا "میں اس کے بہت سے رازوں سے واقف ہوں ـــ اگر میں نے اسکا ساتھی بننا منظور نہ کیا تو عمر بھر یہاں قید رکھا جاؤں گا ـــ اس لئے یہ ہفتہ ختم ہونے سے پہلے ہی مجھے یہاں سے فرار ہو جانا چاہیئے۔

اب عمر اس دوا[1] کے متعلق سوچنے لگا جس سے انسانی ذہن مفلوج ہو جاتا تھا۔ رکن الدین نے جو اسے شراب کا جام زبردستی پلایا تھا اسمیں یقیناً کوئی ایسی دوا تھی جس سے بیہوش ہو کر وہ جنت میں پہونچ گیا تھا اور اسی طرح جنت میں بیخودی کے عالم میں ازابیلا نے ایک جام پلایا تھا اور اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اپنے کمرہ میں پایا گیا ـــــ اس دوا کی خوشبو اس دھوئیں میں بھی تھی جو تلواروں کے ناچ والے روز آگ میں سے نکل رہا تھا اور اس کی وجہ سے اسکا سر چکرانے لگا تھا اس کے کمرہ میں جو انگیٹھی آتی تھی اس میں سے اسی قسم کی خوشبو نکلا کرتی تھی ـــــ اس کے واسطے روزانہ ایک صراحی بھری ہوئی شراب آتی تھی اور وہ ہمیشہ اسکو غسلخانے کی نالی سے بہا دیا کرتا تھا اس نے باطنیوں پر یہ ظاہر ہونے نہ دیا کہ وہ شراب نہیں پیتا تھا اسے یقین تھا کہ اس شراب میں بھی دوا کی آمیزش ہوتی تھی اگر وہ شراب سے انکار کر دیتا تو پینے کے پانی اور کھانے میں

---

[1] حسن اپنے فدائیوں پر جو دوا استعمال کرتا تھا وہ حشیش (بھنگ) تھی۔ ایران میں پہلے افیون کا استعمال زیادہ تر ہوتا تھا بھنگ کو کوئی بھی نہیں جانتا تھا حسن نے ہی سب سے پہلے بھنگ کا استعمال معلوم کیا ـــــ فدائی اس کے بری طرح عادی ہو گئے تھے کسی دوسرے ذرائع سے اسکا ملنا ناممکن تھا اسلئے یہ لوگ حسن کے ہر حکم کی تعمیل کرتے اور انکو اس کے معاوضہ میں بھنگ ملی ہوئی شراب ملتی ـــــ اسی لئے یہ لوگ حشاشین کے نام سے مشہور ہوئے ـــــ

اس دوا کی آمیزش ہو سکتی تھی اس لئے سب سے بہتر طریقہ یہ تھا کہ ان لوگوں کو دھوکہ میں رکھا جائے اور وہ یہی سمجھتے رہیں کہ بھنگ کا استعمال ہو رہا ہے اور وہ شراب چھپا کر ضائع کر دیا کرے ___ اس نے اپنے دل میں طے کر لیا یہ بھی اسے معلوم تھا کہ ذہن کو مفلوج کرنے والی یہ دوا اس مخصوص ہفتہ میں اسکو زیادہ دی جائے گی تاکہ اس کے نشہ میں وہ صحیح فیصلہ نہ کر سکے ___

رات کے کھانے کے وقت جب شراب کی صراحی آئی تو اس نے لانے والے سے اس کی کمی کی شکایت کی اور کہا کہ کم از کم دو صراحیاں شراب کی اس کے پاس روزانہ آنا چاہئیں ایک صراحی ناکافی ہوتی ہے ___ فوراً ہی دوسری صراحی بھی آ گئی ___ عمر کو معلوم تھا کہ اس کے ایک پیالے کا اثر انسانی دماغ کو گنگ کرنے کے لئے کافی ہوتا ہے اور صرف ایک پیالے کا اثر دو روز تک رہتا ہے۔

جب رات کے وقت اسکا سیاہ فام غلام کمرہ سے باہر چلا گیا تو اسنے ایک ٹھلیا شراب کی غسل خانہ کی نالی سے بہا دی اور خود مصنوعی بیخودی کے عالم میں پلنگ پر دراز ہو گیا ___ اسی طرح دوسری رات بھی گذر گئی اب اسے یقین ہو گیا تھا کہ اس سے پہلے اس کے کھانے میں بھی اس دوا کی آمیزش ہوتی تھی لیکن جب سے اس نے شراب منگانا شروع کر دی یہ آمیزش بند ہو گئی پہلے اس کے دماغ پر ہر وقت جو خمار طاری رہتا تھا۔ اب وہ بات بھی نہ رہی تھی۔

کئی بار اس نے قلعہ کی دیواروں اور فصیل کی اونچائی کا بھی معائنہ کیا

لیکن کوئی جگہ ایسی نہ تھی جس پر جڑھ کر وہ فرار ہو سکتا تھا۔۔۔۔ اس نے کہانیوں میں پڑھا تھا کہ لوگ اپنے لباس کی رسی بنا کر قلعوں میں سے فرار ہوئے تھے لیکن اب اسے معلوم ہوا کہ ایسی کہانیوں کو تصنیف کرنا آسان ہے لیکن ان پر عمل کرنا دشوار ہے۔

وہ زمین دوز راستوں کی طرف بھی کئی بار ہمت کر کے گیا لیکن مسلح فدائیوں کا پہرہ دیکھ کر واپس آ گیا یہ سنتری انتہائی خطرناک تھے یہ زبان سے کچھ نہیں کہتے تھے کیونکہ سب گونگے کر دیئے گئے تھے لیکن کسی اجنبی یا فرار ہونے والے شخص سے خنجر کی نوک سے بات کرتے تھے ۔۔۔ قلعہ میں کوئی ہتھیار ملنا بھی دشوار تھا کیونکہ ہتھیار رکھنے کی اجازت صرف سنتریوں کو تھی اور جب انکو ڈیوٹی سے چھٹی ملتی اپنے ہتھیاروں کو مال خانے میں جمع کر دیتے ۔۔۔ اب اسے یقین ہو گیا تھا کہ قلعہ سے باہر جانے کے لئے صرف ایک ہی راستہ تھا اور وہ تھا صدر پھاٹک ۔۔۔۔ یہ پھاٹک روزانہ رات کو بند کر دیا جاتا تھا اور اس پر ایک بڑی سی لالٹین روشن کر دی جاتی تھی اس پر سات فدائیوں کا پہرہ ہوتا تھا جو رات بھر جاگتے رہتے تھے کوئی شخص بھی رات کو قلعہ سے باہر نہیں جا سکتا تھا۔۔۔۔ صرف ایکبار اس نے ایک لمبے قد کے آدمی کو قلعہ سے باہر جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ یہ کوئی داعی تھا اس نے چوکیداروں کو کوئی تحریری اجازت نامہ دکھایا تھا جس کو دیکھتے ہی ان لوگوں نے پھاٹک کا تالا کھول دیا تھا۔۔۔۔ اس نے طے کر لیا تھا کہ فرار ہونے کا سب سے بہتر وقت دن کی روشنی میں ہی

ہو سکتا تھا۔۔۔

اب عمر نے دن کو ایسی جگہ سونا شروع کر دیا تھا جہاں سے پھاٹک سامنے نظر آتا تھا وہ ہر آنے اور جانے والے کو غور سے دیکھتا تھا۔۔۔ کسی بھی اجنبی کو قلعہ کے اندر آنے کی اجازت نہیں تھی اور نہ کوئی جانور اندر آسکتا تھا۔۔۔ پڑوس کے مواضعات کے لوگ جب اناج لیکر آتے تو وہ پھاٹک پر ہی بوریاں کو اتار دیتے وہاں سے فدائی اٹھا اٹھا کر ذخیرہ میں پہونچا دیتے۔۔۔ کئی بار ایسا بھی ہوا کہ فدائیوں کے جھتے قلعہ میں آئے اور قلعہ سے باہر گئے۔۔۔ اس نے کئی داعیوں کو بھی قلعہ سے باہر جاتے ہوئے دیکھا۔ یہ لوگ عموماً کسی خاص تبلیغی مہم کیلئے الموت سے باہر بھیجے جاتے تھے اور پھر رپورٹ دینے کیلئے واپس آتے تھے۔۔۔ جس روز سے حسن سے اس نے ملاقات کی تھی اس کے بعد سے وہ نظر نہیں آیا۔۔۔ آج اس ملاقات کو پانچ روز ہو چکے تھے۔۔۔ صرف دو روز باقی تھے ان دو روز کے اندر ہی اس کو کوئی نہ کوئی فیصلہ کر لینا ضروری تھا۔۔۔

عمر کو معلوم تھا کہ حسن روزانہ ہی اس پھاٹک سے باہر جاتا تھا لیکن اتنی سخت نگرانی کے بعد بھی وہ معلوم نہ کر سکا وہ کس وقت جاتا تھا۔۔۔ تین روز سے وہ یہ دیکھ رہا تھا کہ دوپہر کے وقت ایک لمبے قد کا داعی باہر جاتا تھا اور آدھے گھنٹے کے بعد واپس آجاتا تھا۔۔۔ اس باقاعدگی نے عمر کو چونکا دیا۔۔۔ آج اس نے اس داعی کو غور سے دیکھا اس کی رفتار بھی جانی پہچانی ہوئی تھی جب دروازہ کھلتے وقت اس نے اپنا ہاتھ

پھاٹک پر رکھا تو عمر نے فوراً ہی پہچان لیا کہ وہ خود حسن ہی تھا ۔۔۔ وہ داعیوں کے بھیس میں تھا۔

عمر کی سمجھ میں نہیں آیا کہ خود اپنے قلعہ سے باہر جانے کے لئے وہ بھیس کو بدلتا تھا اس کے علاوہ ایک مقررہ وقت پر روزانہ باہر کیوں جاتا تھا ۔۔۔ اب اسے حسن کی بات یاد آگئی کہ بڑوس کے ایک گاؤں میں اس کے نام پر کبوتر رکھے جاتے تھے ۔۔۔ اور وہ یہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ الموت والوں کو معلوم ہو کہ باہری دنیا کی خبریں اسے کیسے مل جاتی ہیں ۔۔۔ اب اسے یقین ہو گیا کہ وہ ان کبوتروں کیلئے ہی روزانہ باہر جاتا تھا۔

فدائی کبھی تصور بھی نہیں کر سکتے تھے کہ داعی کے بھیس میں حسن ہو سکتا تھا ۔۔۔ عمر اس نتیجہ پر پہنچ گیا کہ فدائی لوگ تمام داعیوں سے ناواقف معلوم ہوتے تھے یا کم از کم ان کی آواز اور چہروں سے ناواقف تھے آخر میں اسنے بھانپ لیا کہ فراری کا سب سے بہتر طریقہ یہی تھا کہ داعیوں کے بھیس میں صدر پھاٹک سے نکلا جائے اور وہ بھی حسن کی مانند ۔۔۔

دوسرے دن صبح سے ہی اس نے داعیوں کا لباس حاصل کرنے کی کوشش شروع کر دی ۔۔۔ عمر کو یاد آگیا کہ تلوار والے رقص کے موقع پر رکن الدین نے کس بے صبری سے شراب کے جام لنڈھائے تھے اور وہ عمر سے کئی بار شراب کی خواہش کر چکا تھا کیونکہ اس شراب سے الموت میں رہنے والے داعی محروم رہتے تھے ۔۔۔ اس نے رکن الدین کو اپنے کمرہ میں آنے کی دعوت دی اور جب وہ آگیا تو احتیاط کے ساتھ کمرہ کا دروازہ

اندر سے بند کر دیا۔

شراب کا جام دیتے وقت کسی مکاری کی ضرورت نہ تھی صرف ایک بار مسکرا دینا ہی کافی تھا۔ رکن الدین بہت تیزی کے ساتھ شراب کی صراحی کے پاس آگیا "جنت کی شراب!" اس کی آنکھوں سے بے صبری جھلک رہی تھی "کیا یہ وہی ہے؟"

عمر نے صراحی اس کے قریب بڑھا دی اور بھرا ہوا جام اس کے ہونٹوں سے لگا دیا "چکھ کر دیکھ لو ـــ وہی ہے یا نہیں ـــ"

دروازہ کی طرف خوفزدہ نظروں سے دیکھتے ہوئے اس نے جام خالی کر دیا!

ـــ پھر دوسرا اور تیسرا اسی طرح صراحی کم ہونے لگی اور رکن الدین کے رخساروں کی سرخی بڑھنے لگی۔ اب وہ چھٹا جام پی رہا تھا۔

"اگر آپ کی اجازت ہو تو اور ـــ؟" رکن الدین نے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے ڈرتے ڈرتے پوچھا اس کو خوف تھا کہ عمر منع نہ کر دے

"جتنی چاہے پیو ـــ آج تو تمہاری دعوت ہے"

دس بارہ جام پینے کے بعد پستہ قد بوڑھا قالین پر دراز ہو گیا اس کی آنکھیں بند ہوتی جا رہی تھیں اور مسلسل بکواس کا عالم طاری تھا حالانکہ یہ ساری باتیں مہمل اور بے معنی تھیں ـــ عمر اس کے قریب بیٹھا ہوا اس سے باتیں کر رہا تھا۔

"حسن کے پاس اتنا سونا ـــ اتنی زبردست دولت کہاں سے آتی ہے؟" عمر نے پوچھا۔

موڈ راکر ـــ خنجروں سے دھمکاکر ـــ کبھی یہ خنجر لوگوں کی پشتوں میں اتر جاتے ہیں کبھی محض دھمکیوں سے کام چل جاتا ہے ـــ اس کے علاوہ بھی کئی طریقے ہیں ـــ کئی راز ہیں جو میں ابھی ـــ رکن الدین لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے اٹھا اور کانپتے ہاتھوں سے صراحی کو اٹھا کر منہ سے لگالیا ساری صراحی ختم کرنے کے بعد "خدا آپ پر رحمت کرے" کا جملہ کئی بار شکستوں لفظوں میں دہرایا اور ایک منٹ کے اندر ہی قالین پر لیٹ کر گہری نیند سوگیا اس کے خراٹوں سے کمرہ گونجنے لگا۔

عمر نے جلدی جلدی اس کے کپڑے اتارنا شروع کردیئے ـــ اسکی سفید عبا پہن کر چوگوشیہ ٹوپی اوڑھ لی اس کے بعد اس کے نمدے کے جوتے اتار کر پہن لئے۔ یہ لباس عمر کے جسم پر کافی اوچھا تھا لیکن اس نے عبا کے بند نہ لگائے اور چوڑی آستینوں کی وجہ سے کام چل گیا۔ اس نے دروازہ کھولکر دیکھا ابھی دیر نہیں ہوئی تھی سہ پہر کا وقت تھا ممکن ہے کہ حسن برابر والے گاؤں سے واپس آگیا ہو۔ رکن الدین کا خنجر نکال کر اس نے اپنی پیٹی میں اڑس لیا اور بوڑھے ہینت داں پر دونوں کمبل ڈال کر اس کو اچھی طرح ڈھک دیا ـــ پھر آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا راہداری میں آگیا۔ راستہ میں اسے کوئی بھی نہ ملا ـــ بہت خاموشی کے ساتھ اسنے صحن کا راستہ بخیریت تمام عبور کرلیا۔ اس کے سر پر اس وقت رکن الدین کا چوڑا چکلا رومال پڑا ہوا تھا جس کی وجہ سے اسکا منہ کافی چھپ گیا تھا ـــ اس کے برابر سے دو غلام نکلتے ہوئے چلے گئے ان کے سر پر

دو گھونٹ بھے شاید اسی شراب کے جس میں بھنگ ملی ہوئی ہوتی تھی ۔۔۔

اب صدر پھاٹک بھی صاف نظر آنے لگا تھا چار پانچ سنتری ایک پیڑ کے سایہ میں بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے ۔۔۔ پھاٹک جتنا قریب ہوتا جاتا اس کے دل کی دھڑکن اور نبض کی رفتار بڑھتی جاتی ۔۔۔

سنتریوں کے جمعدار نے عمر پر سرسری نظر ڈالی اس کی کمر میں تلوار لگی ہوئی تھی باقی سنتری خاموش بیٹھے رہے اور نہ ان کو کوئی شبہ ہوا ۔۔۔ اب اسے صدر پھاٹک کے برابر پہنچنے کے لئے صرف چار قدم بڑھانا تھے عمر سوچنے لگا ۔۔۔ ایک، دو ۔۔۔ تین ، اور ۔۔۔

" آج کا لفظ کون سا ہے یا سیدی " جمعدار نے نرم لہجہ میں پوچھا۔ عمر کی اوپر کی سانس اوپر اور نیچے کی نیچے رہ گئی اس کے متعلق اس نے سوچا تھا کہ باہر جانے کے لئے کسی پاس ورڈ کی بھی ضرورت ہوگی لیکن وہ جھجکنا بھی نہیں چاہتا تھا کیونکہ دوسری صورت میں موت اسکے سامنے کھڑی تھی " میں بالکل بھول گیا ۔۔۔ " وہ بڑبڑانے لگا " مجھے سیدنا نے ایک خاص کام سے باہر بھیجا ہے " وہ اپنے دماغ میں کوئی بہانہ تلاش کرنے لگا " براہ راست گاؤں میں بھیجا ہے جہاں سیدنا کے کبوتر ۔۔۔ "

عمر کو فوراً ہی یاد آگیا کہ عبا کے نیچے اس کی جیب میں وہ نقرئی نلکی اب بھی موجود تھی جو اس کو رستے کے راستہ میں شکاری سے ملی تھی۔ اسنے فوراً ہی اپنی جیب سے وہ نلکی نکال کر جمعدار کو دکھائی " یہ دیکھو یہ موجود ہے

—— مجھے بہت جلد جانا ہے —— سیدنا کا یہی حکم ہے۔"

سارے سنتری اب اس کے قریب آکر کھڑے ہو گئے تھے اور اسے تیز نظروں سے گھور رہے تھے سنتریوں کا جمعدار الجھن میں پڑا ہوا تھا اور اسکی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے عمر نے وہ نلکی اس کے ہاتھ میں جلدی سے ٹھونس دی، "اس کو تم اپنے پاس رکھو —— جبتک میں کبوتروں کے محافظوں میں سے کسی کو بلانے لاتا ہوں وہ خود ہی تم سے یہ لے لیگا لیکن خدا کے لئے اس پیغام کو حفاظت سے رکھنا ورنہ سیدنا کے غصہ سے تو تم واقف ہی ہو —— دین بھی خراب ہو اور دنیا بھی" جمعدار نے اس نلکی کو اس طرح تھام رکھا تھا جیسے وہ کوئی زہریلا بچھو ہو اس نے زبان سے کچھ نہ کہا عمر کے لئے اتنا اشارہ کافی تھا "تم یہیں کھڑے ملنا میں ابھی آتا ہوں" عمر نے کہا اور صدر پھاٹک سے نکل کر تیزی کے ساتھ روانہ ہو گیا اپنی تیز رفتاری کا بھی اسے کوئی خوف نہیں تھا کیونکہ جمعدار سے جلدی واپس آنے کا وعدہ کیا تھا —— سب سے قریبی گاؤں کے پاس پہونچکر اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا قلعہ کا پھاٹک اب درمیانی جنگل کے درختوں کی وجہ سے نظر نہیں آ رہا تھا۔

عمر کو امید تھی کہ آگے ضرور کوئی نہ کوئی کارواں سرائے ہوگی جہاں سے گھوڑا مل سکے اس راستہ سے اکثر قافلے آتے جاتے رہتے تھے اسوقت وہ دعا مانگ رہا تھا کہ کہیں حشام یا کسی دوسرے ایسے آدمی سے ملاقات نہ ہو جائے جو اسکو پہچانتا ہو

بھوسے کے انباروں اور کھاد کے ڈھیروں کے پاس سے گذرتا ہوا وہ اس گاؤں کے قریب پہونچ گیا اس کے سامنے ہی ایسا مکان تھا جس کی چھت پر بانس کے اونچے اونچے اڈے لگے ہوئے تھے ایک کبوتر ان اڈوں پر منڈلا رہا تھا۔ چند کسان ایک درخت کی چھاؤں میں بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے اس مکان کے دروازہ پر پہونچکر عمر نے آواز دی "ایک کابک اور دو کبوتر — جلدی — بہت جلدی"

ایک شخص فوراً باہر نکل کر اس کی طرف مشتبہ نظروں سے دیکھنے لگا "کس کے حکم سے ؟" اس نے پوچھا۔

"سیدنا کا حکم ہے" عمر نے جواب دیا جس کو وہ سنتے ہی وہ شخص ایک کوٹھری کی طرف چل دیا جہاں سے کبوتروں کے غٹرغوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔

"اور اصطبل سے زین کسا ہوا ایک تیز رفتار گھوڑا —" عمر نے کبوتر والے کو بغیر جھجک کے حکم دیا "جلدی کرو — انتہائی اہم کام ہے"

کبوتروں کے نگہبان نے سڑک کی طرف منھ کر کے آواز دی "سیدنا کا حکم ہے کہ ایک بہترین اور طاقتور گھوڑا خواجہ کو دیدیا جائے فوراً لے آؤ — دیر نہ ہو" دو منٹ تک اندر ہی گئی اونگھتے ہوئے مجہول قسم کے آدمی صحن کے دروازہ سے نکلتے ہوئے نظر آئے ان کے ساتھ ایک کسا ہوا گھوڑا بھی تھا۔

"سیدنا کے حکم کی تعمیل کر دی گئی" کبوتروں کے نگہبان نے کہا۔

"یہ دیکھئے ایک کبوتر کی دُم کا ایک پر ٹوٹا ہوا ہے اور دوسرے کبوتر کی دُم سرخ رنگ سے رنگی ہوئی ہے" عمر نے کبوتر کی کابک ایک ہاتھ میں لی اور گھوڑے پر سوار ہو گیا ــــ یہ حسن کے ملازم تھے اس لئے شکریہ ادا کرنے کی بھی اس نے ضرورت نہ سمجھی ــــ لگام کو خفیف جھٹکا دیا اور تیزی کے ساتھ سڑک پر آ گیا۔ گاؤں کی سڑک کو تیزی سے عبور کرتا ہوا اب وہ ایک تنگ وادی میں پہونچ گیا تھا اور اس کے سامنے ایک چھوٹی سی چوکی تھی بہت سے سنتری اس چوکی پر بیٹھے ہوئے تھے ان کے ہاتھوں میں برہنہ تلواریں تھیں گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز سنتے ہی وہ لوگ باہر آ کر کھڑے ہو گئے لیکن عمر کی عبا اور گھوڑے کو دیکھتے ہی خدا حافظ کہتے ہوئے واپس لوٹ گئے۔

جب وہ چوکی نظروں سے اوجھل ہو گئی تو عمر نے اپنی رفتار تیز کر دی اب وہ تیزی کے ساتھ پتھروں کو پھلانگتا ہوا ٹیلوں کو عبور کرتا ہوا اچھلا جا رہا تھا ــــ خود بخود وہ ہنسنے لگا جو تلکی وہ الموت کے سنتریوں کے جمعدار کو دے آیا تھا اس کے پیغام میں یہی الفاظ تھے "عمر خیمہ دوز اس وقت رے کی سڑک پر سفر کر رہا ہے"

۲۷

ستائیسواں باب

نظام الملک کی برطرفی

عمر کو سفر کرتے ہوئے آج دوسری شام تھی اسکا گھوڑا پسینہ پسینہ ہو گیا تھا اور منہ سے جھاگ نکل رہے تھے اگر اس رات کو دو چار گھنٹہ اس نے ایک جنگل میں قیام نہ کر لیا ہوتا تو یہاں تک پہونچنا بھی دشوار تھا۔ اب عمر کے سامنے ایک سپاٹ میدان تھا جس کے دوسری طرف سڑک کی ایک پتلی سی لکیر شام کے دھندلکے میں نظر آ رہی تھی۔ عمر نے جلدی جلدی اس میدان کو بھی عبور کر لیا میدان اور سڑک کے درمیان ایک شکستہ مقبرہ کے کھنڈر تھے اور اس کے قریب ہی چند جھونپڑیاں تھیں جو غالباً مقامی کسانوں کی ہوں گی ان جھونپڑیوں کے سامنے آگ روشن ہو چکی تھی وہاں پہونچکر عمر اپنے گھوڑے سے اتر پڑا ایک جھونپڑی کے سامنے چند آدمی بیٹھے ہوئے تھے جو اسکو دیکھتے ہی کھڑے ہو گئے۔

"میں شیخ الجبل کے کام سے سفر کر رہا ہوں" عمر نے کسانوں سے کہا اس کو یقین تھا کہ یہ لوگ یقیناً الموت والوں کو جانتے ہوں گے یہ کوہستانی سلسلہ کا آخری سرا تھا اس لئے یہاں سے اس کو گھوڑا ملنے کی بھی امید تھی۔

"شیخ الجبل کون ؟" ایک بوڑھے کسان نے پوچھا "وہی تو نہیں جسکا قلعہ یہاں سے پچاس میل پر پہاڑوں پر ہے ؟"

"ہاں ـــــ وہی شیخ الجبل ـــــ مجھے اپنا گھوڑا تبدیل کرنا ہے جو قیمت آپ لوگ طلب کریں گے وہ دیدی جائے گی" عمر نے کہا۔ خوش قسمتی سے اس کی پیٹی میں کچھ اشرفیاں اب بھی موجود تھیں۔

آپس میں کچھ دیر تک سرگوشی ہوتی رہی اس کے بعد ان لوگوں میں سے ایک آدمی اٹھ کر چلا گیا اسی وقت ایک جھونپڑی میں سے ایک چھوٹی سی بچی نکل آئی اور کبوتروں کی کابک کے پاس آکر بیٹھ گئی وہ ان کبوتروں کو بہت دلچسپی کے ساتھ دیکھ رہی تھی۔

عمر زمین پر بیٹھا ہوا سوچ رہا تھا اب وہ الموت سے تو کافی دور آچکا تھا لیکن ابھی وہ خطرہ سے باہر نہیں آیا تھا ـــــ حسن کے آدمیوں کے آنے کا اب بھی خوف باقی تھا۔

"یہ کبوتر تم نے کتنے کے لئے" لڑکی نے تتلا کر پوچھا۔ "کیا یہ اڑ سکتے ہیں ؟"

جب عمر نے اس کی طرف دیکھا تو وہ کبوتروں کی کابک میں ہاتھ ڈال کر انکی پشت پر ہاتھ پھیر رہی تھی عمر کے دیکھتے ہی اس نے سہم کر اپنا ہاتھ کابک کے اندر سے نکال لیا لیکن وہ وہاں سے اٹھ کر جانا نہیں چاہتی تھی۔

"مجھے آسمان پر اڑتے ہوئے کبوتر نظر آتے ہیں" لڑکی نے

ہاتھ کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "بہت اونچے ۔۔۔ آسمان سے بھی اونچے ۔۔۔ روزانہ اوپر سے کبوتر آتے جاتے رہتے ہیں ۔۔۔ کبھی کبھی وہ سامنے والے درختوں کے اوپر بھی آکر بیٹھ جاتے ہیں لیکن جب میں وہاں پہنچتی ہوں تو اڑ جاتے ہیں" اس کے لہجہ میں مایوسی تھی "یہ میدان میں دانہ چگتے ہیں لیکن میرے ساتھ نہیں کھیلتے"

"کیا تمہیں کبوتر اچھے لگتے ہیں؟" عمر نے پوچھا۔

"ہاں۔ بہت"

عمر نے اس کابک میں سے ایک کبوتر نکالکر اس کے پر باندھے اور پھر اسے لڑکی کو دے دیا ۔۔۔ وہ اس کبوتر کو اپنی گود میں لے کر فرطِ مسرت سے ناچتی کودتی جھونپڑی میں چلی گئی۔

اسی وقت وہ کسان بھی ایک تازہ دم گھوڑا لیکر آگیا عمر نے پہچان لیا وہ کوئی معمولی کاشتکاری گھوڑا نہیں تھا بلکہ اچھی نسل کا عربی گھوڑا تھا۔ اس نے گھوڑا لے کر کسان کو پانچ اشرفیاں اور اپنا گھوڑا دیا اور اس پر سوار ہو کر کبوتروں کی کابک بھی اٹھالی۔ اب اس کابک میں صرف ایک کبوتر رہ گیا تھا۔

عمر رات بھر چلتا رہا اور جب تارے جھلملانے لگے اور پو پھٹنے کا وقت ہو گیا تو وہ کسی شہر کی چہار دیواری کے سامنے کھڑا ہوا تھا اسنے شہر میں داخل ہونا مناسب نہیں سمجھا بلکہ اس کے برابر سے گذرتا ہوا خراساں کی سڑک پر آگیا۔

اب اتنی روشنی ہو گئی تھی کہ اسکو راستہ صاف نظر آنے لگا لیکن اسکے ساتھ ہی اس پر بری طرح سستی سوار ہونے لگی تھی ہر دو قدم چلنے کے بعد وہ نیند سے جھونکے کھانے لگتا تھا اس نے گھوڑے کی کاٹھی مضبوطی سے پکڑ لی اور خدا کے نام پر اسے چھوڑ دیا نا معلوم کتنی دیر تک اس طرح سفر جاری رہا جب عمر نے ہوشیار ہو کر آنکھ کھولی تو سورج سر پر پہنچ چکا اور جانا پہچانا ہوا خراساں کا راستہ سامنے تھا۔

اسی وقت عمر نے گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز سنی اس کو سنتے ہی وہ ہوشیار ہو گیا اسی وقت کئی لوگوں کی پکارنے کی آواز اس نے سنی۔

سورج کی پوری روشنی میں ریگستانی بگولے چکر کاٹ رہے تھے اور گرد و غبار کے دامن سے نکلتے ہوئے کئی سوار اس کی طرف چلے آ رہے تھے یہ لوگ عمامے باندھے ہوئے تھے اور بظاہر صحرائی بدو معلوم ہو رہے تھے وہ لوگ عمر کے پاس آ کر رک گئے اور اس کی عبا اور عمامے کو حیرت سے دیکھنے لگے۔

"تم کون ہو" ان سواروں میں سے ایک نے پوچھا۔

"ایک مسافر" عمر نے جواب دیا "میں سلطان ملک شاہ کے دربار سے تعلق رکھتا ہوں اور اسوقت اصفہان جا رہا ہوں"

"اوہ — خواجہ عمر!" ایک جانی پہچانی آواز سنائی دی اور ایک کوتہ پشت بوڑھے نے آ کر عمر کی رکاب پکڑ لی "یا سیدی — کیا اپنے بختیار کو آپ بھول گئے ہیں؟"

عمر مسکرانے لگا "لیکن بختیار کو تو میں قصر کو چک میں چھوڑ آیا تھا"

"نہیں ـــــ" مسخرانہ ور سے ہنسا "سلطان نے آپ کی تلاش کے لئے پورا ایک دستہ مقرر کر رہا تھا میں اس کے ساتھ شریک ہو گیا ـــــ میں نے رے میں آپ کو تلاش کیا ـــــ حلب میں ڈھونڈا۔ مرو۔ ہرات۔ بلخ سمرقند غرضکہ کوئی جگہ ایسی نہ چھوڑی جہاں کی خاک نہ چھانی ہو خدا کا شکر ہے کہ آپ مل گئے ـــــ لیلیٰ بھی ہمارے ساتھ ہے اسکا ناقہ پیچھے آ رہا ہے"

عمر نے دیکھا کہ دو اونٹ گرد و غبار سے نکل کر اس کی طرف آ رہے تھے عمر کے قریب آ کر لیلیٰ فوراً ہی محمل سے اتر آئی اور دوڑ سے بھاگتی ہوئی اس کی طرف آ گئی۔

"میرے آقا ـــــ!" یہ لیلیٰ کی آواز تھی "خدا آپ کو ہر آفت سے محفوظ رکھے رے کے بازار میں اس نے کہا تھا ـــــ اس بیوقوف سپاہی نے کہا تھا" شدت جذبات سے اسکا گلا بھر آیا "مجھ سے ایک سپاہی نے کہا تھا کہ آپ کو چند نامعلوم شیطان اٹھا کر لے گئے تھے" اس نے عمر کی رکاب مضبوطی سے پکڑ لی "ان شیطانوں نے تو آپ کی صورت ہی بدل دی ـــــ یہ آپ کی داڑھی کو کیا ہوا ؟!"

اب اسحاق بھی آگے بڑھ آیا تھا "یا سیدی میں نے لیلیٰ کو بہت منع کیا لیکن اس کے باوجود یہ قصر میں نہ رہیں" اس نے اپنی صفائی پیش کی ـــــ آپ کے فراق میں یہ بختیار کو لیکر نکل کھڑی ہوئیں۔ مجھے معلوم تھا کہ آپ کو یہ بات ناگوار ہو گی یہ سلطان کے پاس بھی گئیں اور ان سے

آپ کی تلاش کے لئے کہا سلطان نے ارشاد فرمایا کہ آپ کو تلاش کرو چاہے وہ برف کے پہاڑوں میں ہو یا سمندر کی تہہ میں ـــــ سلطان نے ایک پورا رسالہ بھی ان کے ساتھ کر دیا۔

"خدا کے لئے ذرا تو اپنی زبان کو لگام دو" لیلیٰ نے جھنجھلا کر کہا "یہ باتیں کرنے کا یہی وقت رہ گیا ہے ـــــ خدا کا شکر ادا نہیں کرتے کہ اتنے دنوں کے بعد آقا بخیریت تمام مل گئے ہیں ـــــ بس تم تو اپنے کام سے کام رکھو ـــــ پھاٹک پر کھڑے ہو کر پہرہ دینا اور خواجہ سراؤں سے باتیں کرنا"

جب لیلیٰ ایک طرف کو ہٹ گئی تو اس رسالہ کے جمعدار نے آ کر عمر کو سلامی دی۔

"پہلے تو آپ یہ بتائیے کہ آپ واقعی شاہی منجم خواجہ عمر ہیں یا کوئی اور ہے" اس نے پوچھا۔

"یہ نام تو میرا ہی ہے" عمر نے کہا اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اپنے بدلے ہوئے بھیس کی وجہ سے کس طرح اسکا ثبوت دے "مجھے جادوگروں کے پنجہ میں پھنس کر میں پہاڑوں پر چلا گیا تھا۔ اور موقع ملتے ہی میں نے بھیس بدلا اور وہاں سے فرار ہو کر یہاں پہونچ گیا"

"خوب!" عرب جمعدار نے کہا اس کے لہجہ سے اب کافی بدگمانی دور ہو گئی تھی "اچھا تو آپ سلطان المعظم کا حکم سنئے ـــــ آپ کو سب سے پہلے ان کے حضور میں پیش ہونا پڑیگا میں آپ کے ہمرکاب رہونگا"

"سلطان کا حکم سر آنکھوں پر" عمر نے کہا "آج کل سلطان کا کیمپ کہاں ہے؟"

"آج کل وہ اصفہان کی طرف پیش قدمی کر رہے ہیں ۔۔۔" جمعدار بولا "ہمیں وہیں چلنا ہو گا"

عمر نے اپنا گھوڑا دوسرے کے سپرد کیا اور لیلیٰ کے ساتھ اونٹ پر بیٹھ گیا لیلیٰ نے محمل کا پردہ ڈالنے کے بعد اطمینان کا سانس لیا اور اپنی نقاب اتار کر ایک طرف رکھ دی اور آرام سے بیٹھ گئی "آپ نے دیکھا کہ میں نے کس طرح آپ کی تلاش کی ۔۔۔ مسلح سواروں کے ساتھ ۔۔۔ اور وہ بھی خراساں کا چپہ چپہ چھان مارا ۔۔۔ کیا جادوگروں میں بھی آپ کو کوئی ایسی عورت ملی؟"

"ہاں ملی تو تھی" عمر نے مسکرا کر کہا "لیکن وہ جنت میں ملی تھی ایک کشتی پر بیٹھی ہوئی جنت کی سیر کر رہی تھی۔

"اوہ ۔۔۔ کیا آپ جنت میں پہنچ گئے تھے؟ وہاں تو حوریں ہوتی ہیں"

"وہ تو صرف خواب تھا لیلیٰ ۔۔۔ اور دنیا میں اگر کسی کو کچھ لمحے سکون حاصل ہو جائے تو وہ بھی جنت سے کم نہیں ہے"

"نظام الملک کو تو سلطان نے برخاست کر دیا ہے" لیلیٰ نے کہا "اور سلطان نے شاید اسی لئے آپ کو بلایا ہے کہ آپ کے سپرد قلمدان وزارت کر دیا جائے"

"کیا؟ نظام الملک کو برخاست کر دیا!" عمر نے حیرت سے اچھلتے ہوئے کہا، "یہ کیا کہہ رہی ہو تم" اسکو یقین نہیں آ رہا تھا کہ نظام الملک کو برخاست کر دیا ہوگا وہ نظام الملک جس نے سلجوقی سلطنت کو کہاں سے کہاں پہونچا دیا ۔۔۔ جسکا دور عہد زریں کہلاتا ہے ۔۔۔ جو سلطنت کے سیاہ و سفید کا دو بادشاہوں کے زمانے میں مالک رہا۔

"یہ سارا عتاب ایک خط کی وجہ سے ہوا" لیلیٰ نے عمر کی بے اعتباری دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ وزیر اعظم کا اقتدار کتنا تھا ان کی مرضی کے بغیر سلطان کوئی کام نہیں کرتے تھے کچھ لوگوں نے سلطان کو خط لکھا کہ بادشاہ آپ ہیں یا نظام الملک ۔۔۔ سلطان نے غصہ میں آ کر کہا جو شخص تخت پر بیٹھنے کی صلاحیت رکھتا ہے وہ بغیر انتظام کے بھی کام کر سکتا ہے ۔۔۔ اب معلوم نہیں کہ برطرفی کی اصل وجہ کیا تھی ۔۔۔ لوگ یہی کہتے ہیں"۔

"وہ خط کس نے بھیجا تھا؟" عمر نے پوچھا۔

"ان پہاڑوں کی طرف سے آیا تھا جن کا سلسلہ پچاسوں میل تک چلا گیا ہے" لیلیٰ نے کہا "وہ خط کوئی کبوتر لایا تھا۔

عمر نے اسی وقت اسحاق کو بلا کر وہ کابک منگائی جس میں ایک کبوتر رہ گیا تھا۔ پھر اس نے ایک پرچہ پر لکھا:۔

۔۔۔ میں نے بہت سوچ بچار کے بعد یہ فیصلہ کیا ہے کہ آپ کے ساتھ قلعہ الموت میں رہنا میرے لئے مناسب نہیں ہے لیکن جہاں تک ان باتوں کا تعلق ہے جن سے میں واقف

ہوگیا ہوں یا وہ حالات جو میں نے آپ کے یہاں دیکھے ہیں آپ اطمینان رکھیں میری زبان سے کبھی نہ نکلیں گے ۔ مجھے آپ کسی نقصان پہونچنے کا اندیشہ نہ کریں ۔

اس خط میں نہ تو مخاطب کا نام تھا اور نہ لکھنے والے کا نام اور دستخط اس پرچہ کو لپیٹ کر اس نلکی میں رکھ دیا جو اس کبوتر کے ساتھ ملی تھی اور پھر اس نلکی کو کبوتر کے پنجے میں باندھ دیا ۔ جب اس نے کبوتر کو اچھالا تو وہ کئی منٹ تک اوپر چکر کاٹتا رہا پھر شمال کی طرف روانہ ہوگیا ۔ وہ پہاڑوں کی طرف جہاں سے عمر فرار ہوکر آیا تھا۔

لیلیٰ اور اسحاق حیرت کے ساتھ منہ کھولے ہوئے کبوتر کو اسوقت تک دیکھتے رہے جبتک وہ نظروں سے اوجھل نہ ہوگیا۔

"کیا یہ جادوگروں کے پاس جائیگا ؟" لیلیٰ نے پوچھا۔

"کیا بیوقوفی کا سوال کرتی ہو" اسحاق نے ڈانٹ بتائی " یہ کوئی خاص عمل معلوم ہوتا ہے اور اسکا تعلق جنات سے معلوم ہوتا ہے ۔ ایسی باتوں سے ہمیشہ دور رہنا ہی بہتر ہے نا معلوم کب کون سی آفت آجائے ۔ وہ اپنے کانوں پر ہاتھ رکھتا ہوا گھوڑے پر دوبارہ سوار ہوگیا۔

۲۸

اٹھائیسواں باب

بختیار اور فقیر

اصفہان میں پہلی بار یلی آئی تھی اس کی مسرتوں کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ بڑی بڑی دو کانوں پر دیبا و حریر کے جگماتے ہوئے تھان ۔۔۔ جھل مل کرتے ہوئے جڑاؤ زیورات ۔ بیش قیمت شالیں ۔ زردوزی کے کام کے جوتے ۔ یہ تمام چیزیں ایسی تھیں جو ایک عورت ہونے کے ناطے اس کی دلچسپی کی تھیں اس نے سینکڑوں اشرفی کا سامان خرید ڈالا اسحاق کو یہ تلاش تھی کہ کوئی اچھا سا غلام مل جائے جو اس کی ماتحتی میں کام کر سکے کیونکہ اب وہ اپنی پوزیشن بھی کافی اونچی سمجھنے لگا تھا ۔ اعلیٰ حضرت خواجہ عمر خیام کی ڈیوڑھی پر پہرہ دینے کے بعد جو وقت بچتا وہ اپنے ساتھ کئی غلاموں کو لیکر بازاروں میں اس طرح گھومتا جیسے وہ بھی کوئی بڑا سوداگر ہو آج کل اس کے آقا پر سلطان ملک شاہ کی خاص نظر تھی اسی وجہ سے عمر کی ڈیوڑھی پر ہر وقت بڑے بڑے امیروں ۔ سرداروں اور سوداگروں کا تانتا بندھا رہتا یہ لوگ عمر کو سلام کرنے حاضر ہوتے ۔ ان کے گھوڑے اور غلام صبح کے وقت ڈیوڑھی کے سامنے آکھڑے ہوتے اور یہ سلسلہ متواتر عشاء کی نماز کے وقت تک رہتا اسحاق کی بھی خوب جیب گرم رہتی

جو شخص بھی عمر سے ملنے آتا دربان کو انعام دیکر ضرور جاتا ہے۔ بختیار تمام دن بازاروں میں گھومتا پھرتا رہتا کیونکہ ایک جگہ جم کر بیٹھنے سے زیادہ یہ اسکا محبوب مشغلہ تھا۔ آجکل اصفہان میں سازشوں کا بازار گرم تھا سڑکوں اور گلیوں میں لوگ کھسر پھسر کرتے رہتے اور بختیار کے کان ان باتوں پر لگے رہتے۔ بختیار کے نزدیک اسحاق کی آمدنی بالکل ناجائز تھی اور اسحاق کے خیال میں بختیار کا اس طرح گھومتا پھرنا بیوقوفی کا کام تھا۔ ان دونوں میں روزانہ جھڑپیں ہوتی رہتیں۔

عمر اگر چاہتا تو بڑے بڑے سرداروں اور امیروں کی حمایت حاصل کر سکتا تھا سوداگروں سے لاکھوں اشرفی کی رشوت حاصل کر سکتا تھا لیکن وہ ہر امیر و غریب سے بالکل ایک سا ملتا۔ ہر ایک کی بات غور سے سنتا اور جو بھی جواب مناسب ہوتا صاف گوئی سے دیدیتا اس نے صاف طور پر ہر ایک سے کہدیا تھا کہ وہ سلطان کے دربار کا ایک معمولی وزیر تک نہ تھا پھر اس کو لوگ کیوں گھیرے رہتے تھے لیکن ہر ملاقاتی جانتا تھا کہ وہ اس وقت ملک شاہ کی ناک کا بال بنا ہوا تھا بغیر اس کی صلاح اور مشورہ کے ملک شاہ نوالہ تک نہیں توڑتا تھا اور اسکا ثبوت یہ تھا کہ عمر کو ہر بات کا پورا اختیار حاصل تھا وہ ملک شاہ کی فوج کو کسی وقت بھی کوئی حکم دے سکتا تھا اس کے حکم کی تعمیل سے گریز ناممکن تھا

لیلیٰ زیادہ تر اپنے قصر کے بالاخانہ پر بیٹھنا پسند کرتی تھی وہاں بیٹھکر اس کو دور دور کے مناظر نظر آتے تھے۔ دوپہر کے بعد جب ملک شاہ

پولو دیکھنے آتا تو لیلی کو سب نظر آتا ملک شاہ کے ساتھ ہی اسکا آقا بھی بیٹھا ہوتا اگر اس موقعہ پر کوئی برقع پوش عورت عمر کو دیکھنے لگتی تو لیلی کو بہت غصہ آتا۔

عمر نے کئی بار ملک شاہ سے درخواست کی کہ اسے دربار کی حاضری سے معاف کر دیا جائے کیونکہ وہ اپنی زندگی کے بقیہ لمحات تحقیق و جستجوئے علمی میں گذارنا چاہتا تھا لیکن ملک شاہ ایک منٹ کے لئے بھی اسے اپنے سے علیٰحدہ کرنا نہیں چاہتا تھا سلطان کو اپنے منجم پر کافی اعتماد تھا اور جب بھی اس نے عمر کے مشورہ پر عمل کیا اسے کامیابی ہوئی۔

"اگر مجھے رصدگاہ جانے کی اجازت مل جائے تو میں عالی جاہ کی خدمت بہتر طور پر انجام دے سکوں گا" عمر نے ایک روز سلطان سے عرض کیا ملک شاہ اسے تعجب سے دیکھنے لگا "لیکن مجھے تمہاری ضرورت یہاں ہے" اس نے کہا۔ "مجھے ہر وقت تمہارے مشوروں کی ضرورت رہتی ہے"

"مجھے کرۂ ارض کے متعلق ایک خاص کام انجام دینا ہے" عمر نے کہا "اگر مجھے تحقیقات میں کامیابی ہو گئی تو وہ بھی قابل یادگار ہو گا۔"

"اوہ! کیا کوئی نیا سیارہ دریافت کیا ہے؟" سلطان نے مسکراتے ہوئے پوچھا اور اپنے سامنے رکھے ہوئے ایک خوان سے انگوروں کا ایک خوشہ عمر کو دیا۔ "میرا عہد حکومت بھی تمہاری صلاحیتوں سے قابل یادگار رہو گا"

"میں نے یہ معلوم کیا ہے کہ زمین گردش کرتی ہے" عمر نے جواب دیا "وہ اپنے محور پر خود بخود گھومتی رہتی ہے اب اسکا ثبوت فراہم کرنا ہے"

ایک لمحہ تک ملک شاہ اسے حیران نظروں سے دیکھتے رہے اور پھر اس نے سر کو جنبش دی "یہ قصہ کہانیوں کے بے بنیاد واقعات ہیں ان پر کون یقین کر سکتا ہے ــــ میں نے بھی ایک روز خواب میں دیکھا تھا کہ میں زمین سے کسی نامعلوم گہرائی تک گرتا چلا جا رہا تھا ــ زمین پھٹ گئی تھی اور میں اس خلاء سے گذر کر نیچے جا رہا تھا ــ میرے خیال سے تو یہ کوئی بدشگونی تھی ؟

"نہیں" عمر نے جواب دیا "ستارے آپ کے موافق ہیں آپ کو کسی قسم کا کوئی خطرہ لاحق نہیں ہے"

عمر کا دل چاہا کہ وہ ملک شاہ کو بتا دے کہ کس طرح برسہا برس سے اس نے اپنی تھیوری پر سوچ بچار کیا ہے کہ بجائے قائم رہنے کے زمین بھی دن و رات میں ایک بار پورا چکر لگاتی ہے وہ بھی دوسرے سیاروں کی طرح گردش کرتی ہے ــــ لیکن اس بات پر ملک شاہ یقین نہیں کر سکتا تھا اسلئے عمر خاموش رہا اور انگور کھانے کے بعد ان کی شیرینی کی تعریف کرنے لگا۔

"کئی روز ہوئے میں نے اپنے شکار کئے ہوئے جانوروں کے سر شمار کئے تھے" ملک شاہ نے کہا "صرف ایک شکار میں مارے ہوئے جانوروں کی تعداد نو ہزار تھی مجھے بہت دکھ ہوا کہ انسان اپنے شوق کی خاطر خدا کی اتنی مخلوق کو مارے اب میں نے طے کر لیا ہے کہ شکار کو بالکل ترک کر دونگا

اور ان نو ہزار سروں کے بدلے نو ہزار دینار محتاجوں کو دیدونگا"

"بسم اللہ کیجیئے ــــ"

سلطان سے رخصت ہو کر عمر قصر شاہی سے باہر آگیا وہ اس وقت بہت اداس نظر آرہا تھا جب وہ بازار میں پہونچا تو اس نے ایک تاریک گلی میں کئی آدمیوں کی کھسر پھسر کی آواز سنی۔

"یہی وہ خیمہ دوز ہے جس نے نئی جنتری بنائی ہے" کسی کی آواز آئی "یہ نجومی بھی ہے ــــ اور کافروں کا ساتھی ہے ــــ یہ نظم بھی لکھتا ہے لیکن اس کو ضائع کر دیتا ہے کہ کہیں ــــ"

دوسرے شخص کا جواب سننے سے پہلے وہ آگے بڑھ گیا۔ اس کے دروازہ پر ملاقاتیوں کا ہجوم تھا لیکن وہ ہر شخص کو ٹال کر اپنے حرم میں پہونچ گیا۔ لیلیٰ اس وقت بہت خوش معلوم ہو رہی تھی اس نے ایک رقاصہ کے مانند بل کھا کر اسے سلام کیا ــــ وہ آج بازار گئی تھی اور بہت سی مٹھائیاں۔ کپڑے اور زیورات خرید کر لائی تھی۔ اس نے انگیٹھی پر عنبر چھڑک دیا تھا جس کی خوشبو سے سارا کمرہ معطر ہو رہا تھا۔ وہ بے چینی کے ساتھ عمر کا انتظار کر رہی تھی اس کو دیکھتے ہی فرط مسرت سے ناچنے لگی۔

عمر نے کاغذ اور قلم دوات اٹھایا اور لکھنے کی چوکی پر آکر بیٹھ گیا وہ اسوقت فضول باتیں کرنے یا لیلیٰ کی ناز برداریاں کرنے کے موڈ میں نہیں تھا جب لیلیٰ نے اس کے ہاتھ میں قلم دیکھا تو وہ منھ بنا کر اسکے سامنے

آکھڑی ہوئی۔

"یہ کیا لکھ رہے ہو؟" اس نے مصنوعی غصہ کے ساتھ پوچھا "بس وہی شاعری ـــــ تمہیں ہر وقت یہی رہتا ہے۔

"کچھ نہیں" عمر نے لکھے ہوئے کاغذ کو موڑتے ہوئے کہا۔

لیلیٰ نے جھپٹ کر وہ پرچہ لے لیا۔ اس میں لکھا تھا :-

سلہ
احوال جہاں بر دلم آسان می کن ٭ وافعال بدم ز خلق پنہاں می کن
امروز خوشم بدار و فردا بامن ٭ آنچہ از کرم تو می سزد آں می کن

"یہ کام تو بیکار آدمیوں اور فقیروں کا ہے" لیلیٰ نے طنزیہ لہجہ میں کہا۔ "تم ایک پرندہ ہو کر بھی غور و فکر کر سکتے تھے لیکن انسان ہو کر پرندوں کی طرح اڑ نہیں سکتے ہو تم سے بہتر تو وہی پرندے ہیں جو دونوں کام کر سکتے ہیں"

عمر نے چاروں طرف دیکھا سارا کمرہ لیلیٰ کے سامان سے بھرا ہوا تھا ایک خوان میں تازہ کھجوریں رکھی ہوئی تھیں جن کو ابھی تک کسی نے ہاتھ تک نہ لگایا تھا ـــــ لیلیٰ عمر کا انتظار کر رہی تھی کہ جب وہ آجائے گا تو

سلہ اے خدا میرے دل کے لئے اس دنیا کے حالات کو آسان کر دے اور دنیا کے لوگوں کے سامنے میرے اعمال سیاہ پر پردہ ڈال دے آج دنیا میں مجھے خوش و خرم رکھ ـــــ رہا کل قیامت کے دن کا معاملہ تو وہاں تیری کریمی کے شایاں جو برتاؤ ہو میرے ساتھ کرنا

ساتھ بیٹھ کر کھائیں گے ۔۔۔ دونوں کو تازہ کھجوروں کا بہت شوق تھا

"آقا ۔۔۔" بختیار نے دروازہ پر آ کر آواز دی عمر نے اسے اندر ہی بلا لیا۔

"کوہستانی جادوگروں نے اصفہان تک ہمارا پیچھا کیا ہے" مسخرہ نے فکرمند لہجہ میں کہا "آجکل سڑکوں پر ہر جگہ یہی چرچا ہوتا رہتا ہے میں نے لوگوں کو کھسر پھسر کرتے ہوئے سنا ہے ۔۔۔ شہر میں عجیب عجیب قسم کے واقعات روزانہ ہوتے رہتے ہیں ۔۔۔ ایک آدمی جو مر چکا تھا اب زندہ ہو کر بہشت کے واقعات سناتا ہے وہ کہتا ہے کہ خدا نے اسی کام کے لئے اسے دنیا میں واپس بھیجا ہے"

"کیا وہ بہشت میں جا چکا ہے" عمر نے پوچھا۔

بختیار نے سر کو جنبش دی "میں نے کئی لوگوں کی زبان سے یہ واقعہ سنا ہے" اس نے کہا "وہ شخص حوروں اور غلمان کی صورتوں شراب طہور کی نہروں اور بہشت کی دوسری دلچسپیوں کے حالات تفصیل سے بتاتا ہے بختیار نے گہری سانس لی اسکا جوڑ جوڑ حیرت کی وجہ سے اکڑا ہوا سا معلوم ہو رہا تھا ایک عجیب تمنا اور خواہش کا جذبہ اس پر طاری تھا ۔۔۔ وہ یہ سمجھ رہا تھا جیسے موت کا فرشتہ اس کے سر پر کھڑا ہے اور وہ مرنے کے بعد زریں لباس پہنے ہوئے بہشت میں داخل ہو رہا ہے۔

"یہ کون شخص ہے جو وہاں کے حالات سناتا ہے؟" عمر نے پوچھا

"جب میں جامع مسجد کے قریب کھڑا تھا تو ایک درویش نے مجھے

بنایا تھا۔ بختیار نے کہا "اس نے کہا تھا کہ وہ اس وقت وہاں موجود تھا جب مر کر دوبارہ آنے والا شخص بہشت کے حالات سنا رہا تھا اس درویش نے یہ بھی بتایا کہ اگلے جمعہ کو نماز کے بعد ابن آتش کے مکان پر وہ شخص پھر بیان کریگا ۔۔۔ ابن آتش کا مکان جامع مسجد کے عقب میں ہے ۔۔۔ انشاء اللہ میں اس واقعہ کی تصدیق کرونگا۔"

عمر نے ساری بات سن کر زبان سے تو کچھ نہ کہا لیکن بہت دیر تک غور کرتا رہا وہ سمجھ گیا تھا کہ یہ سب پاکھنڈ باطنیوں کا پھیلایا ہوا ہے اور ان لوگوں نے اب اصفہان پر دھاوا بول دیا ہے۔

بختیار کو بس ایک ہی دھن سوار تھی اور وہ یہ کہ کسی اس شخص کو دیکھے جو مر کر دوبارہ زندہ ہوا ہے اور بہشت کے حالات سناتا ہے۔ عصر کی نماز پڑھتے ہی وہ جامع مسجد کے عقب والی گلی کی طرف مڑ گیا راستہ میں اسکو وہ شخص مل گیا جس کو دیکھتے ہی اس کی روح قبض ہوگئی وہ تکش تھا جو گھوڑے پر سوار اس گلی کے نکڑ پر کھڑا تھا۔

بختیار نے بہت چاہا کہ اسکی نظر نہ پڑے لیکن وہ بھی ایک ہی کائیاں تھا اس نے مسخرہ کو دیکھتے ہی وہیں سے آواز دی.

"کہو بختیار ۔۔۔ کہاں گھوم رہے ہو؟" اس نے پوچھا۔

"نماز پڑھنے کے بعد اپنے گھر جارہا تھا میں نے سوچا کہ اس گلی سے نکل جاؤں"، بختیار نے کہا "لیکن آپ یہاں کیسے کھڑے ہیں خیریت تو ہے؟" بختیار نے دیکھا کہ اسوقت تکش بہت پریشان معلوم ہورہا تھا

اسکو تعجب ہوا کہ نیشاپور کا کوتوال ایک معمولی گلی میں یکہ و تنہا کھڑا تھا۔

"خیریت کہاں ہے" تکش نے جواب دیا "اسی گلی سے پانچ آدمی غائب ہو چکے ہیں ـــــ یہ لوگ معمولی حیثیت کے نہیں تھے بلکہ ان میں مالدار سوداگر اور اصفہان کے بڑے بڑے امراء بھی شامل تھے ـــــ مسجد سے نماز پڑھ کر وہ اسی راستے سے واپس ہو رہے تھے لیکن اپنے گھروں کو واپس نہ پہونچ سکے ـــــ اور سب سے زیادہ حیرت کی بات یہ ہے کہ ان کے ملازمین سے پوچھ تاچھ کرنے پر معلوم ہوا کہ ہر ایک کے سرہانے سے صبح کو تازہ روٹیوں کا ایک ایک بنڈل رکھا ملا اور دوسرے روز وہ غائب ہو گئے۔

"روٹیاں!" بختیار نے حیران ہو کر دہرایا۔

"ہاں ـــــ یہی تو تعجب ہے کہ ان لوگوں کے سرہانے روٹیوں کا کیا کام ـــــ یہ روٹیاں اتنی تازہ اور گرم ہوتی تھیں جیسے اسی وقت تنور سے نکل کر آئی ہوں"

بختیار اس وقت بہت خوش تھا کہ کوتوال نے اس سے اتنی دیر تک انتظامی معاملات میں گفتگو کی اس کے نزدیک صرف اتنی بھی بہت عزت افزائی کی بات تھی "ممکن ہے کہ ایسے لوگوں نے یہ اغوا کیا ہو جن کو روپیے کی ضرورت ہو ـــــ بختیار نے اپنی رائے ظاہر کی "اور روپیہ لینے کے بعد انکو چھوڑ دیں"

تکش نے سر کو جنبش دی "لوگ تم کو بیوقوف سمجھتے ہیں لیکن

میرے نزدیک سب سے بڑا عقلمند وہی ہے جس میں اس شئے لطیف کی کمی ہو ـــــ یہ اغوا روپیہ کی وجہ سے نہیں ہوا ہے اور نہ اب تک ان پانچوں کے گھر والوں سے کوئی روپیہ طلب کیا گیا ہے ـــــ حالانکہ ان کے کئی رشتہ دار تو لاکھوں دینے کو تیار ہیں ـــــ بہرحال ہر طرح مصیبت میری ہی ہے ـــــ ادھر سلطان کا عتاب اور دوسری طرف غائب ہونے والے کے رشتہ داروں کی آہ و زاری ـــــ اسی فکر میں اس وقت میں یہاں کھڑا تھا آج دو روز ہو گئے ہیں کمر سیدھی کرنے کا موقعہ نہیں ملا ہے"

"خدا کرے آپ کامیاب ہوں" بختیار نے کہا اور تکش کو سلام کر کے وہاں سے روانہ ہو گیا وہ تکش کی موجودگی میں اس گلی میں جانا نہیں چاہتا تھا اور اس درویش سے ملنا بھی ضروری تھا جس نے اس شخص کو دیکھا تھا جو جنت کے حالات بتاتا تھا وہ دوبارہ مسجد میں جا کر بیٹھ گیا تاکہ تکش ادھر ادھر ہو جائے تو وہ پھر وہاں پہونچ جائے۔

اس کو انتظار میں بیٹھے ہوئے کافی دیر ہو گئی اب عشاء کی نماز بھی ختم ہو چکی تھی اور نمازی لوگ مسجد سے نکل کر اپنے گھروں کو جا رہے تھے جب اس نے تکش کو جاتے ہوئے دیکھ کر اطمینان کر لیا تو وہ بھی اپنی جگہ سے اٹھا اسوقت مسجد میں صرف دو آدمی رہ گئے تھے جو صحن مسجد میں بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے اور ایک اندھا فقیر اپنی لکڑی کو کھٹ کھٹ کرتا ہوا مسجد کے دروازہ کے قریب سے نکل رہا تھا۔ بختیار کے قدموں کی آواز سن کر وہ فقیر اس کی طرف مڑ گیا۔

"بابا کیا اندھے کی مدد کرو گے ـــــ میرے گھر تک پہونچا دو ثواب ہو گا"

"اچھا بابا ـــــ" بختیار نے کہا۔ تمہارا مکان کہاں ہے؟"

"اس مسجد کے پیچھے ہے" اندھے نے کوزہ پشت کا بازو پکڑتے ہوئے کہا اور پہلے سے تیز رفتار کے ساتھ روانہ ہو گیا۔

"بائیں طرف کا تیسرا دروازہ ہے ـــــ کنویں کے برابر ـــــ ایک اندھے کیلئے تو یہ بھی بہت ہے بابا ورنہ مکان تو اتنا قریب ہے کہ ایک پتھر پھینک دو تو وہاں پہونچ جائیگا۔"

"بائیں طرف کا تیسرا مکان!" بختیار نے دلچسپی کے ساتھ دہرایا "وہ تو شاید ابن آتش کا مکان ہے؟"

اندھا اچھل کر اسکی طرف گھوم گیا اور اس طرح اس کو دیکھنے لگا جیسے وہ بنا ہوا اندھا تھا۔ "تمہیں کیسے معلوم ہوا بابا کہ وہ ابن آتش کا مکان ہے" اس نے پوچھا۔

"میں انکی تلاش میں کئی روز سے ہوں" بختیار نے جواب دیا۔

"اوہ ـــــ کیا کوئی شخص اس کی تلاش میں بھی ہو سکتا ہے؟" اندھے کی لکڑی برابر کھٹ کھٹ کر رہی تھی اب وہ دونوں اس کی گلی میں داخل ہو چکے تھے۔ بختیار نے کنویں کے برابر والا تیسرا دروازہ اندھیرے میں تلاش کر لیا اس کو یقین تھا کہ جب اندھا ابن آتش کے مکان کا راز جانتا تھا تو ابن آتش اور اس پراسرار شخص کے بارے میں بھی ضرور کچھ جانتا ہو گا۔

"ٹھیک ہے بابا ___ یہی دروازہ ہے" اندھے نے لکڑی سے دروازہ کو کھولتے ہوئے کہا "آجاؤ بابا ___ اندر آجاؤ۔ تم کو ابن آتش سے ملاقات کرادوں"

اپنا بوجھ بختیار کے بازوؤں پر ڈال کر وہ دروازہ کے اندر پہنچ گیا اندر پہنچتے ہی بجلی کی طرح اچھلا اور بختیار کو دبوچ لیا ___ اس کے دونوں ہاتھوں نے بختیار کا گلا مضبوطی سے پکڑ لیا تھا جانکنی کی تکلیف سے کئی بار بوڑھا پھڑپھڑایا اور منہ سے بغیر کوئی آواز نکالے ہوئے تاریکی میں ڈھیر ہوگیا۔

۲۹

انتیسواں باب

تنبیہ

لیلیٰ ایک دم چونک کر اٹھ بیٹھی۔ اس کی زبردست قوت احساس نے اسے کسی نامعلوم اور قریبی خطرہ سے ہوشیار کر دیا تھا۔ اس وقت آدھی سے زیادہ رات گذر چکی تھی وہ اس وقت چھت پر سو رہی تھی آہستہ سے اٹھ کر زینہ پر آگئی اور نیچے کی سن گن لینے لگی جہاں عمر سو رہا تھا زینہ کے برابر ہی نچلے حصہ میں عمر کا کمرہ تھا وہ آہستہ آہستہ سیڑھیوں سے اترتی ہوئی آخری سیڑھی پر کھڑی ہو گئی اور سانس روکے ہوئے عمر کے کمرہ میں کسی کے پاؤں کی چاپ محسوس کرنے لگی۔ کمرہ کے اندر سے کاغذات کو الٹ پلٹ کرنے کی آواز آ رہی تھی لیلیٰ نے بغیر سوچے سمجھے فوراً چیخ ماری اور زینہ سے تیزی کے ساتھ اترنے لگی اس نے عمر کا کمرہ کھلتے ہوئے دیکھا اس میں سے ایک سیاہ پوش نکل کر تیزی کے ساتھ صحن کی طرف بھاگا۔ فوراً ہی عمر بھی کمرہ سے نکلا اور اسکو پکڑنے کے لئے اس کے پیچھے دوڑنے لگا اسوقت تک وہ شخص صحن کی تاریکی میں غائب ہو چکا تھا۔

نیند سے اونگھتے ہوئے ملازم لاٹھیاں لیکر دوڑ پڑے ان کے ہاتھوں میں لالٹینیں تھیں سارا صحن اور چمن کا چپہ چپہ چھان ڈالا لیکن وہ شخص

نہ ملا نا معلوم کس طرف غائب ہو گیا۔

عمر کے پیچھے پیچھے لیلیٰ بھی اس کے کمرہ میں آ گئی جب کمرہ میں روشنی کر دی گئی تو سب سے پہلے لیلیٰ نے ان کو دیکھا — یہ دو چیزیں تھیں جو عمر کے سرہانے رکھی ہوئی تھیں — ایک خنجر اور دس بارہ روٹیاں ! یہ روٹیاں اتنی گرم تھیں جیسے ابھی تنور سے نکل کر آئی ہوں۔ عمر جب سونے لیٹا تھا تو ان دونوں چیزوں میں سے اس کے سرہانے کوئی چیز بھی نہیں تھی — یہ اجنبی صرف یہی دو چیزیں رکھنے آیا تھا — یہ خنجر اس نے احتیاط کے ساتھ عمر کے تکیہ کے نیچے رکھا تھا۔

خنجر کا پھل خمدار اور بہترین فولاد کا تھا عمر اس قسم کے خنجر پہلے بھی الموت میں فدائیوں کے پاس دیکھ چکا تھا اس خنجر کو اس نے ہاتھ میں اٹھا لیا اور سوچنے لگا۔

"لیکن ان چیزوں کا مطلب کیا ہوا" لیلیٰ نے تشویش کن لہجہ میں پوچھا "اور یہ روٹیاں !"

"مارنے والے سے پالنے والا زبردست ہے" اسحاق بولا "بہت زبردست خطرہ تھا جس سے خدا نے بچا لیا"

"بیشک" لیلیٰ نے اسحاق کو خونخوار نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا "اگر تمہارے پہرہ پر ہی دارومدار ہوتا تو اب تک ہم لوگ قبروں میں پہونچ چکے ہوتے — جب ملاقات کرنے والے چاندی سونا لے کر آتے ہیں اسوقت تمہیں نیند نہیں آتی لیکن جب رات کی تاریکی میں

چور آتے ہیں ـــــ اسوقت تم سوتے ہو۔"

"ارے یہ کیا!" اسحاق نے فرش پر ایک کاغذ پڑا ہوا دیکھا۔ یہ کاغذ کہاں سے آیا اس پر تو کچھ لکھا ہوا بھی ہے" اس نے وہ کاغذ اٹھا کر عمر کے ہاتھ میں دیدیا ـــــ عمر نے لالٹین کی روشنی میں دیکھا اس پر صرف ایک جملہ لکھا تھا۔ ـــــ "اپنے دانتوں کے اندر زبان رکھو ـــــ اسپر نہ تو کسی کا نام لکھا تھا اور نہ دستخط۔

"دانتوں کو زبان میں رکھو" اسحاق نے ٹھوڑی کھجلاتے ہوئے دہرایا اور پھر اس طرح سر کو جنبش دی وہ اسکا مطلب سمجھ گیا ہو، "کتنی صحیح بات لکھی ہے ـــــ اس میں شبہ نہیں کہ یہ جملہ لیلیٰ کیلئے لکھا گیا ہے ـــــ اس کے ساتھ ہی ثبوت بھی موجود ہیں ـــــ لیلیٰ کی زبان بھی اس خنجر کی نوک کی طرح تیز ہے ـــــ اس کے لئے بہتر یہی ہے کہ خاموش رہ کر گھر میں روٹیاں پکایا کرے۔ واہ واہ ـــــ"

لیکن عمر کو معلوم تھا کہ اس جملہ کا مطلب کیا تھا اسے یقین تھا کہ یہ الموت سے آیا تھا یہ کاغذ وہی ہے جو حسن استعمال کرتا تھا اور نامہ بر کبوتروں کے پاؤں میں باندھا جاتا تھا اسے تعجب تھا کہ آخر حسن نے یہ خنجر اور روٹیاں اس کو کیوں بھیجیں!

تھوڑی ہی دیر کے بعد دن نکل آیا ـــــ عمر کئی گھنٹہ سے اسی پرچہ پر غور کر رہا تھا اور اسی فکر میں آج اسکی فجر کی نماز بھی قضا ہو گئی۔ جب ایک سپاہی نے اسے سلام کیا تو اس کے خیالات کا سلسلہ ٹوٹا ـــــ

یرتحش کے سپاہیوں میں سے ایک تھا۔

"کیوں — کیا بات ہے؟" عمر نے خشک لہجہ میں پوچھا۔

"اسکی قبر کہاں بنے گی عالی جاہ؟" سپاہی بولا۔

"کس کی؟" عمر نے بے چینی سے کہا۔

"رات بھر کا گشت کرنے کے بعد ہم لوگ اپنے مکان کو جا رہے تھے ہمیں ایک نالی میں آپ کے یہاں کے ایک ملازم کی لاش ملی — اسکو ہم اپنے ساتھ لے آئے ہیں"

عمر فوراً ہی اپنے کمرہ سے نکل آیا۔ صحن میں ایک ڈولی رکھی تھی جسکے چاروں طرف بہت سے سپاہی اور کہار کھڑے تھے جو اس ڈولی کو اٹھا کر لائے تھے اس ڈولی پر ایک سفید چادر پڑی ہوئی تھی عمر نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے چادر علٰحدہ کی۔ لاش پر نظر پڑتے ہی اسکا سر چکرانے لگا۔

یہ بختیار کی لاش تھی اس کا چہرہ بالکل سیاہ پڑ گیا تھا اور داڑھی میں خون جم کر خشک ہو گیا تھا۔ اس کے نرخرے پر ایک بڑا سا سوراخ تھا اور اس سوراخ میں سے بختیار کی زبان کسی نے اس طرح کھینچ لی تھی کہ جڑ سے اکھڑی ہوئی معلوم ہو رہی تھی

"میں نے اپنی زندگی میں ایسی بھیانک لاش نہیں دیکھی" ایک سپاہی نے کہا۔ "نامعلوم یہ بیچارا بوڑھا کس آفت میں پھنس گیا"

عمر نے چادر کو دوبارہ ڈال کر ٹھنڈی سانس لی "تم کوتوال کو میرے پاس بھیج دینا" اس نے کہا "ابھی جا کر ان سے کہہ دینا مجھے ضروری

کام ہے۔

تکش بھی فوراً آ گیا جب سے عمر نے اس کی مرمت کر دی تھی وہ اس کے سامنے آتا ہوا تھراتا تھا عمر نے اس کا ہاتھ پکڑا اور ایک کونے میں لے گیا جہاں مکمل تنہائی تھی۔

"یہ کس کا کام ہو سکتا ہے" عمر نے کہا "اس غریب کا تو کوئی دشمن بھی نہیں تھا۔۔۔ وہ تو ایک معصوم بچہ کی طرح بالکل بے ضرر تھا"

"اگر عالی جاہ کی اجازت ہو تو عرض کروں" تکش نے ہاتھ باندھ کر کہا "شہید کربلا کی قسم میں نے اس بوڑھے سے کل شام ہی جامع مسجد کے پاس بات چیت کی تھی۔۔۔ میں نے اسے منع بھی کیا تھا کہ اس طرح نہ گھوما پھرا کرے۔۔۔ بلکہ میں نے ایک محفوظ جگہ تک پہنچا بھی دیا تھا۔۔۔ اگر میں جھوٹ بولوں تو مجھ پر خدا کی مار ہو۔۔۔ تکش اس وقت کانپ رہا تھا کیونکہ وہ عمر کے غصہ سے واقف تھا۔

"اب اس کی لاش تم کو کہاں ملی؟" عمر نے پوچھا

"مسجد سے تھوڑے ہی فاصلہ پر سڑک کے کنارے میرے آدمیوں کو لاش ملی تھی۔۔۔ قتل اس جگہ نہیں ہوا تھا کیونکہ زمین پر خون کا نشان تک نہ تھا۔۔۔

"آج ہی حسن نے مجھے تنبیہ کی تھی کہ میں اپنی زبان کو دانتوں کے درمیان رکھوں اور اسی رات کو بختیار کی زبان جڑ سے کھینچ لی گئی اسکی وجہ بھی ظاہر ہے" عمر نے سوچا "حسن کے آدمیوں کو شبہ ہو گیا ہو گا کہ

بختیار انکی کھوج میں تھا ۔۔۔ دو تین روز سے وہ غریب اسی چکر میں تھا کہ کسی طرح اس شخص کو دیکھ لے جو مر کر زندہ ہوا تھا ۔۔۔ اور اس نے یہ حالات ابن آتش کے یہاں سنائے تھے اور باقی اگلے جمعہ کو سنانے والا تھا۔ عمر اپنی یادداشت پر زور دیکر ان باتوں کو یاد کرنے لگا جو اس سے گذشتہ روز بختیار نے کہی تھیں ۔ وہ مکان شاید جامع مسجد کے قریب ہی کہیں تھا۔۔ مسجد کے عقب والی گلی میں ۔۔۔ اوہ تو یہ بات تھی!"

"کیا تم ابن آتش کو جانتے ہو جسکا مکان مسجد کے پیچھے گلی میں ہے؟" عمر نے تکش سے پوچھا۔

"نہیں ۔۔۔ یہ نام تو میں نے آج ہی سنا ہے"

عمر کا ارادہ ہوا کہ وہاں جا کر اس مکان کا معائنہ کرے لیکن پھر فوراً ہی رک گیا اس نے سوچا کہ اگر اس مکان کے لوگوں نے ہی قتل کیا تھا تو اس طرح وہاں جانا تو بیکار ہی تھا کیونکہ قاتل تو اسوقت درویشوں کی صورت بنائے کسی مسجد میں بیٹھے اللہ اللہ کر رہے ہونگے۔

"ہاں ایک بات اور سن لو" عمر نے کہا "گذشتہ رات میرے یہاں کوئی چور گھس آیا تھا میرے سرہانے وہ ایک پرچہ بھی چھوڑ گیا تھا جسمیں لکھا تھا کہ اپنی زبان دانتوں کے بیچ میں رکھو"

تکش کا منہ حیرت کی وجہ سے کھلا رہ گیا کیونکہ اسی وقت اس کو بختیار کی زبان یاد آگئی تھی۔

"اس کے علاوہ دس بارہ[12] گرم روٹیاں اور ایک خنجر بھی سرہانے ملا

"روٹیاں!" کوتوال نے حیرت سے دہرایا۔

"ہاں ۔۔۔ گرما گرم تنوری روٹیاں"

"میرے خدا! اور خنجر!"

ایک لمحہ تک تکش کسی گہرے خیال میں غرق رہا۔

"کئی روز ہوئے یہاں کے پانچ بڑے بڑے آدمیوں کے سرہانے سے بھی یہی روٹیاں برآمد ہوئی تھیں اور وہ لوگ دوسرے روز ہی غائب کر دیے گئے" تکش نے مردہ لہجہ میں کہا۔

"میرے خیال سے تو بختیار کو مارنے کے بعد میرے سرہانے روٹیاں رکھی گئی تھیں" عمر نے کہا

"تو کیا آپ کے خیال سے یہ ایک ہی شخص یا گروہ کا کام ہے؟"

"بالکل ۔۔۔ اور یہ کارنامہ فدائیوں کا ہے"

ان الفاظ نے تکش پر جادو کا سا اثر کیا اسکا منہ کئی بار کھلا بند ہوا وہ اس وقت بہت الجھن میں معلوم ہو رہا تھا "کس کا کارنامہ؟ اس نے آنکھیں پھاڑ کر پوچھا "آپ نے کیا فرمایا تھا؟"

"فدائی ۔۔۔ بھنگ پینے والے لوگ ۔۔۔ الموت کے بادشاہ حسن بن صباح کے خادم ۔۔۔ جو سبعیوں کے نام سے پکارے جاتے ہیں

تکش کی آنکھوں سے اس وقت خوف و ہراس جھلک رہا تھا "انکا نام نہ لیجئے عالی جاہ"

"اسکا تو مطلب یہ ہوا کہ تم ان لوگوں سے واقف ہو" عمر نے کہا

"سو فیصدی یہ انکا ہی کام ہے"

"میں نے تو صرف چند افسانے سنے ہیں" تکش نے کہا "اس کے علاوہ مجھے سبعیوں کے متعلق کچھ نہیں معلوم ــــ لوگ اس نام سے ڈرتے ہیں جو ابھی عالی جاہ نے فرمایا تھا ــــ اور میں نے سنا ہے کہ اپنی زبان سے یہ نام نکالنا انتہائی خطرناک ہے کوئی نہ کوئی آفت فوراً ہی آجاتی ہے"

"سبعیوں کے متعلق اور کیا جانتے ہو؟"

یہ آسان کام نہیں تھا کہ تکش کو جو معلوم تھا وہ اپنی زبان سے ادا کر دیتا اس کے دل پر ان لوگوں کا خوف اس قدر بیٹھا ہوا تھا کہ ان کا نام سنتے ہی کانپنے لگتا تھا۔ اس نے رک رک کر چند الفاظ اپنی زبان سے کہے لیکن چاروں طرف دیواروں کو اس طرح دیکھتا رہا جیسے اس میں سانپ پوشیدہ ہوں۔

"اعلیٰ حضرت نظام الملک نے ان کی تلاش کے احکامات جاری کئے تھے کیونکہ ان کے خیال سے یہ لوگ ملحد ہیں ــــ میں نے ان کے حکم کی تعمیل کی آخر میں ملازم تھا اور وہ آقا ــــ" آخری جملہ تکش نے ذرا بلند آواز سے کہا "ہم نے یہ معلوم کر لیا کہ فدائیوں میں وہ لوگ شامل ہو جاتے تھے جو سلطنت کے باغی یا مجرم تھے ــــ شیخ الجبل نے مختلف طریقوں سے دولت اکٹھی کی۔ بڑے بڑے سوداگروں کو لمبی رقمیں دینے پر مجبور کیا ــــ یہ فدائی لوگ سوتے ہوئے آدمیوں کے سرہانے خنجر رکھ دیتے ہیں اور یہ اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ انکو شیخ الجبل میں ایک بڑی رقم

ادا کرنا چاہئے ــــ دوسرے روز ایک فقیر آکر صاحب خانہ کے ہاتھ سے خیرات لینے پر اصرار کرتا ہے بجائے خیرات کے صاحب خانہ کا فرض ہوتا ہے کہ وہ فقیر کو اشرفیوں کے توڑے دیدے ــــ اگر اس حکم کی تعمیل ہو جاتی ہے تو گھر کے سارے افراد اپنے کو خطرات سے محفوظ سمجھتے ہیں اور دوسری صورت میں اسی قسم کے خنجر سے ان کو قتل کر دیا جاتا ہے ابھی تک یہ نہیں معلوم ہو سکا ہے کہ یہ شیخ الجبل کا ہی کام ہے یا ان کے نام کی آڑ لیکر دوسرے لوگوں کا ــــ ہم نے ان فقیروں کا تعاقب کرنے کی بھی کوشش کی لیکن کامیابی نہ ہوئی ــــ ہم نے کئی بار خود شیخ الجبل کا پیچھا کیا وہ انتہائی نڈر اور بہادر انسان ہیں قصر وزارت میں دراز گھسکر انھوں نے وزیر اعظم سے ملاقات کی ــــ ہم نے جب بھی انکی قیامگاہ کی تلاشی لی وہ اس طرح غائب ہو جاتے ہیں جیسے ریگستان میں سوئی ــــ ہم لوگوں نے آج تک انکی صورت تک نہیں دیکھی ہے"

تکش ایک لمحہ کیلئے سانس لینے کے لئے رکا " ابھی حال ہی میں اصفہان کے کچھ امیر اور تاجر غائب ہو چکے ہیں ان کے سرہانے سے اسی قسم کی روٹیاں برآمد ہوئی تھیں ــــ ہو سکتا ہے کہ بختیار کی طرح ان کی لاشیں بھی کہیں پڑی مل جائیں ــــ میں ٹھیک طور سے نہیں کہہ سکتا لیکن مجھے شبہ ہے کہ شہر کے اندر فدائیوں کا کوئی اڈا ضرور ہے"

" لیکن میرے سرہانے سے تو روٹیاں اور خنجر دونوں ہی چیزیں برآمد ہوئی تھیں"

"ممکن ہے کہ آج ہی کوئی فقیر آپ کے دروازہ پر آ کر سوال کرے۔"
تکش نے کہا۔ "میرے خیال سے بہتر یہی ہے کہ اس کو کچھ دیدیا جائے کیونکہ یہ لوگ انتہائی خونخوار ہوتے ہیں۔"

"خیر مجھ سے تو یہ رقم کا مطالبہ نہیں کریں گے" عمر نے کہا۔ "بختیار کی موت کا خون بہا خود انکو ہی ادا کرنا پڑیگا۔"

تکش نے گہری سانس لی "میرے خیال سے تو ان کے غصہ کی آگ پر پانی ڈالنا ہی مناسب ہے ویسے جو آپ بہتر سمجھیں عالی جاہ ـــــ میں نے تو یہی دیکھا ہے کہ بڑے بڑے مولوی صبیعوں کے خلاف عوام میں تقریریں کرتے ہیں لیکن دوسرے ہی دن وہ خاموش ہو جاتے ہیں اور جو ایسا نہیں کرتے وہ موت کے گھاٹ اتار دیے جاتے ہیں۔ انکا کھوج لگانا بھی تو مشکل ہے یہ بڑے جنگل میں چھپے ہوئے سانپوں کو کون ڈھونڈ سکتا ہے۔

یہ لوگ ساربانوں ـــــ سوداگروں ـــــ درویشوں ـــــ فقیروں اور بنجاروں کے بھیس میں ہوتے ہیں ـــــ عالی جاہ یہ مجھے یقین ہے کہ آپ کے ملازموں میں بھی کم از کم ایک فدائی ضرور ہے ـــــ چاہے وہ کوئی بھی ہو"

عمر نے مردان کو تو پہلے ہی نکالدیا تھا اب اس کو وہ خواجہ سرا زنبل آغا بھی یاد آگیا جو اس کے دفتر کو چک پر بار بار منڈلاتا تھا اور اس کے ملازموں سے گھل مل کر باتیں کرتا تھا ـــــ عمر کو اب خیال آیا کہ اس کے سرہانے سے جو روٹیاں اور خنجر برآمد ہوا تھا وہ اس کے ملازموں میں سے ہی کسی کی حرکت نہ ہو۔

"ان لوگوں نے رے اور کاتیون کے سارے کوہستانی علاقہ پر قبضہ کر رکھا ہے۔ ان کے جاسوس دنیا کے تمام ممالک میں پھیلے ہوئے ہیں۔"

"اصفہان میں تمہارا شبہ کس مقام پر ہے" عمر نے پوچھا۔

"کوہ وزان کی چوٹی پر جو قدیم مندر آتش پرستوں کا ہے اسکے ارد گرد یہ لوگ دیکھے گئے ہیں اگر اصفہان کے پانچوں آدمیوں کے اغوا کار راز کھل جائے تو بہت سی باتیں معلوم ہو سکتی ہیں ۔۔۔ عالی جاہ اب آپ کو بھی ہوشیار ہو جانے کی ضرورت ہے ان کوہستانی لٹیروں کو چھیڑنا سانپ کے منہ میں انگلی ڈالنے کے برابر ہے ضرورت کے وقت یہ لوگ شعبدہ بازی اور جادوگروں سے بھی کام لیتے ہیں"

"کیا تم ان کی تلاش کرو گے؟" عمر نے پوچھا۔

"نہیں ۔۔۔ اب خواجہ نظام الملک وزیر اعظم کب ہیں اگر وہ ہوتے تو ابتک انکی سرکوبی ہو چکی ہوتی ۔۔۔ اب تو یہ خود ہی کبھی نہ کبھی ظاہر ہو جائیں گے"

"اچھا اب اجازت مرحمت فرمایئے" تکش نے اٹھتے ہوئے کہا "میری زندگی کو خطرہ میں ڈالنے کے لئے صرف اتنے حالات کافی ہیں جو ابھی میں نے آپ سے عرض کئے ہیں۔

۳۰

تیسواں باب

ابن آتش کا مکان

اگلے جمعہ کا دن تھا جب آفتاب غروب ہو کر ستاروں میں پوری روشنی ہو گئی تو عمر اپنے مکان سے نکلا وہ اپنے مکان کے پچھلے دروازہ سے نکلا تھا اور اس کے ملازمین میں صرف لیلیٰ کو اس کی خبر تھی اس نے اپنے چہرہ کو اس طرح بدل لیا تھا کہ خود لیلیٰ بھی اس کو پہچان نہ سکی۔ جب جامع مسجد کے سامنے وہ پہونچا تو وہ صحرا میں پیدا ہونے والے بدوؤں کی طرح جھوم جھوم کر چل رہا تھا۔ ایک خراسانی عبا اس کے جسم پر تھی اور ایک اونی شال اس کے گلے میں پڑا تھا۔۔۔ اس کی کمر سے ایک چھوٹی سی تلوار لٹکی ہوئی تھی۔ اس کے سر کے رومال نے اسکا چہرہ بڑی حد تک چھپا لیا تھا اور اسکا لب و لہجہ قبائلی بدوؤں سے ملتا جلتا تھا۔

عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر وہ نمازیوں کے ساتھ مسجد سے باہر نکلا اور مسجد کی پچھلی دائی گلی کی طرف مڑ گیا۔ بہت سے لوگ اس سے آگے جا رہے تھے اور آگے بڑھ کر وہ گلی کے ایک مکان میں داخل ہو گئے جو بائیں طرف کنویں کے پاس تھا۔

ایک شخص مکان کے دروازہ پر بیٹھا ہوا تھا اس نے اپنا منہ اس طرح اوپر اٹھا رکھا تھا جیسے وہ اندھا ہو ـــ ایک لکڑی اس کے ہاتھ میں تھی ـــ اس کے قریب پہنچکر عمر رک گیا۔

"مجھے ابن اَتش کے یہاں جانا ہے" عمر نے لہجہ بدل کر کہا۔

"اور ریگستان کے بادشاہ وہ یہی مکان ہے" اندھے نے کہا "تم کو ابن اَتش سے کیا کام ہے"

"مجھے اس شخص کی گفتگو سننا ہے جو بہشت کا حال سناتا ہے"

اندھے نے اپنے کولھوں کو جنبش دی "اوہ ـــ بہشت کا حال"

اس نے جب کچھ نہ کہا تو عمر خدا کا نام لیکر اسی مکان کے تاریک دروازہ میں داخل ہوگیا مکان کے اندر سے لوگوں کے باتوں کی آوازیں آرہی تھیں لیکن اسے کچھ نہ نظر آیا اس نے ہاتھ پھیلا کر دیکھا ایک بھاری پردہ دروازہ پر پڑا ہوا تھا دفعتہً کسی نے اسکے منہ کے سامنے شمع کردی اور ایک دبلا پتلا درویش اس کے چہرہ کو غور سے دیکھنے لگا بظاہر یہ آزمائش کامیاب رہی کیونکہ اس درویش نے پردہ ہٹا کر عمر کو اندر سے آنے کا اشارہ کیا۔ اب اس نے ایک بڑے سے کمرہ میں قدم رکھا جس میں بہت سے آدمی فرش پر بیٹھے ہوئے تھے ہر آدمی کا منہ اس بھاری کمبل کی طرف تھا جو سامنے والی دیوار پر لٹکا ہوا تھا

اس کمبل کے سامنے ایک مجذوب نما درویش کھڑا ہوا اپنے ہاتھوں کو اس طرح گردش کررہا تھا جیسے پٹے بازی کررہا ہو کبھی کبھی

وہ سینہ کوبی بھی کرنے لگتا ــــ وہ مجذوب اپنی زبان سے برابر بڑبڑا رہا تھا ــــ لیکن یہ الفاظ اس قسم کے تھے جو سمجھ میں نہیں آرہے تھے عمر نے آگے بڑھکر مجمع پر نظر ڈالی حشاشین کا کہیں نام ونشان تک نہ تھا سب شہر کے لوگ تھے۔ امیر، سوداگر، فوجی افسر اور مولوی ــــ ہر شخص آنے والے لمحات کا بے چینی کے ساتھ منتظر تھا۔ ایک چھوٹی سی انگیٹھی سے لپٹیں نکل رہی تھیں اور عود و عنبر کی خوشبو سے سارا کمرہ مہک رہا تھا۔ دو بڑی بڑی لالٹین کمرہ میں روشن تھیں۔ اسی وقت کمبل کے پیچھے سے ایک ہلکی سی آواز آئی جیسے دور کسی نے تالی بجائی ہو مجذوب کی گردش اور بڑبڑ فوراً ہی رک گئی "یہ حضرات اب بہشت کے حالات سنئے" اس نے کہا اور آگے بڑھکر ایک جھٹکے کے ساتھ وہ کمبل ایک طرف کر دیا جو ایک سلاخ پر پھسلتا ہوا ایک طرف غائب ہو گیا کمبل کے پیچھے ایک چھوٹا سا کمرہ تھا وہاں بھی تیز روشنی کیلئے دو لیمپ روشن تھے ــــ کمرہ کے بیچ میں فرش پر ایک بڑا سا طشت رکھا ہوا تھا جو تازہ انسانی خون سے نصف سے زیادہ بھرا ہوا تھا۔ اس خون کے درمیان ایک انسانی سر رکھا تھا ــــ کٹا ہوا سر۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اور سر چھیلے ہوئے کھیرے کی طرح منڈا ہوا تھا ــــ یہ کسی دبلے پتلے زرد رو انسان کا سر تھا سارے مجمع پر ایک عجیب قسم کا اضطراب سا طاری ہو گیا اور اس طرح آپس میں باتیں ہونے لگیں جیسے مکھیاں بھنبھنا رہی ہوں۔

"خاموش رہو" مجذوب کی آواز سنائی دی اور ہر شخص سہم کر خاموش ہو گیا۔ اس سر کی بند آنکھیں کھل گئیں اور وہ ادھر ادھر گھومنے لگیں اب مجمع کو خاموش رکھنے کی ہدایت کی ضرورت بھی نہ تھی ہر آدمی اس طرح مرعوب ہو کر خاموش

بیٹھا تھا جیسے سانپ سونگھ گیا ہو۔

طشت میں رکھے ہوئے سر کے ہونٹ ہلے اور وہ بولنے لگا "یہ اس جہاں کی کہانی ہے جو دنیا والوں کی نظروں سے نہاں ہے ____"

"اوہ میرے اللہ" قریب بیٹھے ہوئے ایک فوجی افسر نے گھگھیا کر عمر کا بازو پکڑ لیا

اس سر سے آہستہ آہستہ آواز نکل رہی تھی وہ اسوقت بہشت کے اسرار بتا رہا تھا ___ تمام لوگ انتہائی غور سے سن رہے تھے۔ عمر کو یہ تو یقین ہو گیا تھا کہ یہ آواز اسی سر میں سے نکل رہی تھی جو طشت میں رکھا تھا اور اس میں بھی شبہ نہیں کہ وہ ایک انسانی سر تھا ___ اور بغیر جسم کے کٹا ہوا سر!

یکبارگی سر سے آواز آنا بند ہوگئی۔ آنکھیں پھر بند ہوگئیں اور چہرہ پر دوبارہ مردنی چھا گئی ___ مجذوب نے جھٹ کر کمبل کھینچ لیا جسکی وجہ سے وہ کمرہ پھر پوشیدہ ہو گیا

"واللہ کرامت ہے" ایک مولوی بولا "معجزہ ہے"

"خدا کی شان کا ادنیٰ سا کرشمہ ہے" دوسرا بولا۔

اب لوگ اطمینان سے سانسیں لے رہے تھے لیکن کئی آدمی سنجیدگی کے ساتھ غور کر رہے تھے۔ عمر نے سنا کہ آپس میں چہ میگوئیاں شروع ہوگئیں ضعیف الاعتقاد لوگ اسکو معجزہ سمجھ رہے تھے لیکن سمجھدار قسم کے آدمی یہ کہہ رہے تھے یہ سر کسی زندہ انسان کا نہیں بلکہ مصالحہ کا بنا ہوا تھا اور شعبدہ بازی تھی۔

مجذوب نے ان لوگوں پر استہزائی نظریں ڈالیں اور مسکرایا۔

"ثبوت" ایک فوجی افسر چیخا "واللہ اگر یہ کوئی معجزہ ہے تو اسکا ثبوت چاہئے"

"صبر کرو" مجذوب نے کہا "ثبوت تم کو ملے گا"

وہ ایک لمحہ تک انتظار کرتا رہا کہ سب اسکی طرف متوجہ ہیں یا نہیں پھر اس نے کمبل کو دوبارہ ہٹا دیا۔ وہ طشت اب بھی اسی طرح رکھا تھا اس نے سر کے دونوں کان پکڑ کر اوپر اٹھایا تازہ تازہ خون اسکی گردن سے ٹپک رہا تھا اس نے آہستہ آہستہ چاروں طرف اسکو گھمایا تاکہ ہر شخص اسے دیکھ سکے پھر دوبارہ اسی طشت میں رکھ دیا جسمیں خون بھرا ہوا تھا۔

سارے مجمع پر سناٹا چھا گیا یہی وہ سر تھا جس نے ایک لمحہ پیشتر بات کی تھی — اور اسکا کوئی جسم نہیں تھا!

اب ہمیں یقین آگیا، مجمع سے کئی آوازیں آئیں "ہم نے اپنی آنکھ سے دیکھ لیا — واللہ معجزہ ہے معجزہ!"

عمر فوراً کھڑا ہو گیا اور جھپٹ کر کمبل کے پاس پہونچکر اسکو ہٹا دیا۔

"میرے دوستو" یہ عمر کی آواز تھی "یہ کوئی معجزہ یا کرامت نہیں ہے بلکہ سڑک پر بیٹھنے والے بازیگروں کی شعبدہ بازی ہے — مردہ کبھی بول نہیں سکتا — جو شخص ابھی بولا تھا وہ اسوقت زندہ تھا لیکن اب مردہ ہے! تو دیکھ لو"

وہ فوراً ہی سر کی طرف بڑھ گیا اور اس سر کو اٹھایا۔ طشت کے بیچ میں ایک سوراخ تھا جو حجرہ کے فرش کو کاٹتا ہوا نیچے تک چلا گیا تھا — اتنا بڑا سا سوراخ جسمیں سے ایک انسانی سر بہ آسانی گذر سکے۔ مجذوب کھڑا ہوا قہر آلود نظروں سے عمر کو گھور رہا تھا اور پورا مجمع اپنی اپنی جگہ سے اچک اچک کر طشت کو دیکھ رہا تھا عمر نے اس دیوار پر پڑے ہوئے پردہ کو ایک طرف ہٹا دیا دوسری طرف ایک دروازہ موجود تھا ایک لیمپ اٹھا کر وہ تیزی کے ساتھ اس میں داخل ہو گیا۔

اس کے پیچھے پیچھے سارے تماشائی تھے اب وہ لوگ ایک تہہ خانے میں کھڑے تھے جسکی چھت پر ایک سوراخ آرپار نظر آرہا تھا سارا فرش انسانی خون سے لتھڑا ہوا تھا لیکن جسم غائب تھا!

دوسرے لوگ بھی تہہ خانہ کی تلاشی لینے لگے ایک دوسرا دروازہ بھی تھا جسمیں داخل ہو کر معلوم ہوا کہ یہ ایک راہداری تھی جس میں برابر برابر کوٹھریاں بنی ہوئی تھیں۔ ایک کوٹھری کا دروازہ کھلا ہوا تھا اس میں بغیر سر کی ایک لاش فرش پر پڑی تھی — یہ لاش اب بھی گرم تھی!

"وہ یہ لاش ہے" وہی فوجی افسر چیخا "دیکھو بھائیو اس سر کا یہ جسم ہے!"

دوسری کوٹھری کھولی گئی اس میں سے سڑاند کا ایک کثیف جھونکا نکلا جیسے ہزاروں چوہے سڑ گئے ہوں۔ یہ چار لاشیں تھیں جن کے سر بھی قریب ہی پڑے تھے — پانچویں لاش اس وقت کی تازہ تھی۔

"اللہ غارت کرے" ایک ملازم بڑبڑایا "ارے یہ تو منعم بیگ کی لاش ہے!" اس نے ایک لاش کی طرف اشارہ کیا "اور وہ — وہ شیر محمد سوداگر کی لاش ہے جو مسجد میں برابر آتا تھا"

یہ لوگ سب وہی تھے جو ابھی حال ہی میں اصفہان سے غائب کئے گئے تھے۔

"مارو ملعونوں کو" مجمع نے پر اشتعال لہجہ میں کہا "مار دو ولد الحراموں کو — کہاں ہیں وہ لعین جنھوں نے یہ قتل کئے ہیں"

اس افراتفری میں وہ مکار مجذوب تو فرار ہو چکا تھا مشتعل ہجوم کو صرف وہی اندھا ملا جو اپنی لکڑی کو کھٹ کھٹ کرتا ہوا اپنے ساتھیوں کو مغلظات سنا رہا تھا

جو اسے دھوکہ دیکر فرار ہو گئے تھے۔

آدھی رات کے بعد ہی عمر کو وہاں سے چھٹی مل سکی لیکن صبح تک اسے نیند نہ آئی۔ بار بار ان لاشوں کا بھیانک منظر اس کے سامنے آجاتا تھا۔ سب سے زیادہ افسوس اسکو بختیار کا تھا جس نے ہمیشہ وفاداری کی اس نے بختیار کو ہمیشہ کتے کی طرح دھتکارا! لیکن اس بوڑھے نے ہمیشہ ساتھ دیا۔ عمر کو اس غم میں بخار آگیا۔

دوسری صبح شہر والوں نے فدائیوں کے خلاف بہت آہ وزاری کی۔ اصفہان کی سڑکوں پر جلوس نکالے جلسے کیے بہت شور و غل کیا۔ تکش نے بھی کافی دوڑ بھاگ کر کے اپنی مستعدی کا ثبوت دیا۔ اب نظام الملک سے بھی نہ رہا گیا اور برطرفی کے باوجود وہ سلطان کے پاس پہونچ گیا۔

"ان سبعیوں نے ملک میں لوٹ مار کا بازار گرم رکھا ہے اور بدامنی پھیلا رکھی ہے" نظام نے عرض کیا اگر ظل سبحانی کا ارشاد ہو تو میں ان کا قلع قمع کردوں۔ چند دنوں میں انکے وجود سے آپ کی ساری مملکت کو پاک کردوں"

ملک شاہ کو ابھی تک یہی گمان تھا کہ یہ سبعی بھی نصیریوں یا بابیوں کی مانند کوئی بے ضرر فرقہ تھا ان سے حکومت کو کیا خطرہ ہو سکتا تھا اسی لئے ابھی تک ان کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں کی گئی تھی۔ اب نظام الملک سے اسے معلوم ہوا کہ ان لوگوں کا مقصد سلطنت میں طوائف الملوکی پھیلا کر تخت پر قبضہ کرنا ہے تو آنکھیں کھلیں

"خدا کے فضل سے مجھ میں ابھی اتنی طاقت ہے کہ دوسروں کی مدد کے بغیر بھی اپنے دشمنوں کا مقابلہ کر سکوں" سلطان نے کہا ان ملحدوں کے پاس نہ تو دولت ہے اور نہ طاقت۔ یہ لوگ میرے ایک ہزار کے دستہ کا مقابلہ بھی نہیں کر سکتے ہیں"

"ان لوگوں نے کوہسار طالقان پر مکمل قبضہ جما رکھا ہے" نظام بولا "ایک مضبوط قلعہ المُوت ان کا مرکز ہے اور اسی مقام پہ انکا تمام خزانہ رہتا ہے۔ حسن بن صباح کے یہ ارادے ہیں کہ موجودہ سلطنت کا تختہ لوٹ کر ایک نئی سلطنت کی بنیاد ڈالی جائے جو براہ راست مصر کی فاطمی خلافت سے تعلق رکھتی ہو"

"لیکن ہمارے لئے اس طرح قتل عام کرنا بھی تو مناسب نہیں ہے" سلطان نے کہا "میں نے بہت سی جنگوں میں حصہ لے لیا اب مجھے خدا کو بھی منھ دکھانا ہے۔ اب میرے پاس انسانی خون بہانے اور شکار کیلئے بالکل وقت نہیں ہے۔ اس حسن بن صباح کو کھل کر سامنے آنے دو تم دیکھ لینا اپنی تلوار سے میں اسکے پانچ ٹکڑے کر دوں گا"

"بہتر ہے عالی جاہ" نظام نے کھڑے ہو کر سلام کرتے ہوئے کہا بوڑھا وزیر سمجھ گیا تھا کہ سلطان کی نظروں سے گرنے کے بعد اسکا اثر بھی ختم ہو چکا تھا "لیکن وہ قلعہ ۔۔۔ المُوت ۔۔۔"

جاسوسوں کی بات پر میں کس طرح یقین کر سکتا ہوں" ملک شاہ نے کہا اسکی پیشانی پر بل آ گئے تھے "کسی معتبر ذریعہ سے اس کی تصدیق ابھی تک نہیں ہوئی ہے ۔۔۔ تکش اپنی داڑھی کی قسم کھا کر کہتا ہے کہ سبعیوں کے پاس نہ تو کوئی قلعہ ہے اور نہ طاقت ۔۔۔ اسکے علاوہ اگر حسن بن صباح طاقتور ہو رہا ہے تو میری مملکت میں اور دوسرے بڑے بڑے جاگیردار بھی تو ہیں کیا تم ان پر بھی فوج کشی کا مشورہ دو گے؟"

"بہتر تو یہ ہوگا کہ کوہ دزان کے کھنڈرات کی دیکھ بھال بھی کر لی جائے"

نظام نے کہا میرا اصفہان کے بالکل اوپر ہیں اور ان بھیوں کا طریقہ یہی ہے کہ وہ ہمیشہ ان مقامات پر اپنا مرکز قائم کرتے ہیں جو بڑے شہروں کے اوپر ہو یہ لوگ ان کھنڈرات میں دیکھے گئے ہیں۔

اپنے شکاروں میں ملک شاہ نے انکو پہاڑی کھنڈرات کو دیکھا تھا۔ یہ ایک قدیم پتھر کی عمارت کے کھنڈر تھے۔ کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ یہ آتش پرستوں کا قدیم معبد ہے۔

"ہاں۔ یہ میں ضرور کرونگا" ملک شاہ نے کہا میرا ارادہ ہے کہ اپنی فوج کے لئے وہاں ایک قلعہ بھی تعمیر کرا دوں۔ اچھا خدا حافظ۔

نظام الملک کے جانے کے بعد سلطان نے عمر کو بلانے کے لئے آدمی بھیجدیا۔ کسی فوجی سردار یا تکش کے بجائے سلطان نے عمر کو حکم دیا کہ وہ ایک دستہ لے کر کوہ رز کے ان کھنڈرات کا معائنہ کرائے ملک شاہ کو یقین تھا کہ اس کام کیلئے عمر سے بہتر کوئی آدمی نہیں مل سکتا کیونکہ اس نے یہ افواہیں سن رکھی تھیں کہ عمر خود بھی ان سبھی ملحدوں کے کھوج میں تھا اور انکا قلع قمع کرنا چاہتا تھا۔

ان کھنڈروں کو دیکھنے سے معلوم ہوا کہ یہ بالکل ویران اور غیر آباد تھا کبھی کبھی خانہ بدوش یا گڈریے رات کو انمیں پناہ لے لیتے تھے شاہی دستہ نے کھنڈروں کا کونہ کونہ چھان ڈالا۔ تاریک تہ خانوں کی تلاشی لی لیکن بھیوں کا نشان تک نہ ملا۔ باقی باشندوں نے قسمیں کھائیں کہ انھوں نے حسن بن صباح کا نام تک نہیں سنا تھا

اسکے باوجود عمر کو ایک مبہم سا شبہ اب بھی تھا ان کھنڈروں میں بالکل ویسی ہی قربان گاہ بنی تھی جیسی کہ الموت میں ہے اسکے علاوہ فدائیوں کا اڈا ابن آتش کا مکان بھی اس پہاڑی کے بالکل نیچے تھا اوپر سے ایک چشمہ نکل کر اس مکان اور جامع مسجد کے برابر سے نکل گیا تھا اس مقام کو دیکھ کر عمر کے سامنے قلعہ الموت کی تصویر کھنچ گئی۔ اسکو

شبہ تھا کہ قرب و جوار کے رہنے والے گڈریوں میں ممکن ہے کہ فدائی بھی ہوں۔ اس لئے ہر چہرہ کا معائنہ اس نے قریب سے کیا لیکن ان میں کوئی بھی بھنگ پینے والا معلوم نہیں ہو رہا تھا۔

"یا سیدی ——" ایک سپاہی نے آکر کہا "ان عجیب و غریب تصویروں کو بھی ملاحظہ فرمائیں جو کھنڈر کے برابر والے برج میں بنی ہیں —— وہ دیوتاؤں یا جادوگروں کی سی معلوم ہو رہی ہیں۔"

عمر اس برج میں پہنچ گیا اسی سپاہی نے ان تصویروں کی طرف اشارہ کیا جو جو برج کے چاروں طرف دیواروں پر بنی ہوئی تھیں —— عمر نے ایک ہی نظر میں انکو دیکھ لیا وہ دوازدہ بروج کی اشکال تھیں۔













اسی طرح حمل سے حوت تک بارہ اشکال پتھر کی دیوار پر کھدی ہوئی تھیں ہر شکل کے نیچے ایک ہک لگا ہوا تھا شاید ان ہکوں پر کوئی چیز لٹکائی جاتی ہو

"آخر ان اشکال کو بنانے کا مقصد کیا تھا" عمر سوچنے لگا "نا معلوم انسے کیا کام لیا جاتا ہوگا ممکن ہے کہ یہ آتش پرستوں نے بنائی ہوں اور ان کی کسی مذہبی رسم میں کام آتی ہوں اور وہ رسم اب ختم ہوگئی ہو"

برج کے بیچ میں کھڑا ہو کر عمر ان تصویروں کو دیکھنے لگا اس نے خیال کیا کہ شاید موسم کا اندازہ کرنے کے لئے یہ بنی ہوں اور جب برج کا دروازہ کھلتا ہو تو ان پر سورج کی روشنی بتدریج پڑتی ہو ــــ اسی وقت وہ خود بخود ہنسنے لگا۔

"کیا واقعہ ہوا خواجہ؟" اسی سپاہی نے پوچھا جس نے یہ اشکال سب سے پہلے دیکھی تھیں "کیا کوئی خاص بات انمیں ہے ــــ یا کسی پوشیدہ خزانہ کے نشان ہیں"

"ہاں ــــ بہت بڑا خزانہ ہے" عمر نے کھوئے ہوئے لہجہ میں کہا "لیکن ابھی اسکا اظہار مناسب نہیں ہے"

اسکے بعد وہ دونوں برج سے باہر نکل آئے ــــ عمر اسوقت بہت خوش معلوم ہو رہا تھا کیونکہ منطقۃ البروج کی ان اشکال سے اسکی سمجھ میں وہ ترکیب آگئی تھی جس سے اب وہ ببانگ دہل کہہ سکتا تھا کہ زمین گردش کرتی ہے۔

اسوقت وہ بختیار کی موت اور سلجوقیوں کے ظلم وستم کو بھولا ہوا تھا ــــ اب اسکی محنت کا صلہ ملنے والا تھا ــــ وہ جلد سے جلد ملک شاہ کے پاس پہونچکر رصدگاہ جانے کی اجازت لینا چاہتا تھا تاکہ وہ اپنی تھیوری پر تجربات کر سکے۔

۳۱

اکتیسواں باب

دُم دار ستارہ

آجکل سلطان ملک شاہ نیشاپور کی طرف سفر کر رہا تھا نظام الملک بھی اس کے ساتھ تھا لیکن وہ اپنی کتاب کی تصنیف میں مشغول تھا اور ریاست سے بالکل کنارہ کش ہو چکا تھا۔ ہر شام کو شاہی فراش خیمے نصب کرتے اور پھر صبح کو نقارہ پر چوٹ پڑتی خیمے اور راؤٹیاں اکھڑنے لگتیں اسباب گاڑیوں پر بار ہونے لگتا۔۔۔

سلطان کے کیمپ کے بالکل اوپر ایک دم دار ستارہ نمودار ہوا سارے لشکر میں ہلچل مچ گئی۔ ہر شخص گھبرا گیا ملک شاہ نے فوراً عمر کو طلب کیا تاکہ اسکے اثرات کو معلوم کرے۔

"انتہائی بدبختی اور تباہی کی علامت ہے" عمر نے جواب دیا "جس ملک میں یہ ستارہ نکلتا ہے وہاں انسانی خون کی ندیاں بہتی ہیں۔۔ ملک کے بڑے بڑے لوگ قتل ہوتے ہیں۔۔ قحط پڑتے ہیں وبائیں پھوٹتی ہیں۔ یہ ستارہ اژدہے کی مانند اور آگ کی طرح افق مغرب پر نمودار ہوا تھا ملک شاہ نے خیمہ سے باہر آکر اسکا معائنہ خود کیا۔۔ اور کئی گھنٹے تک اس کی نحوستوں پہ سوچ بچار کیا گیا۔

ملک شاہ کے نزدیک اس کے سب سے بڑے دشمن اسوقت باطنی ہی تھے اور ان سے ہی ملک کو خطرہ تھا آجکل حسن بن صباح بھی مصر میں تھا اور فاطمی خلیفہ کے ساتھ سلجوقیوں کے خلاف ساز باز کر رہا تھا۔ سلطان نے نیشاپور کا سفر ملتوی کر کے اپنی کیمپ کو اسی جگہ رہنے دیا جہاں آجکل قیام تھا اس قیام کا بہانہ یہ کیا کہ اسکو اصفہانی علاقوں میں شکار کھیلنا تھا اس کے بعد اپنے ایک امیر کو پانچ ہزار سپاہیوں کے ساتھ سبعیوں کی تلاش اور سرکوبی کے لئے روانہ کر دیا اس نے حکم دیدیا تھا کہ الموت کی اینٹ سے اینٹ بجادی جائے اور کوہستان طالقان کا پورا علاقہ ان سے پاک کر دیا جائے عمر کی خوش قسمتی تھی کہ اسے نیشاپور جانے کی اجازت بھی مل گئی ــــ اور اس نے طے کر لیا تھا کہ دوسرے روز صبح ہی وہ نیشاپور کیلئے روانہ ہو جائیگا۔ یہ رمضان کا مہینہ تھا اور عمر چاہتا تھا کہ اپنے روزے رصدگاہ میں ہی گذارے۔

آج شام کو پورے چاند کی روشنی تھی۔ نیک نفس نظام الملک نے روزہ افطار کے کافی دیر بعد تک ملک شاہ کے خیمے میں بیٹھا باتیں کرتا رہا عشاء کی نماز کے قریب وہ اٹھا اور اپنے خیمہ کی طرف روانہ ہو گیا لبادہ اوڑھے ایک پراسرار نوجوان بہت دیر سے وزیر اعظم کے خیمہ کے گرد منڈلا رہا تھا ــــ آخرکار اس نے فدائیوں کے سب سے بڑے دشمن اور اس زمانہ کے سب سے عقلمند انسان کو تلاش کر ہی لیا۔ قبل اسکے کہ بوڑھا نظام الملک کوئی مزاحمت کرتا اسکی پشت میں خنجر اتر چکا تھا ــــ سارے لشکر میں کہرام پڑ گیا۔ لوگوں نے

فوراً ہی قاتل کو پکڑ کر اسکا قیمہ قیمہ کر دیا۔ مرتے وقت قاتل کے منہ سے امام قائم قیامت اور اس کی بہشت کے متعلق ہی الفاظ نکل رہے تھے۔

"دُم دار ستارہ کا پہلا نتیجہ!" ملک شاہ نے نظام کے قتل کی خبر سنتے ہی کہا "واقعی ہم پر مصیبت آگئی ہے اب نا معلوم ابھی کتنی آفتیں اور باقی ہیں۔ میری پوری مملکت میں ایک ماہ متواتر نظام الملک کا سوگ رہیگا۔"

یہ واقعہ ہے کہ نظام الملک کیلئے ملک شاہ بہت رویا اور اب معلوم ہوا کہ وہ نظام الملک کا کتنا خیال کرتا تھا۔ اس نے سب سے پہلے نظام الملک کی کتاب "سنگاتی" اور انکی مہروں کو توڑ کر نظام کی وصیتوں کو پڑھا جو اسنے اپنے بیٹے فخر الملک کیلئے کی تھیں۔ اس کتاب میں باطنی مذہب کو سلطنت سلجوقیہ کے لئے اس نے سب سے بڑا فتنہ قرار دیا تھا وہ روز کے بعد عمر بھی لیلی کے ساتھ نیشاپور روانہ ہو گیا۔

ملک شاہ کے پانچ ہزار سپاہیوں نے الموت کا محاصرہ کر لیا اسکے نیچے بڑی بڑی منجنیقیں ایستادہ کر دی گئیں۔ الموت کے محاصرہ کو آج دوسرا دن تھا بڑے بڑے پتھر گاڑیوں میں بھر کر منجنیقوں کے پاس جمع کئے جا رہے تھے باطنیوں کی طرف سے بھی تیروں۔ برچھیوں کی بوچھار ہو رہی تھی اور اس سے سلطانی سورچوں کو نقصان پہنچ رہا تھا باطنیوں کو اس محاصرہ سے پریشانی ضرور تھی لیکن انکو یقین تھا کہ قلعہ پر قبضہ کرنا آسان نہیں ہے۔ وہ ایسی جگہ پر بنا ہوا تھا اور اتنا مستحکم تھا کہ محض چند سو سپاہی فصیل پر کھڑے ہو کر بڑی سے بڑی فوج کو پسپا کر سکتے تھے۔

قلعہ کی فصیل پر حسن کو بھی کئی بار دیکھا گیا وہ جب چاہتا کسی خفیہ راستہ سے قلعہ میں پہونچ جاتا تھا اور جب چاہتا باہر نکل جاتا تھا۔ اسکے مبلغ رے۔ نیشاپور اور بلخ کی طرف روانہ ہو گئے تاکہ وہاں انتشار پھیلائیں اور ملک شاہ تنگ آکر اس محاصرہ کو اٹھالے۔

نظام الملک کا قتل حسن کی سب سے بڑی کامیابی تھی اور جب نظام کے قتل کی خبر اطراف عالم میں پھیلی تو ساری دنیائے اسلام میں ایک تہلکہ پڑ گیا۔ مسجدوں۔ کاروان سراؤں اور بازاروں میں ہر شخص کی زبان پر یہی چرچا تھا۔ بے اعتباری اور دہشت نے پوری مملکت پر دبائی حیثیت سے قبضہ کرلیا۔ سلاطین گھبرا گھبرا کر چونک پڑے اور علمائے فدائیوں اور اسمٰعیلیوں کے خلاف کفر اور بے دینی کے فتویٰ جاری کئے۔ عام طور پر ہر جگہ یہ حکم دیدیا گیا کہ جو فدائی خود کو کہے یا اس پر فدائی ہونے کا شبہ ہو اسکو قتل کر دیا جائے۔ اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ فدائی اور زیادہ رازداری کو عمل میں لانے لگے اور قتل و خون کا بازار گرم ہو گیا۔ سینکڑوں بڑے بڑے عالم ان فدائیوں کے ہاتھوں قتل ہوئے اور جب سے یہ محاصرہ شروع ہوا تھا یہ لوگ بالکل جنونی ہو گئے تھے اور ان لوگوں کیلئے مساجد کی حرمت قلعوں کی مضبوط دیواریں اور گھروں کے مقفل دروازے بیکار ہو گئے۔ لوگ سڑکوں پر راستہ چلتے ہوئے کانپتے تھے۔ جو فدائی اپنی خدمت ادا کرنے میں مارے جاتے شہید خیال کئے جاتے تھے اور ان کے پسماندگان کو ساری عمر کیلئے وظائف دئے جاتے تھے اگر ملک شاہ اس زمانہ میں اصفہان

نیشاپور یا رے میں ہوتا تو شاید کچھ آگ ٹھنڈی ہو جاتی لیکن وہ تو نظام الملک کے غم میں جنگل میں کیمپ ڈالے پڑا تھا۔ اس نے گھوڑے پر سوار ہونے سے بھی انکار کر دیا تھا اور اپنا زیادہ وقت خیمہ میں ہی گذار رہا تھا۔

ملک شاہ نے یا بہزار کا ایک دوسرا دستہ بھی الموت کی طرف روانہ کر دیا تھا اور محاصرہ کو سخت کرنے کا حکم دے دیا تھا وہاں سے روزانہ قاصد آتے رہتے تھے اور ابھی تک سلطانی فوج کو کامیابی حاصل نہ ہو سکی تھی لیکن خیال تھا کہ قلعہ والوں کا ذخیرہ ختم ہونے والا ہے اور قحط ہونے کا امکان تھا ۔ ملک شاہ کو امیر عسکر نے لکھا تھا کہ اگر بیس روز تک اسی طرح محاصرہ قائم رہا تو اسمٰعیلی ہتھیار ڈال دیں گے۔

حسن کو قلعہ کا استحکام پر پورا بھروسہ تھا اس لئے وہ آجکل مصر میں آیا ہوا تھا کیونکہ قاہرہ میں اسمٰعیلیوں کا سب سے بڑا لاج تھا اور اس لاج میں ہفتہ میں دو بار مخصوص اسمٰعیلیوں کی صحبت ہوتی تھی ان صحبتوں میں صرف وہی لوگ شامل ہو سکتے تھے جو اپنے درجے کے لحاظ سے مجاز ہوں ایسے جلسوں میں پوری رازداری سے کام لیا جاتا تھا اور داعی الدعات بادشاہ یا خلیفہ سے علٰحدہ اپنے رموز کے متعلق تقریر کرتا مولانا عبدالحلیم شرر مرحوم نے اپنی کتاب حسن بن صباح بن علامہ مقریزی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اس لاج کی پہلے سات ڈگریاں تھیں جب یہ افریقہ کے شہر قیروان میں تھا لیکن مصر میں آنے کے بعد اسکی نو ڈگریاں ہو گئی تھیں ان ڈگریوں کو حاصل کر کے اسمٰعیلی اپنے مدارج کو حاصل کرتے تھے ۔ پہلی ڈگری یہ تھی کہ نئے شریک جلسہ کے سامنے

قرآنی مذہب کی دشواریاں اور دین اسلام کے متعلق مختلف قسم کے شبہات اور شکوک پیدا کیے جاتے تھے اور اس وضع سے کہ نئے مرید کے دل میں اصلی رموز کے حل کرنے۔ ان دشواریوں کو مٹانے اور شبہات کو دور کرنے کا بیتابانہ شوق پیدا ہو اور اسوقت مذہب اسمٰعیلیہ کے چند معمولی اصول اسے سمجھائے جاتے تھے اور اس سے عہد لیا جاتا تھا کہ اپنے معلّم یا داعی کی ہر بات بے عذر اور بغیر کسی حجت و تکرار کے تسلیم کریگا۔

دوسری ڈگری میں مسئلہ امامت حل کیا جاتا تھا اور وہ رموز ربانی بتائے جاتے تھے جو امامت سے وابستہ ہیں۔

تیسری ڈگری میں مذہب اسمٰعیلیہ کے خاص عقائد بتائے جاتے تھے اور اس امر کی تعلیم ہوتی تھی کہ اماموں کا شمار سات ہے اور اسمٰعیل بن جعفر صادق علیہ السلام سب سے بڑے امام تھے۔

چوتھی ڈگری میں تخلیق عالم کے اہم راز اور پیغمبروں کے متعلق تعلیم ہوتی تھی وہ سات ناموس الٰہی (پیغمبر) آدم سے اسمٰعیل بن صادق تھے اور انکے ساتھ سات خاموش پیغمبر ہوئے تھے

پانچویں ڈگری میں یہ تعلیم تھی کہ ہر پیغمبر نے ترویج دین کیلئے بارہ داعی مقرر کئے تھے

چھٹی ڈگری میں یہ اصول ذہن نشین کرایا جاتا تھا کہ احکام شرعی فلسفہ اور عقل کے تابع ہیں

ساتویں میں اصوات کے رموز اور انکے قائم مقام حروف کی قوت بتائی جاتی تھی

آٹھویں ڈگری میں حرکات و افعال و نسان کا باہمی اتحاد بتایا جاتا تھا اور

نویں ڈگری میں یہ آخری سبق ملتا تھا کہ یقین کسی چیز کا نہ کرنا چاہیے اور جرأت ہر امر میں اللہ پر کلام کیلئے ضروری ہے۔ (حسن بن صباح مصنفہ شرر ص ۷ اور ۸)

۳۲
بتیسواں باب

زمین کی گردش

رصدگاہ میں پہونچتے ہی عمر نے اپنے نئے منصوبہ پر کام کرنا شروع کر دیا۔ اس کے ماتحت بھی اس کی طویل غیر حاضری کے بعد دوبارہ واپسی پر بہت خوش ہوئے لیکن یہ دیکھ کر بہت مایوس ہوئے کہ عمر ایک ایسے کام میں مصروف تھا جو اس کی شایان نہیں تھا اور ان کے نزدیک انتہائی معمولی تھا۔

عمر نے رصدگاہ کے برج کی پہلی منزل سے ہر چیز ہٹا دی اور سات فٹ اونچے تختے چاروں طرف دیوار میں جڑ دیے گئے۔ ان تختوں کے اوپر ایک ایک انچ کے فاصلہ سے ہزاروں موم بتیاں جما دی گئیں اور ان پر چھوٹے چھوٹے شیڈ لگا دیے گئے تاکہ جب وہ روشن ہوں تو انکی روشنی ایک دائرہ کی شکل میں ہو۔ ان تختوں پر دوانزدہ برج کی اشکال مختلف رنگوں سے بنائی گئیں اور یہ اہتمام رکھا گیا کہ ان موم بتیوں کی روشنیاں صرف ان اشکال پر ہی پڑیں۔

پہلے روز جب یہ موم بتیاں تجربہ کے طور پر روشن کی گئیں تو عمر کے ماتحتوں کی سمجھ میں کچھ نہ آیا ان کے نزدیک یہ ایک معمولی بات تھی جس کو

ہر بچہ تک جانتا تھا ـــــ تمام ہیئت داں اور مہندس اس بات پر متفق تھے کہ منطق البروج کی اشکال کو واضح کیا گیا تھا اور اس سے زیادہ کچھ نہ تھا ـــــ بہر حال کسی کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔

اس کے بعد دو تین روز تک اس کمرہ میں کام ہوتا رہا ـــــ اب اس کمرہ کا نام "حجرہ منطق البروج" رکھا تھا ـــــ عمر نے بھی ان کاریگروں کے ساتھ دن رات ایک کر دیا جو یہاں کام کر رہے تھے اس حجرہ کے فرش میں ایک بڑا سا سوراخ کیا گیا ـــــ اس کے بعد لکڑی کا ایک گول ستون اس حجرہ میں لایا گیا جس کے نچلے سرے میں ہینڈل لگے ہوئے تھے جیسے پسائی کی چکی کے پتھر کو گھمانے کے لئے ہینڈل ہوتے ہیں اس ستون کو حجرہ میں اس طرح فٹ کیا گیا کہ اسکا نچلا سرا دوسری منزل تک آتا تھا اور اسی میں ہینڈل لگے ہوئے تھے۔

جب سارا انتظام مکمل ہو گیا تو عمر نے نیشاپور کے علماء کو دعوت دی اور خصوصاً حجۃ الاسلام امام غزالی کو جو اسوقت درسگاہ نیشاپور کے صدر المدرسین تھے۔

یہ سارے مہمان بڑی بڑی امیدیں لے کر آئے تھے کہ دیکھیں خواجہ عمر کیا تماشہ دکھانے والے ہیں یہ کسی کو نہیں معلوم تھا کہ عمر نے ان کو کیوں بلایا تھا ـــــ عمر نے ہر معزز مہمان کا خیر مقدم اسکے رتبہ کے مطابق کیا اور خاص طور سے امام غزالی کو صدر جگہ پر بٹھایا وہ اسوقت اپنا مخصوص بھورے رنگ کا کمبل اوڑھے ہوئے تھے اور ویسے ہی

کمبل کا ایک کرتا ان کے جسم پر تھا۔ امام غزالی کو دنیائے اسلام نے حجۃ الاسلام کا خطاب دے رکھا تھا اور مذہبی معاملات میں اتھارٹی سمجھے جاتے تھے ۔۔۔ عمر کے ماتحتوں کو یہ بات بہت ناگوار ہوئی کہ اتنے معمولی تماشہ کے لئے حجۃ الاسلام کو تکلیف دی گئی ۔۔۔ لیکن ان کو کیا معلوم تھا کہ عمر اور امام غزالی کے تعلقات کتنے دوستانہ تھے اور عمر میں زیادہ ہونے کی وجہ سے وہ امام غزالی کا کتنا احترام کرتا تھا۔

رصدگاہ کے صحن میں عمر نے تمام مہمانوں کی خاطر تواضع کی اپنے ہاتھوں سے ان کے سامنے شربت اور پھل پیش کئے۔ امام غزالی اس وقت انتہائی سنجیدہ نظر آرہے تھے۔

"آج میں نے آپ صاحبان کو اس لئے تکلیف دی ہے کہ میں ابھی ایک نئی معلومات کی تصدیق کرانا چاہتا ہوں" عمر نے کہا "اگر آپ میرے ساتھ تشریف لے چلیں تو ۔۔۔"

"ضرور ضرور ۔۔۔" امام نے اٹھتے ہوئے کہا "بسم اللہ ۔۔۔"

جب یہ سارے مہمان برج کی اوپری منزل میں پہنچے تو وہاں چھوٹی چھوٹی موم بتیوں کی مدھم روشنی کے علاوہ سارے کمرہ میں تاریکی تھی۔ عمر نے دوسرے مہمانوں کو ایک طرف بٹھا دیا صرف امام کو کمرہ کے وسط میں جگہ دی۔

"یہ کیا چیز ہے؟" عمر نے ان اشکال کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا "کیا آپ بتانے کی تکلیف گوارہ فرمائیں گے؟"

"مجھے تو منطق البروج کی اشکال معلوم ہو رہی ہیں" امام نے کہا "یہ حمل ہے ـــــ وہ ثور ہے وہ جوزا ـــــ اور آخر میں حوت ـــــ دوازدہ بروج کی اشکال کو ترتیب وار بنایا گیا ہے"

"اب کیا حجۃ الاسلام یہاں کھڑا ہونا پسند کریں گے؟" عمر نے ستون سے لگے ہوئے ایک تختے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "آپ کا رخ پہلی شکل کی طرف ہونا چاہیے"

عمر کے سارے ماتحت اور دوسرے مہمان آنے والے لمحات کا بےچینی سے انتظار کر رہے تھے۔ ان لوگوں کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر عمر نے کیا بکھیڑا پھیلایا ہے ـــــ کچھ لوگ کھسر پھسر بھی کرنے لگے تھے صرف امام غزالی خاموش اور سنجیدہ تھے۔ امام جب اس تختہ پر کھڑے ہو گئے تو عمر نے تالی بجائی۔

امام غزالی زیر لب مسکرانے لگے کیوں کہ ان اشکال کا روشن دائرہ اب گھومنے لگا تھا۔ ان کے قدموں کے نیچے کوئی چیز گھومتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی ـــــ کہیں دور ہلکی سی گڑگڑاہٹ کی آواز آ رہی تھی اور وہ ستون تیزی کے ساتھ گھوم رہا تھا ـــــ وہ اشکال ان کی نظروں کے سامنے سے سینما کی تصویر کے مانند گزر رہی تھی ـــــ جب آخری برج کی شکل بھی گزر گئی تو وہ ستون ٹھہر گیا اور امام غزالی نیچے اتر آئے

"کیا یہ برج اپنی بنیادوں کے ساتھ گردش کر سکتا ہے!" امام غزالی نے تعجب سے کہا "واللہ خواجہ تم نے کمال کر دیا!"

عمر نے کوئی جواب نہیں دیا اور اسوقت تک خاموش رہا جبتک وہ اپنی جگہ پر جا کر بیٹھ نہ گئے۔

"یا سیدی" امام کے ایک شاگرد نے کہا "اس برج نے گردش نہیں کی ہے ـــــ بلکہ صرف وہ ستون گھوم رہا تھا جس پر آپ کھڑے تھے"

"لیکن میں تو اپنی جگہ سے ہلا تک نہیں ہوں"

"لیکن آپ نے اس ستون کے ساتھ اس کمرہ کا پورا چکر لگایا ہے"

عمر نے کہا "کوئی عمارت کس طرح گردش کر سکتی ہے"

"لیکن کس طرح ـــــ"

"یہ ستون نیچے کے کمرہ سے گھمایا جا رہا تھا جس طرح چکی کا پاٹ گھمایا جاتا ہے" عمر نے وضاحت کی "جب میں نے تالی بجائی تو میرے ملازموں نے ستون کو گھمانا شروع کر دیا تھا ـــــ آپ یقین کیجئے۔ صرف وہی ستون گردش کر رہا تھا جس سے ملحق آپ کھڑے تھے"

"لیکن اس شعبدہ بازی کا مقصد؟ امام نے سخت لہجہ میں کہا

"اس لئے کہ اس زمانہ میں آپ ہم سب سے عقلمند ہیں اور میں چاہتا تھا کہ آپ کی زبان سے وہ سنوں جو آپ نے اپنی آنکھ سے دیکھا ہے ـــــ آپ کی تصدیق ہر شخص معتبر سمجھے گا اور آپ کی گواہی کی کوئی تکذیب نہیں کر سکتا ـــــ آپ کی نظریں روشنی اور منطق البروج کی اشکال پر لگی تھیں اور اس ستون کو گردش میں لایا گیا جس کے برابر آپ کھڑے تھے آپ نے بھی ستون کے ساتھ گردش کی

لیکن آپ کو محسوس یہ ہوا کہ پوری عمارت گردش کر رہی ہے ۔۔۔ یہ کیوں ہوا؟"

"اس لئے کہ میرے پاؤں کے نیچے جو تختہ تھا وہ ستون کے ساتھ گردش کر رہا تھا" امام غزالی نے غصہ سے کہا "کیا اسمٰعیلیوں سے تم نے یہی شعبدہ بازی سیکھی تھی؟"

"میری یہ مجال نہیں ہے کہ میں حجۃ الاسلام کے سامنے شعبدہ بازی کا مظاہرہ کر سکوں" عمر نے کہنا شروع کیا "اسکا حقیقی نظارہ تو آپ روزانہ رات کو خود ہی ملاحظہ کرتے ہیں ۔۔۔ منطق البروج ہمارے سروں پر سے روزانہ گذرتا ہے اور اس میں سے سیارے علیحدہ گذرتے ہیں ۔۔۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ ہم اپنی جگہ پر قائم ہیں اور یہ ستارے ہمارے چاروں طرف گھومتے ہیں ۔۔۔ ہزارہا برس سے لوگ اسی غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ زمین قائم ہے اور آسمان گردش کرتا ہے ۔۔۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس ستون کی مانند دن و رات میں ایک بار زمین بھی دوسرے سیاروں کی مانند گردش کرتی ہے ۔۔۔ میں نے آپ کو اسی لئے تکلیف دی تھی کہ آپ کی وہ واحد ہستی ہے جو ہمیشہ نڈر رہی ہے ۔۔۔ آپ جو اپنی آنکھ سے دیکھیں گے وہی زبان سے کہیں گے"

"خدا میں بڑی طاقت ہے" امام غزالی نے کہا "اسکی قدرت سے ناممکن کچھ نہیں ہے ۔۔۔ ہو سکتا ہے کہ تمہارا یہ تجربہ صحیح ہو لیکن اسکا اطلاق زمین پر نہ ہوتا ہو ۔۔۔ اس کے علاوہ ہمارا عقیدہ خود بھی

سمجھتا ہے کہ دنیا بھی دوسرے سیاروں کی مانند ہے اور ہماری دنیا کی مانند دوسرے سیاروں میں بھی آبادیاں موجود ہیں۔"

"آپ کے پاس کیا ثبوت ہے کہ ستارے گردش نہیں کرتے؟" ایک طالب علم نے ہمت کر کے عمر سے پوچھا۔

"ہاں — اسکا ثبوت دیجیے" کئی آوازیں آئیں۔

"ثبوت واضح ہے" عمر نے کہا۔

"تو بتائیے"۔

"دوسرے ستاروں کے مقابلہ میں یہ سیارے ہماری دنیا سے زیادہ قریب ہیں — مریخ — زہرہ اور آفتاب — قمر تو بہت ہی قریب ہے — اور یہی وجہ گرہن کی ہوتی ہے جب ہماری زمین اور آفتاب کے درمیان سے چاند گزرتا ہے تو زمین کا عکس اس پر پڑنے لگتا ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ گرہن ہوا اس طرح یہ بات تو صاف ہوئی کہ تمام سیارے مع زمین کے گردش کرتے ہیں لیکن دوسرے ستارے ہماری زمین سے کروڑوں میل کے فاصلہ پر ہیں ان کی گردش ایک دن میں کس طرح پوری ہو سکتی ہے — ایک آدمی نیشاپور میں اور دوسرا قاہرہ میں کھڑا ہو کر تقریباً سب ہی ستاروں کو بیک وقت دیکھ لیتا ہے۔ کرۂ ارض سے زیادہ فاصلہ ہونے کی وجہ سے معمولی فرق بھی نہیں ہوتا — لیکن ہم کرۂ ارض کے دو دور دراز مقامات سے سورج چاند اور دوسرے سیاروں کو بیک وقت نہیں دیکھ سکتے ہیں۔

اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ تمام ستارے جامد ہیں صرف سیارے گردش کرتے ہیں اور انہیں ہماری زمین بھی شامل ہے گو کائنات کے مقابلہ میں اس کی حیثیت سب سے کم ہے "

"لیکن یہ کس طرح آپ کہہ سکتے ہیں کہ دوسرے ستارے گردش نہیں کرتے" ایک دوسرے طالب علم نے اعتراض کیا۔

"یہ بات تو طے شدہ باقی تمام ستارے ہم سے کافی فاصلہ پر ہیں اور اسی لئے وہ ہم کو چھوٹے نظر آتے ہیں" عمر نے کہنا شروع کیا "اتنا زیادہ فاصلہ ہونے کی وجہ سے ان کو گردش کرنے کے لئے بہت زیادہ وقت کی ضرورت ہوتی ہے ـــ اور زمین کا ایک چکر پورا کرنے کے لئے انہیں ایک مدت درکار ہوتی ـــ حالانکہ ہم یہ دیکھتے ہیں ایک ستارہ جو ہماری نظروں سے غائب ہو جاتا ہے دوسرے روز پھر نمودار ہو جاتا ہے"

"کیا خدا میں یہ قدرت نہیں ہے کہ وہ اسی ستارے کو روزانہ ہماری دنیا کے چاروں طرف گردش کرا سکے" ایک طالب علم نے کہا۔

"نعوذ باللہ" عمر بولا "خدا کی قدرت اس سے بھی زیادہ ہے۔ ہمارے وہم و خیال سے بھی برتر ہے اور اسی طاقت سے اور اس کے حکم سے ہمارے ننھے منے جسم حرکت کرتے ہیں ـــ خدا کے حکم کے بغیر ایک ذرہ تک حرکت نہیں کر سکتا ہے کائنات کا ذرہ ذرہ اسی کے تابع اور اسی کے قبضہ قدرت میں ہے ہماری طرح اجرام فلکی کیلئے بھی

فنا ہے اور ــــ

اب مغرب کی نماز کا وقت ہو گیا تھا اس لئے امام غزالی کھڑے ہو گئے

"عمر خیام" انھوں نے جاتے ہوئے کہا " جہاں تک ستاروں کا فاصلہ اور انکی گردش کا سوال ہے مجھے ان چیزوں پر کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن یہ ہم انسانوں کی سوچنے کی باتیں نہیں ہیں یہ اسکے بھید ہیں وہی انکو جانتا ہے ــــ جن کو وہ چاہتا ہے راہ راست پر لاتا ہے اور جو بے حکم ہیں ان کو گمراہ کرتا ہے۔ قرآن شریف میں خدا فرماتا ہے۔ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّ يَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ؕ وَ مَا يُضِلُّ بِهٖۤ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۙ "

"کل میں درسگاہ جاؤنگا" عمر نے کہا " اور اپنی تمام عمر کی محنت کے نتائج کو عوام کے سامنے رکھونگا نامعلوم پھر کبھی موقعہ مل سکے یا نہ مل سکے ــــ

امام غزالی اس کو حیرت بھری نظروں سے دیکھنے لگے "کیا تم پاگل ہو گئے ہو عمر خیام ؟"

"نہیں ــــ ایک شخص ہمیشہ زندہ نہیں رہ سکتا ہے کیا خبر ہے کہ میری زندگی کا چراغ کس وقت گل ہو جائے اس لئے بہتر یہی ہے کہ میں اپنی زندگی ہی میں لوگوں کو آگاہ کر دوں کہ میں نے اپنی تمام زندگی میں کیا معلومات حاصل کی ہیں۔"

"عمر خیام تم اپنی زبان بند رکھو تو بہتر ہے" امام غزالی نے مشورہ دیا " ممکن ہے کہ اس قسم کی لایعنی اور بے معنی باتوں سے تمہارے خلاف

کوئی طوفان اٹھ کھڑا ہو ۔۔۔ اگر تم کو کوئی نقصان پہونچا تو مجھے رنج ہوگا ۔۔۔ آخر میں میری خدا سے التجا ہے کہ وہ تمہارے دل و دماغ کو ایمان سے منور فرمائے اور تم کو صحیح راستہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔"

عمر بہت دیر تک اس جوان سال اور کمبل پوش امام کو دیکھتا رہا جو جاتے وقت بھی بجائے غصہ کے عمر کے لئے دعائے خیر مانگ گئے تھے ۔۔۔ جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گئے تو عمر اپنے کمرہ میں آ گیا۔

"یا خواجہ یہ تو بہت بُرا ہوا" ایک ماتحت نے کہا "اب یہ خبر سارے نیشاپور میں آگ کی طرح پھیل جائے گی کہ آپ نے حجۃ الاسلام کو شعبدہ بازی دکھائی ۔۔۔ ہم لوگوں کا باہر نکلنا بیٹھنا بند ہو جائیگا۔"

"اگر آپ کل درسگاہ نہ جائیں تو ممکن ہے کہ بات دب جائے" دوسرے ماتحت نے کہا۔

"میرے مقدر میں جو لکھا ہے وہ میری یا تمہاری کوششوں سے مٹ نہیں سکتا۔" عمر نے کہا اور نماز پڑھنے کے لئے چلا گیا۔

۳۳

تینتیسواں باب

طوفان کی شروعات

آج کل پورے نیشاپور میں یہ چرچا تھا کہ عمر خیام نے حجۃ الاسلام کو اپنے یہاں بلا کر ان کے علم و فضل کا امتحان لیا اور انکو قائل کرنے کی کوشش کی۔ بازاروں۔ قہوہ خانوں اور کارواں سراؤں میں ہر شخص اسی موضوع پر گفتگو کرتا تھا۔ کچھ لوگوں کا کہنا تھا کہ عمر نے اپنی شعبدہ بازی سے حجۃ الاسلام کی زبان بند کر دی لیکن جب انھوں نے قرآن کا سہارا لیا تو عمر کا سر شرم سے جھک گیا اور وہ کوئی جواب نہ دے سکا۔۔۔ کچھ لوگوں کو یقین تھا عمر نے حجۃ الاسلام کو کوئی تماشہ دکھانے کے لیے بلایا تھا اور وہ تماشہ اسی مشین سے دکھایا گیا جو بھوتوں سے رصد گاہ میں نصب ہو رہی تھی۔ بہر حال اس قسم کی بے بنیاد افواہیں اڑتی رہیں نہ تو عمر نے انکی تردید کی اور نہ امام غزالی نے۔۔۔ اصل واقعہ کا علم صرف ان لوگوں کو ہی تھا جو اس روز رصد گاہ میں موجود تھے۔

اسحاق دربان نے یہ واقعہ سوداگروں کے ایک قافلے سے سنا جو بلخ جا رہا تھا۔۔۔ ان میں سے ایک ساربان اسحاق کا دوست تھا اور ہمیشہ قصر کوچک کے قریب سے گذرتے ہوئے وہ اسحاق سے بات چیت

کرتا تھا لیکن اس بار اس نے اس دروازہ پر تھوک دیا جس پر اسحاق بیٹھا تھا
"صحرا کے ناپاک کیڑے یہ کیا حرکت" اسحاق نے گرج کر کہا خدا کرے
تیرے باپ کی قبر پر کتے پیشاب کریں"

"اور یہ گھر ان کتوں سے بھرا ہوا ہے ــــ تمہارا آقا بھی ان میں سے
ایک ہے" ساربان نے کہا" لعنت ہے اس پر ــــ میں نے اسی لئے
تم پر اور تمہارے آقا کے دروازہ پر تھوکا تھا"

"یہ آج تجھے کیا ہوگیا ہے" اسحاق نے پوچھا اس کو ساربان کے
ترکی بہ ترکی جواب پر بہت تعجب ہو رہا تھا کیونکہ یہ وہی ساربان تھا جو
عمر کی بہت عزت کرتا تھا اور وہی کیا اس طرف سے جو بھی قافلہ گذرتا
اس کے ساربان اور سوداگر عمر کے گھر کو احترام کی نظروں سے دیکھتے کبھی
کبھی یہ لوگ اسحاق کو تحفے تحائف بھی دیدیتے تھے۔

"کیا تم نے سنا نہیں" ساربان نے پھاٹک کے پاس آکر کہا" اس
ملحد نے ــــ تمہارے آقا نے اس شیطانی برج میں ایک جال پھیلایا
تھا پھر کسی بزرگ کو وہاں بلایا ــــ میں انکا نام تو بھول گیا لیکن بہت
بڑے مولوی اور امام ہیں ــــ انھوں نے تمہارے آقا کے جال کو تار تار
کر دیا ــــ سرائے والی کی بیوی سے میں نے سنا ہے کہ تمہارے آقا نے
بڑے مدرسہ میں جا کر دن ـ رات ـ آسمان اور زمین کے متعلق ایسی باتیں کہیں
جو خدا کے نزدیک بری ہیں اور ملحد کہتے ہیں۔

ساربان نے اپنی جیب سے انار نکالا اور اسکے چھلکے اتارنے لگا۔

الموت کا محاصرہ بھی اٹھا لیا گیا کیونکہ اس رسالہ کے سردار کو برکیارق کے کیمپ میں شریک ہونے کے لئے طلب کیا گیا تھا برکیارق ملک شاہ کا لڑکا تھا اور نظام الملک کا لڑکا فخر الملک اس کی تاج پوشی کی کوشش کر رہا تھا۔

دوسری طرف ملک شاہ کے دوسرے لڑکے شہزادہ محمد کو بغداد کے خلیفہ نے ملک شاہ کا جانشین تسلیم کر لیا تھا اور احکامات تک صادر ہو چکے تھے۔ سلطنت کے وفادار دو حصوں میں بٹ گئے ایک پارٹی شہزادہ برکیارق کو سلطان بنانا چاہتی ہے دوسری شہزادہ محمد کو۔ ملک کے اندر طوائف الملوکی اور خانہ جنگی شروع ہو گئی۔

حسن بن صباح تو اس موقعہ کا منتظر ہی تھا اور اب تو اسے محاصرہ سے بھی نجات مل گئی تھی اسمٰعیلیوں کی کانفرنس منعقد کرنے کے لئے وہ مصر پہونچ گیا۔ یہی وقت اس کے منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے کا تھا وہ خدا سے چاہتا تھا کہ ملک میں خانہ جنگی ہو اور ایران کا امن تباہ ہو۔ اسکے پیروؤں نے اپنے مذہب کا پروپیگنڈا زور و شور کے ساتھ جاری کر دیا شہزادہ برکیارق اور شہزادہ محمد کے باہمی تنازع سے حسن کو براہ راست فائدہ پہنچ رہا تھا۔ شام میں بھی اسمٰعیلیوں کا قلعہ بن گیا۔ اصفہان میں کوہ دزان پر انکا قبضہ پہلے سے ہی تھا اب کھلم کھلا وہاں مجلسیں ہونے لگیں۔

سلطان کے انتقال کی خبر سنتے ہی لیلیٰ نے بھی بہت سے مسلح سپاہی ملازم رکھ لئے ان میں زیادہ تر عرب تھے قابل اعتماد اور بہادر عرب

جنہیں ایرانیوں کی کوئی پرواہ نہیں تھی ـــــ لیلیٰ انکو عمدہ غذائیں کھلاتی اور کافی تنخواہیں دیتی۔ اس نے نیشاپور کے بازار سے کئی تیز رفتار گھوڑے اور لدّو اونٹ بھی خرید لئے تھے اسکو خطرہ تھا کہ نامعلوم کب بُرا وقت آجائے ـــــ اسی وقت کیلئے اس نے سپاہیوں کو رکھا تھا ـــــ تیز رفتار گھوڑے اس کو اور عمر کو آن کی آن میں نیشاپور کی سرحدوں سے باہر لیجا سکتے تھے ـــــ اس کو ایرانیوں پر بالکل بھروسہ نہیں تھا وہ جانتی تھی کہ یہ بھیڑ چال ہیں جس طرف سے بھی زور پڑا یہ ادھر ہی چل پڑیں گے۔

اب چونکہ امراء کا طبقہ اندرونی سازشوں میں مصروف تھا اس لئے عمر کا معاملہ بھی دب گیا تھا۔ اب وہ جلسے اور جلوس بھی بند ہو گئے جو عمر کے خلاف ہوا کرتے تھے ہر شخص کو اپنی اپنی پڑی ہوئی تھی ـــ بازاروں۔ قہوہ خانوں اور کاروان سرائوں میں باتیں اب بھی ہوتیں لیکن ان کا موضوع وہ خبریں ہوتیں جو بغداد یا رے سے آتی تھیں رات کے وقت شہر پناہ کے پھاٹک بند کر دیے جاتے اور رات بھر مسلح سپاہی سڑکوں پر گشت کرتے رہتے۔

ایک وقت ایسا آیا کہ عمر کی تنخواہ ملنا بھی بند ہو گئی لیکن عمر کو روپیہ کی ضرورت بھی نہیں تھی اس کے پاس بے شمار دولت تھی جو اس کی ساری زندگی گذارنے کے لئے کافی تھی۔

لیلیٰ نے کئی بار عمر سے برکیارق کے پاس جانے کے لئے کہا

برکیارق نے حال ہی میں بغدادی فوج کو پسپا کیا تھا وہ مجھتی تھی کہ پیشنگوئیاں کرنے کا یہ سنہری موقعہ تھا۔ اس فتح پر درباری شاعر معزی نے ایک قصیدہ بھی لکھا تھا۔ اگر عمر بھی وہاں موجود ہوتا تو اس کی گری ہوئی عزت دوبارہ حاصل ہو سکتی تھی لیکن عمر نے انکار کر دیا۔ اس نے ملک شاہ کے سوگ میں سیاہ لباس پہن رکھا تھا۔

"اب تم کو مرے ہوئے لوگوں کو فراموش کر دینا چاہیے" لیلیٰ نے کہا "وہ مٹی میں مل چکے اور اب تمہارے لئے کچھ نہیں کر سکتے۔ اب تم زندوں کے پاس جاؤ۔ شہزادہ برکیارق کے تعریف میں رباعیاں لکھو۔ پیشنگوئیاں کرو۔ پھر دیکھو کہاں سے کہاں پہونچتے ہو۔"

"مجھے اس کی تمنا نہیں ہے" عمر نے کہا "میں اپنی موجودہ حالت پر مطمئن ہوں"

"اب تمہاری عمر چالیس سے زیادہ گذر چکی ہے" لیلیٰ نے جلبلا کر کہا "لیکن ابھی تک تم کو زندگی میں سکون نصیب نہ ہوا۔ تم بھی دوسرے امراء کی طرح کوشش کیوں نہیں کرتے — خدا کی مار کو اس رصدگاہ پر جہاں پر بیٹھے ہوئے تم ہر وقت کاغذ پر لکیریں کھینچتے رہتے ہو۔ خدا کے لئے اٹھو اور شہزادہ برکیارق کی خدمت میں حاضری دو۔ اب اسکے ہی سلطان ہونے کا امکان ہے۔"

"میں نے دنیا میں صرف ایک بادشاہ کی ملازمت کی ہے

اور وہ ملک شاہ تھا ــــــ اب یہ جسم کسی دوسرے کا غلام نہیں ہو سکتا ــــــ اس کے علاوہ مجھے آج کی رات چاند گرہن کا مشاہدہ بھی کرنا ہے۔"

عمر تو قصر کوچک کی چھت پر پہنچ گیا اور اس کے دروازہ پر دارالقضاۃ کے سپاہی بلانے کے لئے آ گئے۔ آج عمر کے خلاف لگائے گئے الزامات کے مقدمہ کی سماعت تھی۔ دارالقضاۃ بڑے بڑے مولویوں سے بھرا ہوا تھا اور عمر کا انتظار ہو رہا تھا ــــــ عمر کو ہر حال میں وہاں پہنچنا لازمی تھا۔

۳۴

چونتیسواں باب

بھیانک طوفان

عمر جب دارالقضاۃ میں داخل ہوا تو اس مجلس میں شہر کے تقریباً تمام علماء اور فلسفی موجود تھے اس نے ایک ہی نظر میں سب کو دیکھ لیا صرف امام غزالی موجود نہیں تھے صدر مقام پر مفتی اعظم بیٹھے تھے عمر فرش پر دو زانو بیٹھ گیا تھا۔

وہ یہاں پر درسگاہ کے اساتذہ کے سامنے تقریر کرنے کیلئے یا مفتی اعظم کو صلاح دمشورہ دینے کے لئے اکثر آچکا تھا اسلئے یہاں بیٹھے ہوئے زیادہ تر لوگ اس کی جان پہچان کے تھے۔ عقلمند عمر نے ان لوگوں کی بے رخی کو دیکھ کر اندازہ کر لیا آج خیر نہیں ہے۔۔۔ اگر ملک شاہ زندہ ہوتا تو شاید یہ نوبت ہی نہ آتی لیکن اب معاملہ دوسرا تھا۔ سب سے پہلے اس نے قاضیوں کے سامنے حلف اٹھایا کہ کوئی چیز چھپائی نہیں جائے گی اور اپنے بیانات میں وہ سچائی سے کام لے گا۔

ایک قاضی نے کھڑے ہو کر عمر خیام بن ابراہیم سابق شاہی منجم کے خلاف لگائے گئے الزامات کی فہرست پڑھنا شروع کی ــــ

پہلا الزام تو عمر کی تصانیف پر تھا جو ملک شاہ کے حکم سے ملک کی تمام درسگاہوں کے نصاب میں شامل تھیں ــــ

" ان کتابوں کی تصانیف میں عمر خیام نے یونانیوں سے استفادہ حاصل کیا ہے " قاضی نے پڑھنا شروع کیا " ایغو یونانی ــــ اشراقی ــــ اسکندریہ اور افلاطونی اسکول کے فلاسفہ اور حکماء کی پیروی کی گئی ہے تصرف اسلام سے ان کا تعلق کچھ بھی نہیں ہے جس میں بجائے حکماء کے انبیاء کے اقوال کی پیروی ہوتی ہے اور اس کا مرکز خیال ثبوت ہوتا ہے ــــ اس لئے ایسی کتابوں کو نصاب سے خارج کر دینا چاہیئے "

دوسرا الزام عمر پر کافر ہونے کا تھا اس زمانہ کے متعدد علماء نے اس پر کفر کے فتوی لگائے تھے اور ان فتووں کے بنیاد یہ تھی کہ عمر خیام نے ملک شاہ کو بہکا کر ایک نئی تقویم بنائی اور اس طرح قمری سال کے بجائے ملک شاہی سال جاری ہوا ــــ وقت کو ناپنے کے لئے ملحدوں اور کافروں کے طریقے استعمال کئے ــــ یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ زمین آفتاب کے گرد گردش کرتی ہے اور آسمان اپنی جگہ پر قائم ہے یہ سارے

واقعات عمر کے خلاف ثابت ہو چکے تھے اور ان کے عینی گواہ اس وقت بھی وہاں موجود تھے۔

تیسرا الزام یہ تھا کہ عمر نے وقتاً فوقتاً ایسی رباعیاں لکھیں جن سے عوام میں دہریت اور کفر پھیلا ـــــ یہ ساری رباعیات اسلامی روایات کے خلاف تھیں۔

"حالانکہ یہ رباعیات اسلامی ابھی تک کتاب کی شکل میں جمع نہیں ہو سکی ہیں" اسی قاضی نے کہا "لیکن میں نے کئی ایسی رباعیاں حاصل کرلی ہیں ـــــ اگر مفتی اعظم کی اجازت ہو تو ان رباعیوں کو پڑھ کر سناؤں گا ـــــ نقل کفر کفر نہ باشد"

ہر شخص سنبھل کر بیٹھ گیا اور پوری مجلس میں دلچسپی پیدا ہو گئی۔

"پڑھو" مفتی اعظم نے کہا۔

قاضی نے آہستہ آہستہ رباعی پڑھنا شروع کی۔

صانع بجہاں کہنہ ہمچوں ظرفیست

آں امت مبتی وبظاہر برفیست

بازیچہ کفر ودیں بطفلان بسیار

بگذر ز مقامے کہ خدا ہم حرفیست

عمر نے تعجب کے ساتھ اس رباعی کو سنا "یہ میری رباعی نہیں ہے" اس نے کہا "یہ میرے اوپر سراسر بہتان ہے میں

اس معبود حقیقی کی شان میں ایسی گستاخی نہیں کر سکتا ہوں ۔۔۔"

وہ ایک دم کھڑا ہو گیا اس نے سوچا کہ اس کے لئے سب سے بہتر طریقہ یہی ہے کہ خاموش رہے اور عدالت کے فیصلہ کو خدا پر چھوڑ دے۔

"تم کو اپنی صفائی میں کچھ کہنا ہے" مفتی اعظم نے پوچھا۔

"صرف ایک رباعی ۔۔۔ اور کچھ نہیں ۔۔۔"

گویند مرا کہ مے پرستم ہستم
گویند مرا فاسق و مستم ہستم
در ظاہر من نگاہ بسیار مکن
کاندر باطن چنانکہ ہستم ہستم

"یہ رباعی یہاں کے ماحول سے متاثر ہو کر میں نے ابھی کہی ہے" عمر نے کہا اور خاموش ہو کر بیٹھ گیا۔

"اچھا اب تم باہر جا کر بیٹھو اور فیصلہ کا انتظار کرو" مفتی اعظم نے کہا۔

جب وہ دروازہ کی طرف بڑھا تو اس مجمع سے ایک چیچک رو درویش نے آگے بڑھ کر بہت آہستہ سے کہا جس کو صرف عمر ہی سن سکا "سب سے بہتر پناہ گاہ الموت ہے" لیکن عمر نے کوئی جواب نہ دیا۔ اور دارالقضاۃ کے باہر آکر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد فیصلہ سنانے کے لئے مفتی اعظم خود اسکے پاس

تشریف لائے۔

"تمہاری ساری کتابوں کو نصاب سے خارج کیا جاتا ہے اور ان کو ضبط کر کے ضائع کر دیا جائے گا رصدگاہ بھی بحق سرکار ضبط کی جاتی ہے اور اب وہ درسگاہ نیشاپور کی ملکیت تصور کی جائے گی ـــــ اس کے دروازہ کے اندر قدم رکھنے کی تم کو اب اجازت نہ ہوگی ـــــ تم آئندہ کسی عوامی جلسہ میں تقریر نہ کر سکو گے۔"

"بہتر ہے" عمر نے کہا "اور میرے متعلق ؟"

مفتی اعظم سوچنے لگے۔ "کچھ قاضیوں کا خیال ہے کہ تم پاگل ہو اور خدا کی پھٹکار میں مبتلا ہو ـــــ اب میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ واقعہ کہاں تک درست ہے ـــــ بہر حال تم آزاد ہو لیکن چوبیس[24] گھنٹے کے اندر تم کو نیشاپور چھوڑنا پڑے گا۔

"کب تک کے لئے"

"ہمیشہ کے لئے"

جب مفتی اعظم چلے گئے تو عمر بھی مسجد سے باہر نکل آیا۔ اب وہ آہستہ آہستہ شارع کتب فروشاں کی طرف جا رہا تھا ـــــ سڑک پر مڑتے ہی وہ چشمہ پر جا کر رک گیا ـــــ پانی اسی طرح روانی کے ساتھ بہہ رہا تھا جیسے اب سے پچیس[25] سال پہلے اور اسی طرح اس کے کنارے عورتیں بیٹھی ہوئی

اپنے گھڑوں کو پانی سے بھر رہی تھیں لیکن اب نہ یاسمین تھی نہ رحیم نہ بختیار تھا نہ نظام الملک ——— اس کے سارے دوست رخصت ہو چکے تھے صرف وہی تنہا رہ گیا تھا۔

لیلیٰ نے روتے ہوئے سارا حال سنا اب وہ نیشاپور میں ایک منٹ بھی رہنا نہیں چاہتی تھی وہ سمجھ گئی تھی کہ اب یہاں رہنے میں خطرہ تھا فرار ہونے کے لئے ابھی کافی وقت تھا اس کے پاس تیز رفتار گھوڑے اور لدو اونٹ موجود تھے پھر نا معلوم یہ چیزیں بھی نہ رہیں لیکن عمر نیشاپور چھوڑنے کو تیار نہ ہوا۔

دوسری شام کو اسحاق اس کے پاس دوڑتا ہوا آیا۔

" یا سیدی ——— میں نے رصدگاہ کی طرف ایک بڑے مجمع کو جاتے ہوئے دیکھا ہے " اس نے کہا " اس میں شہر شہر کے غنڈے بھی ہیں جو آپ کے خلاف نعرے لگا رہے تھے ——— خدا کے لیے جلدی چلئے ہم یہاں پر بھی محفوظ نہیں ہیں کسی وقت بھی وہ لوگ قصر کو جیک پر حملہ کر سکتے ہیں "

" ایک گھوڑا تیار کرو " عمر نے فوراً اٹھتے ہوئے کہا اور لیلیٰ سے کہتا گیا کہ اس کے جانے کے بعد وہ پھاٹک بند کر کے اندر سے تالا ڈال لے۔ پھر گھوڑے پر سوار ہو کر شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔

اس وقت سڑک بالکل ویران پڑی تھی جب وہ قبرستان

کے پاس پہونچا تو اس کے سامنے رصدگاہ کی عمارت تھی — بجائے رات کی تاریکی کے وہاں روشنی ہو رہی تھی جو لمحہ بہ لمحہ بڑھتی ہی جارہی تھی۔ جب وہ اور قریب پہونچا تو اس نے آگ کے شعلے دیکھے جو پوری رصدگاہ کو اپنے لپیٹ میں لیے ہوئے تھے۔ باغیچہ کے پھاٹک سے گذر کر وہ تیزی کے ساتھ اندر کی طرف دوڑنے لگا دھویں کے بادل اس کی چاروں طرف بھنور کی مانند گھوم رہے تھے وہ اندھا دھند عمارت کی طرف بھاگ رہا تھا کسی شخص نے اسکا بازو پکڑ کر گھسیٹ لیا۔

"او خدا — کیا تم اندھے ہو — دیکھ نہیں رہے ہو کہ وہاں آگ لگی ہوئی ہے اور تم وہاں جا رہے ہو؟"

"اب تو آگ بہت بڑھ گئی" عمر نے بے قراری کے ساتھ کہا

"ہاں — اور عنقریب ہماری رصدگاہ جل کر خاک ہو جائیگی" اس اجنبی نے جواب دیا۔

وہ لوگ جنھوں نے اس کو رصدگاہ کے دروازہ سے کھینچ کر علٰحدہ کیا تھا آپس میں بات چیت کرنے لگے — انمیں سے کچھ لوگوں کے پاس سامان کے بنڈل بھی تھے — دو شخص منطق البروج کی ان اشکال کی تقسیم میں جھگڑا کر رہے تھے۔ جس کو عمر نے سینکڑوں روپیہ خرچ کرکے بنوایا تھا — نیم مدہوشی کے عالم میں عمر اس مجمع کو دیکھ رہا تھا جو اب رصدگاہ کو لوٹنے کے بعد

چمن میں کھڑا ہوا تھا اور رصدگاہ کے جلنے کا منظر دیکھ رہا تھا۔ رصدگاہ کی اوپری منزل کو آگ نے ختم کر دیا تھا اور وہ گرنے لگی تھی۔

عمر کی ساری کتابیں ـــــ سیاروں کی جدولیں ـــــ زندگی بھر کے مشاہدات کے ریکارڈ ـــــ اقلیدس پر نامکمل تصنیف سب کچھ اسی منزل میں تھا۔

"میری کتابیں ـــــ" وہ یکبارگی چیخ سا پڑا "میری کتابوں کا کیا ہوا؟" اس نے برابر کھڑے ایک آدمی کو جھنجھوڑ کر پوچھا۔

"وہ تو سب آگ کی نذر کر دی گئیں ـــــ ہم نے صرف کتابیں ہی وہاں چھوڑ دی تھیں۔"

اب آگ بھی ٹھنڈی ہو چلی تھی اور ہوا میں بھی قدرے کمی آگئی تھی لوگوں نے واپس جانا شروع کر دیا کیونکہ انہیں شہر پناہ کا دروازہ بند ہو جانے کا خوف تھا ـــــ جیسے جیسے رات بڑھتی گئی وہاں ویرانی اور تنہائی میں اضافہ ہوتا گیا۔ اب چاند بھی پورا روشن ہو گیا تھا اور تقریباً تمام لوگ جا چکے تھے وہ آہستہ آہستہ اپنے چمن کی طرف بڑھا۔ اس کی لگائی ہوئی ساری کیاریاں روندی پڑی تھیں۔ گلاب کے تختے پاؤں سے کچل کر زمین دوز ہو گئے تھے۔ اس نے سوچا کہ اچھا یہی ہے کہ جلد سے جلد اس اجاڑ جگہ سے روانہ ہو جائے جہاں اس کے ارمانوں کی لاشیں پڑی تھیں جہاں اس کی تمناؤں کی قبریں بنا دی گئی تھیں

باغ سے باہر نکل کر معلوم ہوا کہ اسکا گھوڑا بھی غائب تھا یا تو کسی نے پار کر دیا تھا یا وہ غریب خود ہی اس دوڑ بھاگ سے گھبرا کر رفوچکر ہو گیا تھا۔ وہ پیدل ہی روانہ ہو گیا اسکے سر پہ چاند چمک رہا تھا جس کی روشنی میں اس کا واحد رفیق اس کا سایہ ساتھ دے رہا تھا لمبے لمبے قدم اٹھاتا ہوا وہ شہر پناہ کے پھاٹک پر پہنچ گیا لیکن وہ مدت کا بند ہو چکا تھا۔ اس نے پہریداروں کو کئی آوازیں دیں لیکن کوئی بھی نہ بولا۔ وہاں سے مایوس ہو کر وہ پھر ایک سمت کو روانہ ہو گیا اسکی کوئی منزل نہیں تھی۔ جہاں بھی مقدر لے جائے آخر چلتے چلتے وہ ایک گاؤں میں پہنچ گیا اب کافی رات آ چکی تھی لیکن گاؤں کی ایک دوکان کے دروازہ سے روشنی باہر آ رہی تھی۔ اندر سے آتی ہوئی قہقہوں کی آوازوں اور ستار بجنے کی آواز سن کر اس کے قدم رک گئے۔

اس نے دیکھا کہ ایک دوکان میں کمہار کا چاک گڑا ہوا تھا اور اس کے قریب ہی مٹی کے بہت سے آبخورے اور صراحیاں سوکھنے کے لئے رکھی ہوئی تھیں۔ اس کے برابر والی دکان سے روشنی اور شراب کی بھبک آ رہی تھی۔ خدا کا نام لے کر وہ اس دوکان میں داخل ہو گیا۔

دوکان کے اندر الماریوں میں صراحیاں رکھی ہوئی تھیں کئی

لالٹینیں روشن تھیں دری کے فرش پر ایک دیہاتی لڑکی بیٹھی ہوئی ایک نوجوان سے مسکرا کر باتیں کر رہی تھی یہ نوجوان ستار بجا رہا تھا اور اس کے سامنے ایک صراحی میں شراب اور جام رکھا ہوا تھا ایک بوڑھا آدمی الماری میں سے شراب کی صراحی نکال رہا تھا۔

عمر کو دیکھتے ہی وہ بوڑھا ایک دم اچھل پڑا لیکن پھر اسکے مسکراتے ہوئے چہرہ کو دیکھ کر فوراً مطمئن ہوگیا۔

"تشریف لائیے" بوڑھے نے آگے بڑھ کر عمر کا خیر مقدم کیا "میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں"

"مجھے صرف ایک رات گذارنا ہے" عمر نے کہا اگر آپ کوئی جگہ عنایت کر سکیں تو میں ممنون ہوں گا ــــ مجھے نیشاپور جانا تھا لیکن وہاں کا پھاٹک بند ہو چکا ہے"

"ضرور ــــ ضرور ــــ" بوڑھے نے کہا "میرا غریب خانہ حاضر ہے ــــ اس کے علاوہ اگر آپ کو کسی دوسری چیز کی رغبت ہو تو وہ بھی حاضر ہے" وہ صراحی کی طرف بڑھنے لگا۔

"شکریہ" عمر نے کہا "میں اس نعمت سے تو محروم ہوں"

"خوب!" بوڑھے نے تعجب سے کہا وہ اپنے دل میں کہہ رہا تھا کہ جب اس نعمت سے محروم تھے تو یہاں کیوں آئے

کہیں اور ٹھکانا کیا ہوتا لیکن وہ اپنی زبان دے چکا تھا اس لئے خاموش رہا۔ "آپ بہت غمگین نظر آ رہے ہیں؟"

"ہاں" عمر نے افسردگی کے ساتھ جواب دیا۔ "دنیا کی اس وسیع آبادی میں ایک بھی اپنا ہمراز و ہمدم نہ پا سکا — دنیا والوں نے اتنا تنگ کر دیا کہ وہاں سے بھاگ کر یہاں پناہ لینا پڑی۔"

عمر نے اپنے لباس میں نظر ڈالی جو گرد و غبار سے اٹا ہوا تھا اس نے ایک گہری سانس لی اور اس بوڑھے کمہار کو بھی دیکھنے لگا جو اس کو اس وقت فرشتہ معلوم ہو رہا تھا —

کافی رات گذرنے کے بعد وہ اس دوکان کے ایک کونے میں پڑ رہا۔ رات کو جب آنکھ کھلی تو پیاس معلوم ہوئی اس نے اٹھ کر صراحیوں کو دیکھا لیکن وہاں پانی کا کیا کام ہر جگہ شراب ہی شراب تھی پھر دوبارہ سو گیا۔

جب کسی نے اس کا کندھا پکڑ کر ہلایا تو آنکھ کھلی اس نے آنکھیں ملتے ہوئے دیکھا صبح کی مدھم روشنی دوکان میں آ رہی تھی اور بوڑھا کمہار اس پر جھکا ہوا تھا۔ "اٹھئے صاحب — کیا آج آپ نماز نہیں پڑھیں گے؟"

عمر ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا اگر بوڑھا کمہار نہ اٹھاتا تو آج کی نماز قضا ہو جاتی اس نے بوڑھے کی طرف ممنون نظروں سے دیکھا اور وضو کرنے کے بعد نماز پڑھنے لگا — آج کی نماز میں اس کو

جتنا لطف آیا تھا شاید زندگی میں پہلے کبھی نہ آیا ہو۔۔۔ بہت دیر تک خاموش بیٹھا سوچتا رہا پھر بوڑھے کمہار کو آواز دے کر بلایا اور اپنی رباعی سنائی جس کا مضمون اسی وقت اس کے دماغ میں آیا تھا۔

ما خرقۂ زہد در سر خم کردیم
وز خاک خرابات تیمم کردیم
باشد کہ دریں میکدہ ہا دریابیم
عمری کہ در آن مدرسہ ہا گم کردیم

پھر دوبارہ سونے چلا گیا ۔۔۔ اور دن گذرنے لگے سونا اور جاگنا۔۔۔ جاگنا اور سونا۔۔۔ دن کے وقت کمہار کے بوڑھے ہاتھ مٹی کی عجیب عجیب شکلیں بناتے۔۔۔ صراحیاں۔ آبخورے ۔۔۔ اور عمر ان کو اٹھا اٹھا کر آوے میں رکھتا۔ پکنے کے بعد انکو گدھوں پر لادتا۔ کمہار ان کو فروخت کرنے کے لئے بازار لے جاتا رات کو عمر گھنٹوں اپنی موجودہ زندگی پر غور کرتا۔۔۔ آج کل وہ مٹی پر سوچتا۔۔۔ یہی وہ مٹی ہے جو کبھی ذی ہوش آدمی بنتی ہے کبھی جماد کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔۔۔ کبھی اس سے عاشق کا دل دیوانہ اور کبھی شرابی کا پیالہ اور پیمانہ بنایا جاتا ہے ۔۔۔ اور کبھی یہی مٹی کسی شہریار کی شہ رگ کا خون اور کبھی لالۂ بستانی کا رنگ بنتی ہے۔ اور یہ واقعہ ہے کہ مٹی سے زیادہ انقلاب وفنا پر

حقیقی مواد اسے کہاں مل سکتا تھا ـــ کبھی کوزوں اور صراحیوں پہ نظر پڑتی تو وہ بول اٹھتا:۔

درکارگہ کوزہ گرے رفتم دوش[1]

دیدم دو ہزار کوزہ گویا و خموش

ناگاہ یکے کوزہ بر آورد و خروش

کو، کوزہ گرو۔ کوزہ خرو۔ کوزہ فروش

" میری وجہ سے تمہیں کوئی تکلیف تو نہیں ہے " ایک روز عمر نے کمہار سے پوچھا۔

" نہیں میاں ـــ تکلیف کیوں ہوتی ـــ آپ کے آنے سے تو میرا کاروبار دوگنا چوگنا ہو گیا ہے " کمہار نے کہا " لیکن آپ کے کرنے کا یہ کام نہیں تھا آپ کو ضرور صدمہ ہوتا ہوگا "

" اوہ ـــ اس کی فکر نہ کرو ـــ جو دن گذر گئے وہ

---

[1] ترجمہ از حضرت مولانا حامد حسین قادری مدظلہ:۔

کل کوزہ گری دیکھ کے جاتے رہے ہوش

گویا تھے ہزار کوزے ـ لیکن تھے خموش

ایک کوزے سے شور اٹھا کہ ہو جائیں گے خاک

سب کوزہ گر و۔ کوزہ خر و۔ کوزہ فروش

پھر نہیں آ سکتے"

ایک روز تو صبح کا سورج ایک نئی مصیبت لایا۔ عمر کو سوتے سے اٹھانے والی لیلیٰ تھی اس کی آواز غصہ کی وجہ سے کانپ رہی تھی اس کے برابر اسحاق کھڑا تھا۔

"واہ یہ بھی خوب رہی" لیلیٰ نے ہاتھ مٹکا کر کہا" ہم نے تو تمہاری تلاش میں جان لڑا دی ــــ ہفتے ہو گئے نیشا پور کا کونہ کونہ چھان ڈالا اور آپ یہاں مزے کر رہے ہیں ــــ قصر کوچک لٹ گیا ــــ مہاجنوں نے قرضے میں اس کو نیلام کرایا۔ رصدگاہ جل کر خاک ہو گئی لیکن تمہیں کچھ بھی خبر نہیں ہے"

"جو ہونا تھا ہو چکا" عمر نے بے پرواہی سے کہا" اب تو رصدگاہ کی خاک ہوا میں بھی اڑ چکی ہو گی۔ اور ممکن ہے کہ یہاں کی صراحیوں اور آبخوروں میں اس کی مٹی بھی شامل ہو چکی ہو ــــ پھر کیا فکر؟"

"اب نئے سلطان کے دربار میں تمہارا مذاق اڑایا جاتا ہے" لیلیٰ نے کہا" تمہاری جنتری منسوخ کر دی گئی اور دوبارہ قمری جنتری شروع کر دی گئی ہے ــــ

"میری جنتری ــــ میری جنتری کبھی ختم نہیں ہو سکتی ــــ اگر سلطان نے اس کو منسوخ کر دیا ہے زمانہ ختم نہیں کر سکتا۔

"عورتیں دریا پر نہاتے وقت میرا مذاق اڑاتی ہیں تمہارا نام لے کر چڑاتی ہیں کہ او خیام کی کنیز اب تیری بہار ختم ہو گئی ــــ

تمہاری ساری جائداد ختم ہو گئی ۔۔۔ دولت لٹ گئی ۔ میرے اور اسحاق کے پاس صرف ایک ایک گھوڑا رہ گیا ہے اور وہ لباس جو جسم پر ہے ۔۔۔ اور تم یہاں کمہار کی لڑکی سے عشق ۔"

اور ۔۔؟ " عمر نے بیٹھتے ہوئے کہا " لیلیٰ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ اب ایسا نہ ہو گا ۔۔۔ عورتیں میرا نام لے کر اب تمہیں نہ چھیڑیں گی ۔۔۔ ہاں اسحاق " وہ اسحاق کی طرف مڑا " تمہارے پاس تو میری کئی من چاندی ہے ؟"

" ارے ! اسحاق کے پاس تمہاری چاندی ہے !" لیلیٰ نے چونک کر کہا " کتنی ہے ؟"

" اور لیلیٰ تمہارے پاس بیس توڑے اشرفیوں کے اور جواہرات ہیں " عمر نے کہا ۔

لیلیٰ اور اسحاق نے ایک دوسرے کو شکایت آمیز نظروں سے دیکھا ان دونوں کو بالکل خبر نہیں تھی کہ ایک دوسرے کے پاس کیا تھا ۔ ان دونوں کو شبہ تو پہلے بھی تھا کہ عمر دل کا حال جان لیتا ہے لیکن آج یقین ہوا دونوں کے سر شرم سے جھک گئے ۔

" ٹھیک ہے " عمر نے کمہار کی طرف مخاطب ہو کر کہا " بڑے میاں تم گواہ رہنا ۔۔۔ میں نے اپنی ساری دولت جو میری کنیز لیلیٰ اور غلام اسحاق کے پاس ہے ان دونوں کو دیتا ہوں ۔۔۔ جو کچھ بھی

جس کے پاس ہے وہ اس کا شرعی مالک ہے ـــــ نیشاپور جاکر مفتی اعظم کے سامنے تو گواہی دے کر اس کی تصدیق کرا دینا"

"لیکن آقا آپ؟" اسحاق نے بے چینی سے پوچھا۔

"میں! ـــــ میرے پاس اب کیا رہ گیا ہے ـــــ میری کتابیں درسگاہوں کے نصاب سے خارج کر دی گئیں وہ تلف کر دی گئیں ـــــ رصدگاہ جلا دی گئی ـــــ جائداد ضبط ہو گئی ـــــ قصر کو چک نیلام ہو گیا ـــــ جنتری منسوخ ہو گئی ـــــ اپنے وطن نیشاپور سے نکال دیا گیا ـــــ اب" عمر نے ٹھنڈی سانس بھری "ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں ـــــ تم میری فکر نہ کرو ـــــ آج سے میں تم دونوں کو آزاد کرتا ہوں"

دونوں نے جھک کر سلام کیا۔

"اور مفتی اعظم سے یہ بھی کہہ دینا کہ میں اس قافلہ کے ساتھ چلا جاؤں گا جو عنقریب حلب کو جانے والا ہے" عمر نے کہا "اچھا اب تم نیشاپور جاؤ ـــــ تم دونوں جاؤ۔"

اپنے گھوڑوں پر سوار ہوتے وقت دونوں کھسر پھسر کر رہے تھے۔ لیلیٰ اپنی نقاب کے اندر رو رہی تھی اسحاق نے آگے بڑھ کر رکاب میں پاؤں جمانے میں اس کی مدد کی تو اسے روتے دیکھا "اب تجھے کیا ہوا جو تو رو رہی ہے" اسحاق نے پوچھا۔

"مجھے نہیں معلوم ـــــ لیکن کیا ـــــ کیا یہ سب اشرفیاں اور

جواہرات میرے ہی ہیں ۔۔۔ ؟"

"بالکل ۔۔۔ آقا نے ابھی تو کہا تھا"

لیلیٰ نے آنسو پونچھ لئے۔ نیشاپور میں مفتی اعظم کے مکان کی طرف جاتے ہوئے، وہ بازار کی طرف دیکھے بغیر نہ رہ سکی جہاں عورتیں کھڑی ہوئی قسم قسم کا ریشمی کپڑا خرید رہی تھیں۔

۳۵

پینتیسواں باب

سناٹا

خراساں روڈ سے دو منزل پر ایک کاروان سرائے کے صحن میں وہ بیٹھا ہوا تھا اس کے سامنے آگ جل رہی تھی اور وہ آلتی پالتی مارے ہوئے زمین پر بیٹھا ہوا آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں کو دیکھ رہا تھا جنہوں نے رات بھر اسے گرم رکھا تھا اسکے کندھے پر ایک اونٹ کے بالوں کی عبا پڑی تھی جو انتہائی بوسیدہ اور جگہ جگہ سے پھٹی ہوئی تھی۔ اس نے اپنے ننگے پاؤں آگ کے سامنے کر رکھے تھے جو ٹھنڈ کی وجہ سے برف ہو رہے تھے اور ان میں پڑے ہوئے چھالوں اور زخموں سے تکلیف بھی غائب ہو چکی تھی ___ وہ رات بھر الاؤ کے سامنے بیٹھا رہا اب صبح ہونے والی تھی ___ ایک تیز ہوا کے جھونکے نے بہت سے سوکھے پتے اس کے سامنے لا کر ڈھیر کر دیے اس نے اپنی شکستہ دامن میں ان کو بھرا اور آگ میں جھونک دیا ایک لمحہ کے لئے

شعلے بلند ہوئے اور دہی ٹھنڈے ۔۔۔ اس کی پیٹھ میں کھجلی ہو رہی تھی اس نے ایک سوکھی ہوئی ٹہنی اٹھا کر کھجایا اب صبح ہونے میں تھوڑی ہی دیر باقی تھی ستارے جھلملا کر بجھتے جا رہے تھے۔

کوئی چیز اسے دیر سے پریشان کر رہی تھی اور وہ تھی گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز جو سخت زمین اور رات کے سناٹے میں دیر سے آ رہی تھی ۔۔۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد اسے ایک سوار آتا ہوا معلوم ہوا

"اوہ !" اس نے اطمینان کی سانس لی کیونکہ وہ کوئی فوجی رسالہ وغیرہ نہ تھا بلکہ ایک سوار تھا ایک معمولی سوار۔۔۔

سوار نے اس آگ کو دیکھا تو گھوڑے سے اتر پڑا اور گھوڑے ایک پیڑ سے باندھ کر وہیں آ کر بیٹھ گیا " اوہ اللہ ۔۔۔" اس نے اس طرح سانس بھری جیسے بہت دور سے آ رہا ہو" نیشاپور اب کتنی دور رہ گیا ہو گا ؟" سوار نے پوچھا "اے شخص تم نے خواجہ عمر خیام کو تو نہیں دیکھا جو کسی قافلہ کے ساتھ سفر کر رہا ہے ؟"

اس نے چند خشک لکڑیاں آگ پر ڈالیں اور سوچنے لگا اسی وقت سرائے کے دروازہ سے کوئی شخص نکلتا ہوا نظر آیا یہ سرائے دار تھا جو اس سوار کی آواز سن کر باہر نکل آیا تھا۔

"آپ کیا دریافت کر رہے ہیں ؟" سرائے دار نے

سوار سے پوچھا۔

"میں خواجہ عمر خیام کی تلاش میں ہوں" سوار نے کہا "کیا وہ یہاں تو وہ مقیم نہیں ہیں؟"

"نہیں" سرائے دار نے جواب دیا "ہمارے یہاں بہت سے سوداگر آج کے قافلے کا انتظار کر رہے ہیں لیکن ان میں خواجہ عمر خیام کوئی نہیں ہے"

"میرا ہی نام عمر خیام ہے" شکستہ حال شخص نے کہا۔

دونوں آدمی — سوار اور سرائے دار اسے مشتبہ نظروں سے دیکھنے لگے پھر سوار نے زور سے قہقہہ لگایا۔

"میرے خدا!" سوار کے لہجہ میں تمسخر تھا "کیا مصر کے خلیفہ کا خط مجھے ایسے شخص کو دینا ہوگا جو کسی سرائے کا چوکیدار ہو! — جس کے بال بڑھے ہوئے ہوں اور لباس بوسیدہ ہو! — خلیفہ نے عمر خیام کے نام ایک خط بھیجا ہے کہ وہ آگر مصر کی رصدگاہ کا چارج لے لے — مجھے حکم ملا ہے کہ میں خواجہ عمر خیام کو مصر کے دربار تک احترام اور حفاظت کے ساتھ پہونچا دوں۔ —" سوار نے پھر قہقہہ لگایا کیونکہ ظاہری شکل و صورت سے وہ عمر کو پاگل سمجھ رہا تھا۔

"عمر خیام میں ہی ہوں" عمر نے ایسے لہجہ میں کہا کہ دونوں مرعوب ہو گئے۔

اپنی جیب سے سوار نے ایک لفافہ نکالا جس پر بہت سی شاہی مہریں لگی تھیں " یہ دیکھئے " اس نے عمر کے سامنے خط پیش کر دیا۔

" الموت کا حسن بن صباح بھی تو آج کل مصر میں ہے " عمر نے کہا۔

" ارے ! یہ آپ کو کس طرح معلوم ہوا ! " سوار نے حیران ہو کر کہا کیونکہ حسن اس وقت بہت خفیہ طور سے وہاں پہنچا تھا " آپ کہہ تو صحیح رہے ہیں لیکن ــــــ "

" مجھے قلم اور دوات کی ضرورت ہے " عمر نے سرائے دار سے کہا جس کا منہ اس وقت حیرت سے کھلا ہوا تھا کیونکہ یہ وہی شخص تھا جسے اس نے سرائے کے اندر قیام کرنے سے منع کر دیا تھا اس کے خیال سے عمر کوئی چور اچکا تھا۔

خط کو اٹھا کر وہ دیکھنے لگا لیکن کھولا نہیں ــــــ وہ کافی وزنی تھا اس لئے یہ ظاہر تھا کہ کافی طویل ہو گا ــــــ اپنے ہاتھ پہ وزن کرتے ہوئے اس نے آنکھیں بند کیں اور سوچنے لگا۔

اس وقت اس کی نظروں کے سامنے سینما کی تصویروں کی طرح گذشتہ زمانہ پھرنے لگا ــــــ نظام الملک اور حسن بن صباح اس کے ساتھ بیٹھے مدرسہ میں پڑھ رہے ہیں ۔ پھر نظام سے دوبارہ ملاقات ہونا جو اس سے نئی جنتری کے لئے کہہ رہا تھا۔

دوسرا سین آیا رصدگاہ کی عمارت بن رہی تھی ملک شاہ اس سے گفتگو یاں کرنے کیلئے دیکھ رہا تھا ۔۔۔۔ پھر رحیم ۔ بختیار اور حسّام کی تصویریں ہو گئیں ۔۔۔۔ یاسمین کی موت کا نقشہ ۔۔۔۔ پھر عدالت کے سامنے حاضری مفتی اعظم کا فیصلہ ۔۔۔۔ رصدگاہ کا چلنا ۔۔۔۔ جائداد کی ضبطی ۔۔۔۔ جلاوطنی ۔۔۔۔ غرضکہ ہر تصویر صاف اور واضح طور پر اس کی نظر کے سامنے تھی ۔۔۔۔ اس نے اپنی زندگی ایک خشک پتے کی مانند گذاری تھی جس کو ہوا ہمیشہ اڑا اڑا کرلے جاتی رہی ہو ۔۔۔۔ کبھی وہ خود پر نازاں تھا اس کو اپنی دولت علم اور رتبہ پر فخر تھا لیکن آج ۔۔۔۔ اس نے اپنے ہاتھ ایسے پردے کی طرف بڑھائے جو غیر محسوس تھا لیکن اس کے بجائے اس کے ہاتھوں میں سرائے دار نے قلم دیدیا۔

اس کو دو راستوں میں سے ایک کو چننا تھا ۔۔۔۔ ایک طرف دبی پچھلی زندگی ۔۔۔۔ دوسری طرف ایک نئی زندگی ۔۔۔۔ ماضی کی تلخیاں اسے جلد فیصلہ کرنے میں اکسا رہی تھیں ۔۔۔۔ خلیفہ کو جواب دینا بھی ضروری تھا آگ کے قریب ہو کر اس نے بند لفافے کی پشت پر صرف چار سطریں لکھ دیں ۔۔۔۔ اپنا آخری فیصلہ :-

من گوہر خود بہ قیمتم نہ دہم
درد تو بصد ہزار مرہم نہ دہم
خاک در تو بہ مملکت جم نہ دہم
یک موے ترا بہ ہر دو عالم نہ دہم

اس نے وہ لفافہ قاصد کی طرف بڑھا دیا۔

"لیکن آپ نے خط تو پڑھا ہی نہیں" سوار نے تعجب سے کہا۔

"مجھے معلوم ہے کہ اسمیں کیا لکھا ہے"

وہ قاصد کھڑا ہو گیا ـــــ خلیفہ نے اس کو بتایا تھا عمر ایک پُراسرار شخصیت کا مالک ہو گا وہ انسانی قسمتوں کا حال جاننے والا ہو گا اور واقعی وہ ایسے ہی نکلا ـــــ اپنا گھوڑا کھول کر وہ سرائے دار کے ساتھ سرائے میں چلا گیا۔

عمر نے آسمان کی طرف دیکھکر ٹھنڈی سانس لی اب وہ دنیا میں ایسا ہی تھا جس طرح یہاں پیدا ہوا تھا۔ نہ دوست ۔ نہ ساتھی۔ نہ غلام اور نہ رشتہ دار۔ـــــ

اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا اور آگ کے سامنے اکڑوں بیٹھ گیا۔

"یا خدا! تو خوب جانتا ہے کہ میں نے امکان بھر تجھ کو پہچانا ہے۔" اس نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا "میری بقیہ زندگی تیری بندگی میں گذرے۔"

اب کہیں دور سے ہوا کے جھونکوں کے ساتھ قافلہ کے آوازیں آنے لگیں وہ جلدی اٹھ بیٹھا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا تارے جھلملا کر پھیکے پڑ گئے تھے ـــــ وہ ڈگمگاتے ہوئے قدموں سے سرائے کے دروازہ کی طرف بڑھنے لگا اس نے سرائے کے تمام مسافروں کو جگا دیا کیوں کہ اب قافلہ کی گھنٹیوں کی آواز تیز

آنے لگی تھی ۔۔۔ ہر شخص عمر پر خفا ہوا کہ اس نے سوتے سے کیوں اٹھا دیا لیکن جب یہ معلوم ہوا کہ قافلہ آنے والا ہے ہر شخص خاموش ہو گیا۔

امیر کارواں نے عمر کی شکل دیکھ کر اندازہ کر لیا تھا کہ وہ کوئی فقیر ہوگا اس لئے اس نے قافلہ میں شریک کرنے سے انکار کر دیا۔

"لیکن اس کے نام خلیفہ مصر کا خط آیا تھا" سرائے دار نے کہا "میں نے خود اپنی آنکھوں سے اس کو نظم میں جواب لکھتے ہوئے دیکھا ہے"

امیر کارواں نے اپنی واسکٹ کے بٹن لگائے "اچھا تو یہ عمر خیام ہے!" اس نے عمر کی طرف حیرت سے دیکھتے ہوئے کہا "خیر اگر تمہاری مرضی ہے تو اپنے کارواں میں شریک کر لوں گا لیکن اونٹ کا کرایہ کون دیگا؟"

"میرے پاس صرف ایک انگوٹھی ہے" عمر نے اپنی انگلی سے مہر کی انگوٹھی اتارتے ہوئے کہا "اس وقت تو اسکی قیمت کچھ بھی نہیں ہے لیکن ممکن ہے کہ آئندہ اس انگوٹھی کی قیمت سے کئی اونٹ خرید لو"

"خیر ۔۔۔ یہی سہی ۔۔۔ جلدی کرو"

"میں تیار ہوں" عمر نے کہا اور اپنا بوسیدہ لبادہ اٹھا کر اونٹ پر سوار ہو گیا جو اس کے واسطے کارواں سرائے کے دروازہ پر

بٹھادیا گیا۔

کارواں روانہ ہوگیا۔۔۔۔ اس کارواں کی منزل حلب تھی لیکن عمر بجائے خود ایک ایسا کارواں تھا جس کی کوئی منزل نہ تھی ۔۔۔۔ لیکن آخر میں ان دونوں قافلوں کی ایک ہی منزل تھی۔ موت

محمود نیازی

خواجہ قطب۔ بریلی

۸ / جون ۱۹۵۸ء

اس ناول کی تیاری میں مندرجہ ذیل کتب سے استفادہ حاصل کیا گیا ہے

۱۔ تاریخ کامل ـــــ ابن اثیر
۲۔ ابن خلکان ـــــ (ترجمہ الپ ارسلان)
۳۔ تاریخ فاطمین مصر ـــــ مولفہ ڈاکٹر زاہد علی
۴۔ آئین اکبری ـــــ ترجمہ فدا علی طالب
۵۔ سلاجقہ ۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی
۶۔ نظام الملک طوسی ۔ مولوی عبدالرزاق کانپوری
۷۔ شعر العجم ۔ علامہ شبلی رح
۸۔ خیام ۔ سید سلیمان ندوی
۹۔ فردوس بریں ۔ مولانا عبدالحلیم شرر
۱۰۔ حسن بن صباح ۔ مولانا عبدالحلیم شرر
۱۱۔ حدائق النجوم
۱۲۔ مساواتوں کا نظریہ ۔ محمد نظیر الدین
۱۳۔ سکونیات ۔ محمد نظیر الدین
۱۴۔ حرکیات ۔ محمد نظیر الدین
۱۵۔ علم ہیئت کردی محمد نظیر الدین
۱۶۔ اصلاحات علم ہیئت۔

17. Omar Khyyam & his age—by Otho Rothfeld.
18. Omar Khyyam by Harold Lamb.
19. Algebra of Omar Khyyam by Daoud S. Kasir.
20. Rubaiyat Omar Khyyam by Fitz Gerald.

۲۱۔ رسالہ کون و تکلیف ۔ عمر خیام } بحوالہ سید سلیمان ندوی
۲۲ رسالہ وصف موصوف ۔ عمر خیام } مع ترجمہ و حاشیہ۔
۲۳. عرائس النفائس ۔ عمر خیام } (خیام مصنفہ ندوی)

حرفِ آخر

حجۃ الحق خواجہ امام عمر بن ابراہیم الخیامی پر یورپ نے بہت کچھ لکھا ہے کئی سو برس سے یہ سلسلہ جاری رہا ہے اور نہ معلوم کب تک جاری رہے لیکن مشرق اور خاص طور سے ہندوستان کا اُردو داں طبقہ اسے صرف رباعی گو شاعر ہی خیال کرتا ہے۔ ایک ایسا رند میخوار جس کے چاروں طرف شراب کے پیالوں اور صراحیوں کا انبار ہو اور وہ ان میں بیٹھا ہوا رباعیاں لکھ رہا ہو۔ اگر کسی پڑھے لکھے یا ان پڑھ مولوی ٹائپ کے سامنے خیام کا نام لیا جائے تو وہ منہ بنا کر کہتا ہے "لاحول ولا قوۃ تم نے بھی کس ملحد کا نام لیا ہے! ارے صاحب وہ تو دائم الخمر تھا۔ زندیق تھا کافر تھا" اگر ہمت کر کے ان مولانا سے پوچھا جائے کہ کیوں صاحب آپ کے پاس اس کے زندیق۔ ملحد اور کافر ہونے کے کیا ثبوت ہیں" تو فوراً ہی خیام کی کوئی رباعی پڑھ دی جاتی ہے جیسے "ابریق مئے مرا شکستی ربی" وغیرہ حالانکہ اس قسم کی مہمل اور بیہودہ رباعیوں سے خیام کو دور کا واسطہ بھی نہیں ہے اور یہ اس کی طرف سے منسوب کر کے گڑھ لی گئی ہیں۔ خیام کا سارا کلام شراب معرفت سے پر ہے۔ حق تعالیٰ کے ذکر و حمد سے لبریز ہے۔ اس کی تمام تصانیف خدا کے وجود اور اس کی ذات و صفات سے بھری ہوئی ہیں اُردو میں اسکی بیشتر رباعیات کا ترجمہ ہو چکا ہے لیکن لوگوں نے اسکی شراب کو بھٹی والی معمولی شراب ہی سمجھا پھر یورپ کا کیا قصور جو اس نے خیام کی شراب معرفت کو WINE سمجھا۔ میں نے ایک دوست مہندر سہائے مسکینہ سے اپنے ناول

"عمر خیام" کا ذکر کیا تو بولے کہ خیام کو تو میں جانتا ہوں" میں نے تعجب سے پوچھا کہ وہ کس طرح ؟ کہنے لگے کہ "خیام تو وہی ہے نا جس کی کویتاؤں کا انوواد ہندی میں بھی ہو چکا ہے ۔ وہ دارو کا بہت رسیا تھا اسکی ساری کویتائیں مدرا سے بھری ہوئی ہیں" ۔ اگر میں یہی سوال کسی اُردو داں سے کرتا تو وہ بھی یہی جواب دیتا اگر وہ زیادہ پڑھا لکھا ہوتا ورنہ زیادہ تر لوگ تو خیام سے ناواقف ہی ہیں۔

ہیرالڈ لیمب تاریخی ناول لکھنے میں مشہور ہے اس کے کئی ناولوں کا ترجمہ اردو میں ہو چکا ہے جیسے امیر تیمور اور چنگیز خاں وغیرہ ۔ مجھے اسکا ناول "عمر خیام" مل گیا ۔ یہ ناول دلچسپ تو بہت تھا لیکن مصنف نے قدم قدم پر اسلام دشمنی کا مظاہرہ کیا تھا ۔ سلجوقیوں کے صلیبی کارناموں حسن بن صباح کی ریشہ دوانیوں اور نظام الملک طوسی کی سیاسی سوجھ بوجھ کو غلط رنگ میں پیش کیا گیا مجھے خیام سے دلچسپی پیدا ہوگئی اُردو اور فارسی کا دوسرا لٹریچر تلاش کیا ۔ سب سے پہلے علامہ شبلی کی شعر العجم ملی ۔ اس میں خیام کا مختصر لیکن مستند حال تھا لیکن میرے کام نہ آسکی کیونکہ اس میں صرف خیام کی شاعری اور فلسفیانہ خیالات پر تبصرہ کیا گیا تھا ۔ پھر میں نے ابن الاثیر کی تاریخ کامل تاریخ فاطمین مصر ۔ ابن خلکان اور بہت سی مستند تاریخوں کا مطالعہ کیا ۔

خیام پر سب سے بہتر سید سلیمان ندوی کی کتاب " خیام ملی ۔ سید سلیمان ندوی نے واقعات کی تلاش اور جستجو ۔ ماخذوں اور سندوں کے حوالوں اور مختلف سنین کی تحقیق میں انتہائی احتیاط سے کام لیا تھا ۔ ان کتابوں کو پڑھ کر

خیام کے متعلق بہت سی بدگمانیاں اور غلط فہمیاں دور ہو گئیں جو یورپ نے پیدا کی تھیں۔ یہ معلوم ہونے لگا جیسے نیشاپوری خیام اور یورپ کا خیام دو علیحدہ علیحدہ شخصیتیں ہیں ـــ ایک طرف رند لاابالی۔ خدا کا منکر اور تناسخ کا قائل خیام دوسری طرف حدیث۔ لغت۔ فلسفہ اور تاریخ کا عالم۔ ریاضیات۔ حسابیات اور معقولات کا امام۔ خدا اور رسول کو ماننے والا۔ امام غزالی کا ہمعصر اور خاص دوست۔ حجۃ الحق خواجہ امام عمر خیام۔ وہ خیام جس نے حضرت خواجہ ابو یوسف چشتیؒ حضرت شیخ فرید الدین عطارؒ۔ اور حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ جیسے بزرگوں کو دیکھا ہو اور ان سے فیضیاب ہوا ہو ان دونوں خیاموں میں کتنا فرق تھا! وہی جو مشرق و مغرب میں ہے جو آسمان اور زمین میں ہے ـــ جو ایک عالم باعمل اور بے عمل میں ہے!

میرا یہ ناول انھیں مستند تاریخوں سے ماخوذ ہے جہاں تک افسانوی واقعات کا تعلق ہے وہ ہیرالڈ لیمب کا عکس لطیف ہیں، ترجمہ نہیں۔ وہ بھی صرف زیب داستان کیلئے ـــ اگر میں ایسا نہ کرتا تو اس ناول کا حشر بھی وہی ہوتا جو تاریخی کتابوں اور خشک لٹریچر کا ہوتا ہے۔

اس ناول کے مطالعہ سے پیشتر اگر خیام کے مختصر حالات بھی مطالعہ کر لیے جائیں تو بہتر ہو گا۔

عمر کے باپ کا نام ابراہیم تھا۔ وطن نیشاپور۔ تاریخ پیدائش غالباً سنہ [illegible] ہجری۔ پیشہ خیمہ دوزی۔ اسی وجہ سے خیام کی نسبت کے ساتھ مشہور ہے۔ خیمہ دوز ہونا اسلام میں کوئی تحقیر یا توہین کا باعث نہیں ہے بلکہ

اسلامی معاشرت اور مساوات کی یہ روشن مثال ہے۔ اسلام میں مشاہیر عالم اور اکابر فن اور بزرگان دین میں بہت سی ایسی ہستیاں ملتی ہیں جو ادنیٰ خاندانوں اور چھوٹے پیشوں سے اعلیٰ مقامات پر پہونچیں۔ امام شمس الائمہ فقہ حنفی کے مشہور امام حلوائی تھے۔ حجۃ الاسلام امام غزالی سوت کاتنے والے تھے۔ وحدت کے مشہور مبلغ اور شہید حسن بن منصور حلاج نداف تھے مشہور بزرگ اور شاعر حضرت شیخ فریدالدین عطار تھے۔

خیام کی شادی ہوئی تھی اور اس کی اولاد کا سلسلہ بھی چلا تھا۔ مولوی عبدالرزاق صاحب کانپوری کی یہ روایت جو انھوں نے "نظام الملک" کے ضمیمہ خیام میں تحفۃ العراقین کے حوالہ سے لکھی ہے صحیح نہیں ہے کہ عمر خیام نے کبھی تاہل کی زندگی اختیار نہیں کی اور ہمیشہ مجرد رہا۔ خیام کے مستند اور پہلے سوانح نگار ابوالحسن بیہقی نے خیام کے داماد امام محمد بغدادی کی روایت سے انکی وفات کا واقعہ نقل کیا ہے[1] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خیام کی ایک لڑکی تھی جس کی شادی بغداد کے امام محمد نامی کسی شخص سے ہوئی تھی دولت شاہ سمرقندی نے خیام کے سلسلہ اولاد میں ایک شاعر ملک الکلام شاہ پور اشہری نیشاپوری کا ذکر کیا ہے[2] اور شاہ پور کے کچھ اشعار بھی لکھے ہیں۔

خیام نے مذہبی تعلیم جمال الاسلام امام موفق سے حاصل کی اسی درسگاہ میں

---

[1] اقتباسات بیہقی ــــ بلیٹن آف اورینٹل اسٹڈیز فروری ۱۹۲۹ء

[2] تذکرہ دولت شاہ سمرقندی ص ۱۳۸ ــ گب ــ دانش کدہ آذر ص ۱۳۹

نظام الملک طوسی ۔ حسن بن صباح اور عمر خیام کے ساتھ ساتھ پڑھنے کا واقعہ مشہور ہے۔ امام موفق اس زمانہ کے اتنے زبردست عالم تھے کہ ان کے صاحبزادے امام الحرمین کی تعلیم اور فیض تربیت سے امام غزالی جیسے شاگرد ہوئے۔ خیام کے اساتذہ ہیئت میں خواجہ ابوالحسن الانباری کا نام نمایاں نظر آتا ہے اس نے یونانی ہیئت کی سب سے بڑی کتاب المجسطی ان سے ہی پڑھی تھی۔ خیام نے اپنے رسالہ کون و تکلیف میں ابو علی سینا کو اپنا استاد (معلم) لکھا ہے لیکن سنین مطابقت نہیں کرتے ممکن ہے کہ وہ انکا شاگرد ہو یا ان کے کسی شاگرد کا شاگرد ہو اور احتراماً معلم لکھا ہو۔ وہ ابو علی سینا سے عقیدت تو انتہائی رکھتا تھا اور اس کے ایجاد کردہ مسئلہ عقول عشرہ کا وہ قائل تھا۔

تمام تذکرے متفق ہیں کہ فلسفہ و حکمت میں ابو علی سینا کے بعد خیام کا ہی درجہ تھا۔ بیہقی اور شہرزوری کی رائے میں "علوم حکمت کی مختلف قسموں میں ابو علی سینا کے بعد ہی تھا لیکن فلسفہ۔ ریاضیات اور معقولات میں تو وہ اس سے بھی بڑھ کر تھا۔" جب حکمائے خراسان کا شمار کیا جاوے تو خیام ان میں بجز خام اور سب سے بلند مرتبہ، ریاضیات میں سب سے بڑا اور حسابیات میں سب سے بڑھ کر ہے۔ مشہور شاعر و حکیم خاقانی نے اپنے حکیم مہندس اور فلسفی چچا کافی الدین عمر بن عثمان کی تعریف میں اسکو علم و فضل میں عمر خیام کا مثل قرار دیا ہے[1]۔

---

[1] کلیات خاقانی ۔ مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ۔

سہ زاں عقل بدو گفتہ کہ اے عمر عثمان
ہم عمر خیامی و ہم عمر خطاب رضؓ

خیام کے احکامات نجوم کی اتنی شہرت تھی کہ لوگ اس کی مثالیں دیتے تھے حالانکہ خود خیام کو نجوم سے ذرا بھی عقیدت نہیں تھی اور اسے لغو فن سمجھتا تھا۔ طب میں بھی اس کا پایہ بلند تھا۔ بیہقی نے لکھا ہے کہ ملک شاہ سلجوقی کے دربار کا طبیب بھی وہی تھا اس نے ملک شاہ کے لڑکے شہزادہ سنجر کا علاج کیا تھا جس کے چیچک نکل آئی تھی کسی کو بچنے کی امید نہ تھی لیکن وہ اچھا ہو گیا اور اپنے بھائیوں سے زیادہ اس نے حکومت کی۔ عقلیات کے علاوہ وہ علوم نقلی کا بھی عالم تھا لغت[سلہ]، فقہ اور تاریخ میں ید طولیٰ رکھتا تھا ایک خشک فلسفی اور ریاضی داں کو فن قراءت سے کیا واسطہ لیکن وہ اس کا بھی ماہر تھا۔ تفسیر اس کے دائرہ کی چیز نہ تھی لیکن شہرزوری نے قاضی عبدالرشید بن نصر کے حوالہ سے لکھا ہے کہ مرو کے حمام میں اتفاقاً ایک دفعہ خیام سے اس کی ملاقات ہوگئی اس نے خیام سے سورۂ ناس اور سورۂ فلق کا مطلب دریافت کیا۔ سورہ ناس میں بعض الفاظ کی تکرار کی وجہ پوچھی اس نے وہیں اپنے علم اور معلومات کا دریا بہانا شروع کر دیے اور اس تفصیل سے ان سورتوں کی تفسیر بیان کی کہ اس کی وہ تقریر اگر قلم بند کی جاتی تو ایک ضخیم کتاب ہو جاتی اس کے رسالہ جبر و مقابلہ کے ایک فقرہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کو

سلہ وکان عالماً باللغۃ والفقہ والتواریخ ــ بیہقی وشہرزوری

ہندی ریاضیات میں بھی کافی دخل تھا اور اس نے ان طریقوں کی صحت پر ایک رسالہ بھی لکھا ہے۔ بیہقی کی روایت ہے کہ اسکا حافظہ اتنا زبردست تھا کہ اصفہان میں ایک کتاب کو سات بار پڑھنے کے بعد یاد کر لیا اور مہینوں کے بعد نیشاپور آ کر وہی کتاب بعینہٖ لکھوادی۔ وہ اپنے وقت کا زبردست انشاء پرداز اور ادیب تھا۔ وہ اپنے عہد کے دوسرے حکماء کی مانند شاعر بھی تھا۔ عماد اصفہانی نے اپنی کتاب خریدۃ القصر (ادیبوں اور شاعروں کا تذکرہ) میں خیام کو ادیب اور شاعر کی حیثیت سے ہی جگہ دی ہے وہ لکھتا ہے اسکے اشعار کو یہ پرواز حاصل تھا (ولہٗ شعر طائر) اس کی شاعری بیٹھ ورانہ نہیں بلکہ علم و خیال کی شاعری تھی اس نے عربی اور فارسی میں دونوں میں اشعار کہے۔ وہ فارسی رباعیات بھی کہتا تھا اور صرف ان رباعیوں کی بدولت ہی اس کی شہرت آج تک قائم ہے۔ اسکی رباعیات کا ترجمہ فٹز جیرلڈ نے کیا جس کی بدولت یورپ نے خیام سے دلچسپی لی۔ خیام سے پہلے زیادہ تر رباعیات فخریہ اور ہجریہ مضامین کے لئے مخصوص تھیں لیکن اس نے رباعی کو اپنی تعلیم حکمت کا ذریعہ بنایا۔ فلسفہ کے بیان کا کام لیا۔

خیام نے درس و تدریس کے بجائے اپنے لئے تحریر و تصنیف کا کام پسند کیا۔ اسکی تصنیفات بے شمار ہیں لیکن جن کے نام معلوم ہو سکے وہ یہ ہیں:۔

۱۔ رسالہ مختصر طبعیات یا رسالہ لوازم الامکنہ

۲۔ رسالہ بحث وجود

۳۔ رسالہ کون و تکلیف

۴۔ رسالہ اسئلہ ثلاثہ

۵۔ میزان الحکم یا رسالہ فی الاحتیال المعرفۃ مقداری الذہب والفضہ

۶۔ زیج ملک شاہی بعمر الخیامی

۷۔ رسالہ فی شرح : اشکل من مصادرات کتاب اقلیدس۔

۸۔ رسالہ فی الجبر و مقابلہ۔

۹۔ کتاب البرہان علی طرق استخراج اضلاع المربعات المکعبات

۱۰۔ رسالہ فی کلیات الوجود

۱۱۔ رسالہ موضوع علم کلی و وجود

۱۲۔ رسالہ اوصاف یا رسالۃ الوجود

۱۳۔ بعض عربی اشعار

۱۴۔ رباعیات فارسی

۱۵۔ مکاتبات خیام

۱۶۔ نوروز نامہ

تمام تذکرہ نویس متفق ہیں کہ خیام اپنے شاگردوں کے ساتھ لطف سے پیش نہیں آتا تھا اور وہ اپنے علم میں بخل سے کام لیتا تھا اس کے صرف تین شاگردوں کے نام معلوم ہو سکے ہیں۔ ابوالمعالی عبداللہ بن محمد بیانجی حکیم علی بن محمد حجازی تاپنی۔ احمد بن عمر بن علی نظامی۔ عروضی۔ سمرقندی۔ گنجوی مصنف چہار مقالہ۔ زیج المرسوم میں عالی رومی نے کسی کتاب کے

حوالہ سے لکھا ہے کہ امام غزالی باصرار خیام کے شاگرد ہوئے اور بارہ برس اس کی خدمت میں رہے اور تدریس کی اجازت مانگتے رہے مگر وہ نہیں دیتا تھا آخرکار ایک دن اجازت دیدی[1]۔ حجۃ الاسلام کی شاگردی ناممکن نہیں ہے لیکن تعجب تو یہ ہے کہ امام موصوف نے خود اسکا ذکر کہیں نہیں کیا اور بارہ برس کی طویل مدت قابل ترک نہ تھی اس لئے یہ بیان مشکوک ہو سکتا ہے۔

خیام نے کچھ روز قاضی القضاۃ ابوطاہر سمرقندی کی صحبت اور تربیت میں بھی گذارے۔ ابوطاہر سمرقند کے صاحب ثروت لوگوں میں سے تھے۔ وہاں کے رئیس شافعیہ تھے اور فقہ وحدیث کے جید عالم تھے ۴۸۲ھ میں نیشاپور آکر سلجوقی دربار سے وابستہ ہو گئے اور انھوں نے ہی ملک شاہ کو سمرقند لینے پر آمادہ کیا تھا۔

۴۶۵ھ ہجری میں جب ملک شاہ تخت پر بیٹھا تو اسکی عمر صرف ۱۹ سال کی تھی اس وقت سلجوقی سلطنت کا دائرہ کاشغر سے قسطنطنیہ تک پھیلا ہوا تھا وزیر سلطنت نظام الملک طوسی تھا۔ ان دونوں نے جو بڑے بڑے کارہائے نمایاں انجام دے ان میں ایک رصدخانہ کی تعمیر اور قیام بھی ہے۔ عمر خیام کو

---

[1] "خیام" سید سلیمان ندوی بحوالہ ربیع المرسوم ص ۱۷۰۔ "گویند کہ پیشوائے بزرگوار یعنی امام محمد بن غزالی از خدمت حکمت مآبی استفادہ علم حکمی فرمودہ اما حکیم مشارالیہ تعلیم و تدریس را رخصت نمودے"........ وغیرہ وغیرہ

طلب کیا گیا۔ اس کے سپرد رصد خانہ کر دیا گیا اور درباری حیثیت پہلے طبیب کی ہوئی پھر شاہی منجم اور اس کے بعد ندیم خاص۔ وہ ملک شاہ کے انتقال یعنی ۴۸۵ھ ہجری تک انیس سال دربار سے وابستہ رہا۔ اس دور میں اس کے کارنامے۔ رصدگاہ ملک شاہی کا قیام۔ فلکیاتی تحقیق۔ زمین کی گردش صفر[1] کا استعمال۔ تاریخ جلالی کا آغاز اور زیج ملک شاہی اور دوسرے رسالوں کی تصنیف کے تھے۔ ملک شاہ کے بعد اس کا لڑکا برکیارق تخت پر بیٹھا تو خیام کا تعلق دربار سے منقطع ہو گیا۔ تاریخ جلالی کے بجائے قمری سال کا رواج دوبارہ کر دیا گیا اور خیام کو نیشاپور چھوڑنا پڑا۔ برکیارق کے بعد محمد بن ملک شاہ اور پھر محمود بن ملک شاہ یکے بعد دیگرے تخت پر بیٹھے ان تینوں سلطانوں کے چھبیس ۲۶ سالہ دور میں بھی خیام کا پتہ چلتا کہ وہ کہاں مارا مارا پھرتا رہا ۵۱۱ھ ہجری میں سلطان سنجر بن ملک شاہ تخت نشین ہوا اسکا عہد ۵۲۲ھ ہجری تک وسیع رہا اس میں بھی خیام کا پتہ دربار شاہی میں نہیں ملتا البتہ ۵۱۵ھ ہجری میں بعض حکماء نے فلزات کے تولنے کی ترازو بنانے پر کچھ رسالے لکھ کر سلطان کے سامنے پیش کئے تھے ان میں ایک رسالہ عمر خیام کا بھی تھا۔

خیام مسلمان تھا نماز پابندی سے پڑھتا تھا اور حج بھی کر چکا تھا۔ آخر عمر میں وہ گوشہ نشین ہو کر ریاضت اور عبادت میں مصروف رہنے لگا تھا

---

[1] یونانی زیرو۔

اپنے رسالہ کون و تکلیف میں اس نے بعثت رسول کی ضرورت پر دلیلیں پیش کی ہیں۔ مغفرت الٰہی کی دعائیں بھی اس نے بارہا مانگیں۔ جزا و سزا بہشت و دوزخ کا وہ بھی قائل تھا لیکن اسکا فلسفیانہ اور حکیمانہ اسلام تھا جسکا خاکہ ابوعلی سینا کے اشارات اور الٰہیات شفا میں نظر آتا ہے۔ وہ اسلام کے تمام فرقوں میں ذات باری کی حقیقی عزت اور عظمت سمجھنے کا اہل حکماء کو سمجھتا تھا۔ فرقہ حکماء مسلمان فلاسفروں کی وہ جماعت تھی جس کا مقصد عقل نقل اور فلسفہ و مذہب میں تطبیق تھا۔ یہ فرقہ اسلامی عقائد کی تشریح فلسفیانہ مذاق کے مطابق کرتا تھا اور حکماء یونان اور انبیاء علیہم السلام کو ایک ہی شجر کی دو شاخیں سمجھ کر ان دونوں کی تعلیمات میں تطابق پیدا کرتا تھا۔ خیام کا تصوف مذہبی نہیں بلکہ حکیمانہ تھا۔ خیام کے سامنے انبیاء کے احوال نہیں بلکہ حکماء کے احوال تھے اس کے تصوف کا ماخذ یونانی اور افلاطونی اسکول تھے۔ وہ خدا کی کلی معرفت کے امکان کا قائل نہ تھا اور اس کے خیال سے یہ چیز انسانی دسترس سے باہر تھی۔ اسی مضمون پر اسکی رباعی ہے۔

کنہ خردم در خور اثبات تو نیست ٭ و اندیشۂ من بجز مناجات تو نیست
من ذات ترا بواجبی کے دانم ٭ داندہ ذات تو بجز ذات تو نیست

خیام خدا کے عالم کل ہونے کا قائل تھا اور جبر پر عقیدہ رکھتا تھا۔ اس نے کہا ہے کہ "شاید بظاہر جبری حق کے زیادہ قریب ہے"[1] یہی

---

[1] فلعل الجبری اقرب الی الحق فی بادی الرای وظاہر النظر۔ (رسالہ اسئلہ ثلاثہ عمر خیام)

خیالات اس کی رباعیوں سے ظاہر ہیں

نیکی و بدی کہ در نہاد بشر است ؛ شادی و غمی کہ در قضا و قدر است
با چرخ مکن حوالہ کاندر رہ عقل ؛ چرخ از تو ہزار بار بیچارہ تر است

عربی زبان میں رباعیات کی ابتدا ابوالعلاء مصری نے کی اور بہت سے حکیمانہ و فلسفیانہ قطعات لکھے جن کو لزومیات کہا جاتا ہے لیکن خیام اور ابوالعلاء مصری کی شاعری میں کافی فرق ہے۔ ابوالعلاء یہودیت عیسائیت اور اسلام سب کا علیحدہ علیحدہ ذکر کرتا ہے۔ ان کا مقابلہ کرتا ہے ان پر اپنی رائے دیتا ہے لیکن خیام کے یہاں کفر و دین کے علاوہ تیسرے کوئی لفظ نہیں ملتا۔ ابوالعلاء شراب کا سخت مخالف ہے اور اسکا کلام خمریات سے پاک ہے لیکن خیام نے حقیقی یا مجازی مستی کے بغیر ایک مصرع بھی نہیں کہا۔ ابوالعلاء کے نزدیک یہ دنیا سرائے فانی ہے اور اس لئے یہاں عیش و آرام سے فائدہ اٹھانا بھی بیکار ہے۔ خیام کے نزدیک بھی یہ دنیا فانی ہے لیکن اس سے جتنا فائدہ اٹھانا ہو اٹھالو۔ اس کا خیال ہے

کچھ لوگوں کا خیام پر سب سے بڑا الزام یہ ہے کہ وہ رند بلانوش تھا ہر وقت مستی میں پڑا رہتا تھا اور اس عالم خمار میں جو کچھ بک جاتا تھا وہی رباعی ہو جاتی تھی ــــ مجھے یقین ہے کہ یہ خیال صرف ان لوگوں کا ہے جنھوں نے یورپ کے لٹریچر کا مطالعہ کیا ہے یا صرف رباعیات خیام کو پڑھ کر ہی اندازہ کر لیا ہے یہ حقیقت ہے کہ خیام نے جس دور میں آنکھ کھولی تھی اس دور میں لوگ چھپ چھپ کر شراب پیتے تھے اور شراب نوشی حکیم اور فلسفی ہونے کی سند تھی

سارے ماحول پر شراب چھائی ہوئی تھی۔ بڑے بڑے عالم و فاضل زاہد و عابد شراب پیتے نہیں تو تذکرہ ضرور کرتے تھے۔ گل و بلبل کی طرح اسلامی شاعری میں شراب کی آمیزش ہو چکی تھی اور جام و سبو کی تشبیہات اور استعارات شاعری کیلئے ضروری جزو بن گئے تھے بنی امیہ کے دربار سے یہ بدعت شروع ہوئی ہارون رشید کے دور میں خمریات کا زور ہوا فارسی تو پیدا ہی اس دور میں ہوئی اس لئے اسکی شاعری میں شراب کا ذکر ہونا تو لازمی تھا وہ لوگ جنھوں نے کبھی شراب دیکھی تک نہیں اپنے کلام میں اسکا ذکر ضرور کرتے۔ بزرگان دین کے میکدہ کلام میں بھی یہی جوش نظر آتا ہے حالانکہ یہ شراب معرفت ہے ملاحظہ فرمایئے۔

مشہور رباعی گو شاعر حضرت خواجہ سلطان ابوالخیر المخزومی رحؒ سے

گر سبحہ صد دانہ شماری خوب است ✤ در جام مئے از کف نگذاری خوب است

حضرت خواجہ حافظ شیرازی رحؒ سے

بر در میخانہ خرامم گشت چوں حافظ مقیم ✤ چوں خراباتی شدا اے یار طریقت پیر ما

حضرت قطب عالم شاہ نیاز احمد بریلوی رحؒ سے

بر در میخانہ نشستم بصد عجز و نیاز ✤ گشتہ ام از بہر یکدو جام مئے طاعت فروش

موجودہ عہد کے امام طریقت حضرت راز بریلوی مد ظلہ سے

ہر میخانہ زرندان بلاکش بشنو ✤ ساقی مئے عجبے جرعہ صہبا عجبے

ہر میکدہ بادہ خواری میں گذری ✤ بس میکدہ شرمساری میں گذری

موجودہ دور کے صوفی باصفا حضرت بیکش اکبر آبادی سے

ہے خانقاہ میں بے جا تلاش بیکش کی ✤ ملیں گے آپ کو حضرت شراب خانے میں

وہ رند ہوش باختہ بیکش کہیں جسے ✤ آئے ہی جام ہاتھ میں فرزانہ ہو گیا

اور اس بات کا اقرار بلا نوش شاعر غالب بھی کرتا ہے ؎

ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو ❊ بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر

لیکن بدقسمتی خیام ہی ایسا تھا جس کی شراب کو لوگوں نے شراب معرفت مئے محبت اور بادۂ وطن نہ سمجھا اسکی رباعیوں کو پڑھ کر یہ اندازہ کر لیتا کہ وہ شراب کا رسیا تھا کہاں کا انصاف ہے اسکی بہت سی رباعیاں ایسی ہیں کہ جنکے متعلق یہ بھی شبہ ہے کہ وہ اسی کی ہیں یا اور کسی کی — خیام کے جس قدر پرانے اور مستند سوانح نگار ہیں کسی نے اسکی شراب کا ذکر نہیں کیا۔ کاتب اصفہانی۔ قفطی اور ابن وایہ جو اس کے بدترین مخالف تھے اور جو اسکو بے دین اور ملحد کہتے تھے انھوں نے بھی شراب کا ذکر تو درکنار اس کی طرف اشارہ تک نہ کیا۔

خیام کے متعلق اکبر اعظم کہتا تھا — "باید کہ پس ہر غزل حافظ رباعی خیام برنویسند ورنہ خواندن آں حکم شراب بے گزک است"[1] ایک رند کے بعد ایک پیر طریقت کی بات بھی سنئے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اپنے والد ماجد اور صدارشد اور صاحب حال بزرگ حضرت سیف ترک بخاریؒ کے متعلق فرماتے ہیں کہ جب کبھی ان کے سامنے خیام کی یہ رباعی پڑھی گئی تو وہ رو پڑے اور گھنٹوں ان پر کیف طاری رہا[2]

اے کوزہ چو من عاشق زارے بودہ است ❊ در بند سر زلف نگارے بودہ است

اے دست کہ در گردن او می بینی ❊ دستے است کہ در گردن یارے بودہ است

خیام کی وفات کا واقعہ بھی عجیب و غریب ہے ابوالحسن بیہقی نے لکھا ہے کہ ایک روز خیام ابو علی سینا کی کتاب شفا کی الٰہیات کا مطالعہ کر رہا تھا۔

[1] آئین اکبری۔ جلد سوم ص ۲۰۶ نولکشور پریس لکھنؤ [2] اخبار الاخیار شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ

جب واحد و کثیر کی بحث پر پہونچا تو طلائی خلال نشانی کے طور پر رکھ کر کتاب بند کر دی۔ چند سمجھداروں کو بلا کر وصیت کی اور نماز کے لئے کھڑا ہو گیا۔ سجدہ میں اسکی زبان سے یہ فقرے ادا ہو رہے تھے :۔

"بار الہا! تو جانتا ہے کہ میں نے اپنا امکان بھر تجھ کو پہچانا تو مجھے معاف کر۔ کہ میں نے جتنا بھی تجھ کو پہچانا وہی میری نجات کا وسیلہ ہے۔" یہ کہتے کہتے طوطی زباں ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گیا۔

خیام نے اپنی قبر کے متعلق جو پیشین گوئی کی تھی وہ بھی حرف بحرف پوری ہوئی۔ اس کے عزیز شاگرد نظامی عروضی کی روایت ہے کہ "خواجہ خیام نے بلخ میں مجھ سے کہا تھا کہ میری قبر ایسی جگہ ہوگی جہاں ہر موسم میں باد شمال اس پر پھول برسائیگی" جب چار سال کے بعد وہ نیشاپور گیا تو اسکا واحد مقصد خیام کی قبر کی زیارت کا ہی تھا اس نے ایک باغ کے دیوار کے نیچے خواجہ کی قبر پائی۔ قبر کے چاروں طرف امرود اور زرد آلو کے درخت لگے ہوئے تھے جن کے پھولوں سے پوری قبر ڈھکی ہوئی تھی اس کو دیکھتے ہی نظامی رو پڑا۔

خیام کے بارے میں بہت سی غیر مستند روایات بھی منسوب ہیں۔ بہت سے جعلی خیاموں کی مہمل رباعیات بھی اس کی طرف منسوب کر دی گئیں خمریات پر جو رباعی بھی کسی شاعر کی ملی اسے غریب خیام کی تصور کر لیا گیا۔

ابریق مئے مرا شکستی ربی ؛ برمن در عیش را ببستی ربی
برخاک فگندی مے گلگوں را
خاکم بدہن مگر تو مستی ربی

نامعلوم کس بے ادب کی یہ مہمل اور بیہودہ رباعی خیام کی سمجھ لی گئی ہے[1] حالانکہ خیام کے تمام بڑے مجموعوں میں شامل ہے اور یہ غلط فہمی سینکڑوں برس سے مستقل طور پر چلی آ رہی ہے[2]۔ خیام کبھی ایسی گستاخی نہیں کر سکتا تھا جو خیالات اسکی عربی فارسی نظم و نثر میں ہیں ان کے عنوانات دیکھ کر آپ خود فیصلہ کر لیجئے کہ یہ واقعہ کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے۔

(۱) اللہ تعالیٰ خیر محض و سراپا رحمت ہے (۲) بندوں کے تمام کام اسی کی قضا قدر سے ہیں جسمیں انسان سراسر مجبور اور معذور ہے۔ (۳) اللہ تعالیٰ اپنے گنہگار بندوں کو اپنی رحمت سے سرفراز فرمائیگا (۴) بندوں کی گنہگاری اسی لئے ہے تاکہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت و شفقت اور جود و کرم کے جلوے دکھائے۔

محمود نیازی

۱۸ / جون ۱۹۸۰ء

---

[1] و [2] سید سلیمان ندوی نے اپنی معرکۃ الآرا کتاب "خیام" کے ص ۲۹۲ سے ۳۰۰ تک ان تمام مجہول اور غیر مصدقہ روایات کا پول کھولا ہے اور ثبوت و دلائل کے ساتھ انکو غلط ثابت کیا ہے

[2] یہ کوئی نئی بات نہیں ہے اور ہمیشہ سے ہوتا چلا آ رہا ہے لوگوں نے تو مثنوی مولانا روم میں بھی الحاقی کلام شامل کر دیا ہے

عم محترم جناب حامد حسن صاحب قادری کا میں انتہائی شکر گذار ہوں کہ آپ نے میرے ناول کیلئے عمر خیام کی چند رباعیات کا منظوم ترجمہ مرحمت فرمایا

رباعی خیام

(۱)

ہرگز دل من ز علم محروم نہ شد ۔ کم ماند ز اسرار کہ معلوم نہ شد
ہفتاد و دو سال فکر کردم شب و روز ۔ معلومم شد کہ ہیچ معلوم نہ شد

ترجمہ قادری۔ گو دل نہ کسی علم سے محروم ہوا ۔ سمجھا جس راز کا جو مفہوم ہوا
کرتا رہا فکر روز و شب ستر سال[1] ۔ معلوم ہوا کہ کچھ نہ معلوم ہوا

(۲)

اے دل چو زمانہ می کند غمناکت ۔ ناگہ برود زتن روان پاکت
بر سبزہ نشیں و خوش بزی روزی چند ۔ زاں پیش کہ سبزہ بر درا زخاکت

ترجمہ۔ اے دل تجھے کرتی ہے جو دنیا غمناک ۔ آخر نکلے گی تن سے یہ جان پاک
کر سبزہ و گل کی سیر خوش رہ کچھ روز ۔ قبل اسکے کہ سبزہ پوش ہو تیری خاک

(۳)

مئے نوش کہ عمر جاودانی این است ۔ خود حاصلت از دور جوانی این است
ہنگام گل و بادہ و یاراں سرمست ۔ خوش باش دمے کہ زندگانی این است

ترجمہ۔ مے پی کہ حیات جاودانی یہ ہے ۔ ہاں ثمرۂ ایام جوانی یہ ہے
فصل گل ہو شراب ہو مست رہیں ۔ کر عیش ذرا کہ زندگانی یہ ہے

(۴)

برخیز و مخور غم جہان گذراں ۔ بنشیں و دمے بشادمانی گذراں
در طبع جہاں اگر وفائے بود ۔ نوبت بتو خود نیامدے از دگراں

---

[1] مترجم کی عمر ۷۰ سال ہے۔

ترجمہ۔ اٹھ اور نہ کھا غم جہان گذراں ؛ بیٹھ ایک ہی دم خوشی میں گذر رشاداں
ہوتی جو جہان کی طبیعت میں وفا ؛ نوبت تری دوسروں سے آتی ہی کہاں

(۵)

آں قصر کہ بر چرخ ہمی زد پہلو ؛ بر درگہ او شہاں نہادندے رو
دیدیم کہ بر کنگرہ اش فاختہ ؛ بنشستہ ہمی گفت کہ کوکو کوکو

ترجمہ۔ وہ قصر جو آسمان کا تھا ہم پہلو ؛ جھکتے تھے جہاں شہان ذی قدر و علو
اک فاختہ کنگرے پہ بیٹھی تھی وہاں ؛ کہتی تھی وہ فاریں کوکو کوکو



نسیم انہونوی

Rs. 4/-